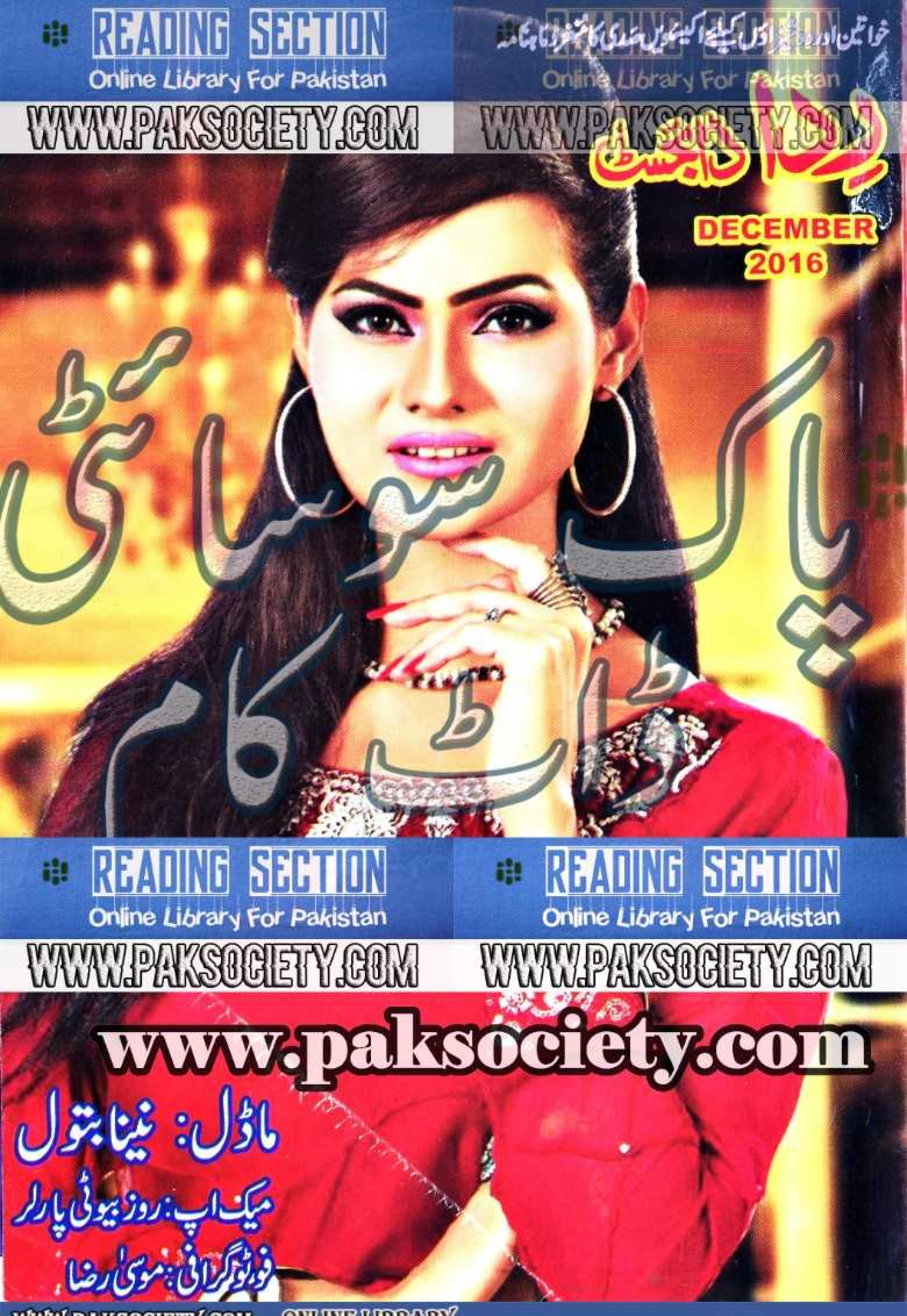

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ
ردا ڈائجسٹ
DECEMBER
2016
ماڈل: نینا بتول
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

رِدا ڈائجسٹ

چیف ایڈیٹر
صالحہ محمود

ایڈیٹرز
سعدی محمود جعفری ۔ بلال جعفری
نمائندہ امریکہ، فراز جعفری
E-Mail : frazjafri@aol.com
نمائندہ UAE ، عمیر علی جعفری
E-Mail : saqrchit@emirates.net.ae
نمائندہ لندن، شگفتہ آصف خان
آرٹسٹ : جنید انصار

خط و کتابت کا پتہ
رِدا ڈائجسٹ
۱۲۹-ڈی-بلاک ۲
پی-ای-سی-ایچ-ایس
کراچی



سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

دسمبر 2016ء

جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 12

قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

مستقل سلسلے



صالحہ محمود

گوشہ

دسمبر کی سردیاں پچھلی یادوں سے لپٹی ہوئی کہانیاں زندگی کے ساتھ ہوتی ہے۔موسم اور رنگ انسان کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔زندگی کا عکس انسان کے وجود سے کبھی الگ نہیں ہوتا۔ ہم کہیں بھی جائیں ہمارا سایہ ساتھ ہوتا ہے۔رات کی تاریکیوں میں مجھے لکھنا بہت اچھا لگتا تھا۔آج بھی قلم دست گریباں ہے، کتابوں میں رکھی ہوئی رنگین تصویریں جو میں رکھ کر بھول گئی تھی۔اچانک بھولے بسرے دوستوں کی طرح کبھی کتابوں میں کبھی ڈائریوں میں مل جاتی ہیں۔یہ صفحات زندگی کے ہیں جو کہ کبھی خود سے الگ نہیں ہو سکتے۔یہ میری کہانی نہیں ہم سب کی کہانی ہے۔کہانی تو ایک ہی ہوتی ہے۔ہر قلم کی سوچ الگ الگ منفرد انداز میں صفحہ قرطاس پر اترتی ہے۔سو رنگ اور موسم سب ایک جیسے ہیں کہانی میں رنگ آپ نے بھرنے ہیں۔دسمبر کی جتنی کہانیاں تھیں میں نے سب کو شاملِ اشاعت کیا تا کہ آپ بیدرت یہ موسم انجوائے کر سکیں۔

رب العزت سے دعا کریں کہ آنے والا کل خیر کا ہو، جب سورج طلوع ہو تو خیر عافیت ہم اللہ کی امان میں ہوں۔بھارت کی بڑھتی ہوئی شیطانی حرکتیں ہمارے ملک کی آزادی پر مشکلات پیدا کر رہی ہیں۔ اگرچہ صبر اور استقامت کا ہماری سرحدوں کے محافظ ثبوت دے رہے ہیں۔پاکستانی ایٹمی طاقت کی زد میں بھارت کے بیشتر علاقے آسکتے ہیں۔ایٹمی تباہ کاریاں دونوں ممالک کے لیے نقصان دہ ہیں لیکن جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ پاکستان کا رخ کرے گا اور عالم انسانیت کے لیے عبرت کا نشان بن جائے گا۔اللہ سے خیر کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

موسم کی سردیاں اور یہ ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے اور خوش کن لمحات کا ایک تصور کہ ردا آپ کے پاس موجود ہے۔سرد موسم میں سرد موسم کی کہانیاں گرم لمحوں اور آتش دان کے پاس کافیاں اور چائے کا مزہ دیں گی۔سو جب تک کے لیے ہم آپ کو اللہ حافظ کہتے ہیں فون کالز اور سندیسوں میں رابطہ رکھیے نئے لکھنے والوں کو ہم ردا گائیڈ کارنر میں ضرور جگہ دیتے ہیں اور ہم انہیں یہ بات بتاتے ہیں کہ ایک ناول، ناولٹ، افسانہ کیسے لکھتے ہیں تو آپ ردا گائیڈ کارنر میں ضرور شامل رہیں۔سندیسہ لکھیے یہ ہماری رہنمائی کا ایک ذریعہ ہے۔

آپی

ردائے عشقؐ

صالحہ محمود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ بالفاظ قرآنی (ترجمہ) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔" (الاحزاب: 21)۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند کرتا ہے جو قرآنی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرے۔

ایک صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو بس قرآن کی تعلیمات کے مطابق تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمام انسانوں کے لیے مثالی زندگی تھی لہٰذا جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بھرپور زندگی گزاری ہے کہ ہر فرد بشر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتی ہے۔

انسانی زندگی میں خوشی، غمی، حادثات، بیماریاں اور صدمات ناگزیر ہیں۔ ہر انسان کو ان حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی یہ سارے مرحلے آئے اور ان مراحل میں سے گزرنے کا انداز نبوی زندگی میں موجود ہے۔ جن کاموں کو معاشرے میں گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کر کے انسانیت کے اس طبقے کے لیے مثال قائم کر دی تاکہ کوئی بھیڑ بکریاں چرانے والا یا مزدور، موچی اپنے آپ کو کمتر نہ سمجھے اور نہ ہی معاشرے میں اسے نیچ سمجھا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکپن میں بکریاں بھی چرائیں۔ گھر کے کام خود کیے۔ اپنے جوتوں کو مرمت بھی کیا۔ بلکہ دوسرے ضرورت مندوں کے بھی کام کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناداری کا زمانہ بھی دیکھا اور بڑے صبر و ثبات کے ساتھ وقت گزارا۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کھانا پکتا اور کبھی فاقہ ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی امتیاز کو پسند نہ کرتے اور اپنی باری پر سواری پر بیٹھتے اور دوسروں کے ساتھ پیدل بھی چلتے جب کہ بعض صحابہؓ سواریوں پر ہوتے۔ سفر کے دوران کہیں پڑاؤ کرتے۔ کھانے پکانے کی نوبت آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے ساتھ مساوی کام کرتے۔ کبھی چولہا جلانے میں مدد دیتے اور کبھی آگ جلانے کے لیے لکڑیاں اکٹھی کر کے لاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اجتماعی خوشی کے مواقع بھی آئے۔

مکی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر قسم کی بدسلوکی کی گئی۔ دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا۔ برا بھلا کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ممکن طریقے سے ستایا اور مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام پھیلانے سے باز رہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آئی۔ نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گالی کا

جواب گالی سے دیا اور نہ دل شکستہ ہو کر اپنا مشن چھوڑا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خادم سے وہ کام کرواتے جو اگر خود کرنا پڑے تو اس میں عار محسوس نہ ہو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم خادم کو وہی کھلاتے جو خود کھاتے اور وہی پہناتے جو خود پہنتے۔ خادم سے ہونے والی کوتاہیوں اور غلطیوں کو بڑی فراخ دلی سے برداشت کر لیتے اور خادم کو برا بھلا نہ کہتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ نکاح کیے اور اپنی تمام بیویوں کے ساتھ یکساں حسن سلوک کے ساتھ رہے۔ کسی بیوی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طرح کی شکایت نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا ہے اور دیکھو میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں کیں، جو سادگی کا نمونہ تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتدال کی روش پسند کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتدال کی اجازت دی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا کہ ایک صحابی نے رات بھر جاگ کر نفل نمازیں پڑھنے کا ارادہ کیا ہے، دوسرے نے لگا تار روزے رکھنے کا ارادہ کیا ہے، ایک نے کہا ہے کہ میں شادی نہیں کروں گا تاکہ خاندانی زندگی سے دور رہ کر بس نیک کاموں میں لگا رہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ میرا طریقہ دیکھو، رات کو سوتا بھی ہوں اور جاگ کر نماز بھی پڑھتا ہوں۔ لگا تار نفلی روزے نہیں رکھتا، بلکہ کبھی رکھتا ہوں کبھی چھوڑتا ہوں۔ میرے بیوی بچے ہیں، ان کے حقوق بھی ادا کرتا ہوں۔

ایسا نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بیمار ہی نہ ہوئے ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوتے تو دعائیہ کلمات پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکتے اور وہ ہاتھ تمام جسم پر پھیر لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماروں کی تیمار داری کی۔ تیمار داری کو اجر و ثواب کا باعث بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کو یہ کہہ کر تسلی دیتے کہ یہ بیماری تمہارے گناہ مٹا دے گی۔

وفات کسی اپنے کی ہو یا پرائے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم خالق سمجھ کر صبر کے ساتھ برداشت کرتے۔ کسی عزیز کی وفات ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو جاتے۔ اس صدمے کو اللہ کی رضا سمجھتے اور متعلقین کو صبر کرنے کو کہتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمن ہو گئے (اس کی مذمت میں سورۃ اللہب نازل ہوئی) ان کے بیٹوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاقیں دے دیں۔ بیٹیوں کی طلاق کا یہ صدمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برداشت کرنا پڑا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے داروں اور ہمسایوں کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو از حد تکلیفیں پہنچیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کیا گیا، کئی طریقوں سے ستایا گیا، راستے میں کانٹے بچھائے گئے، طعنوں و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا۔ ابولہب کا مکان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے ساتھ تھا وہ اور ان کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمہ وقت دشمن تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی انتقامی کارروائی نہ کی بلکہ ان کی بدسلوکی کا جواب خوش اخلاقی سے دیا۔

☆......☆

قمروش شہک

سلسلے وار ناول

صحرائوں کی گلیوں میں عشق

"اچھا یہ بتاؤ عابد جوفا گیا؟"
"ہاں کل دوپہر کی فلائٹ سے انڈونیشیا چلا گیا۔"



"تم نے میری بات کی عابد جوفا سے کہ میں اس کے ساتھ پارٹنرشپ میں انٹرسٹڈ ہوں۔"

"ہاں کی تھی وہ کہنے لگا کہ ایک دو ماہ میں پھر پاکستان کا چکر لگائے گا جب میرے ٹام کروز سے میٹنگ رکھے گا۔" مغرورانہ مسکراہٹ سمیت وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا ہے نا جب تک شاید سہد وڑائچ بھی آجائے۔"

"سہد وڑائچ......؟" ذکی نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سہد وڑائچ کون ہے؟"

"ارے بھول گئے بتایا تو تھا سہد وڑائچ تھائی لینڈ، دبئی، سری لنکا اور لندن کا سب سے بڑا بیوپاری ہے۔ وہ حسن کو منہ مانگی قیمت میں خرید وفروخت کرتا ہے۔ سہد وڑائچ کی صبح کہاں گزرتی ہے اور رات کون سے

قسط نمبر 4



ملک میں یہ کوئی نہیں جانتا وہ ایک پل میں اِدھر تو ایک پل میں اُدھر اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"تم نے دیکھا ہے اسے؟"

"نہیں مگر سنیتا بائی بتا رہی تھی کے آج سے دس یا پندرہ سال پہلے وہ یہاں پاکستان آیا تھا۔ اس کے بعد وہ ایسا غائب ہوا کوئی نہیں جانتا وہ کہاں ہے۔"

"تمہیں سہد وڑائچ سے ملنے کی خواہش نہیں ہے؟"

"اپنے ٹام کروز سے ملنے اور دیکھنے کے بعد اب کسی سے کوئی ملنے یا دیکھنے کی خواہش نہیں ہے۔" اس نے لجائی نظروں سے ذکی کو دیکھا۔

"اور ایک بات بتاؤ، تم کیا ایئر فورس میں ہو جو پولیس والوں کی طرح مجھ سے سوال پر سوال کر رہے ہو۔" اس نے شاکی نظروں سے ذکی کو دیکھا تھا۔

"میری جان! وہ اس لیے کہ میں اب صرف تمہارے ساتھ ہر ملک میں گھوم پھرنا چاہتا ہوں۔ اپنی زندگی کو صرف تمہارے ساتھ انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔ ہر پل ہر لمحہ تمہارے لیے اپنے لیے یادگار بنانا چاہتا ہوں۔" وہ نشیلی باتوں کا جال اس پر بن رہا تھا اور وہ اس کی چالاک وشاطرانہ باتوں کی وادیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔

"ٹام کروز آئی لو یو۔"

"لو یو ٹو۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

"ازابیلا......!" انیق واحدی نے بہت دور سے ازابیلا کو آواز دی تھی۔ اتنے شور شرابے میں اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس تک انیق واحدی کی آواز نہیں پہنچ رہی ہے اس لیے اس نے ویٹر کے ذریعے بلایا۔

"میڈم! آپ کو وہاں انیق سر بلا رہے ہیں۔" ازابیلا جو ذکی کی نشیلی باتوں میں مدہوش تھی۔ ویٹر کی بات پر چونک گئی اس نے پہلے ویٹر کو پھر رخ موڑ کے دور کھڑے انیق واحدی کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اشارے سے اسے بلا رہا تھا۔ ازابیلا سمجھ گئی کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔

"ایکسکیوز می۔" ازابیلا، ذکی کو ایکسکیوز کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے انیق واحدی کی طرف بڑھی۔

"سب خیریت تو ہے، اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہو؟"

"بات ہی کچھ ایسی ہے پریشانی والی تم سنو گی تو تم بھی پریشان ہو جاؤ گی۔"

"اب پہیلیاں بجھوانا بند کرو اصل بات کرو۔" وہ زچ ہو گئی تھی کیونکہ وہ اس وقت اپنے پسندیدہ شکار کو جال میں پھنسا رہی تھی۔

"یہاں نہیں سنیتا بائی کے پاس چلو وہیں کرتے ہیں بات۔"

"اچھا۔" اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ ذکی اسی کی جانب بغور دیکھ رہا تھا۔ ازابیلا کے دیکھنے پر اپنا آدھا گلاس بچا ڈرنک اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

"چلو ٹھیک ہے تم چلو میں پانچ منٹ میں پہنچتی ہوں۔"

"تم سمجھ نہیں رہی ہو ازابیلا! ہمارے پاس وقت نہیں ہے تم اپنے ٹام کروز سے بعد میں مل لینا مگر ابھی فی الحال میرے ساتھ چلو۔" انیق واحدی کو ہلکا سا غصہ آ گیا۔

"او کے بابا چلو۔" وہ پھر بغیر ذکی سے ملے انیق واحدی کے ہمراہ ہو لی تھی۔

''کیا بکواس کررہے ہو ایسے کیسے ہو سکتا ہے ان ساری لڑکیوں کو پانی کی بوٹ پر چڑھانے کے بعد میں نے ہی اس پانی والی بوٹ کو روانہ کیا تھا اور عابد جوفا بھی میرے سامنے ہی ایئر پورٹ کے اندر تک داخل ہوا تھا۔ جب مجھے تسلی ہو گئی کہ عابد جوفا جہاز میں بیٹھ گیا ہے۔ جہاز فلائی کر گیا ہے تب ہی میں وہاں سے ہٹی ہوں۔''

''یہی بات سمجھ نہیں آرہی کہ اگر عابد جوفا انڈونیشیا نہیں گیا تو کہاں گیا ہے۔'' جتنا حیران پریشان انیق واحدی تھا اس سے کہیں زیادہ ازابیلا اور سنیتا بائی تھیں۔

''ایک بات بتاؤ تمہیں کیسے پتا چلا کہ عابد جوفا انڈونیشیا نہیں پہنچا؟'' سنیتا بائی کب سے یہ سوال کرنا چاہ رہی تھی۔

''پچھلے چار گھنٹے سے عابد جوفا کی گرل فرینڈ صنم ربی مجھے کوئی سو بار کال کر چکی ہے اور وہ اس قدر غصے میں ہے کہ بس نہیں چل رہا موبائل سے نکل کر ہی مجھے شوٹ کر دے۔'' انیق واحدی نے دونوں کو باری باری دیکھا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے یہ کام کس کا ہو سکتا ہے؟'' ازابیلا کے چہرے کا بھی رنگ فق ہو گیا تھا۔

''یہی تو مجھے بھی سمجھ نہیں آرہا۔'' اس نے پرسوچ نظروں سے ازابیلا کو دیکھا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ عابد جوفا پاکستان آیا ہے یہ بات کس کس کو معلوم تھی؟''

''ہم تینوں کے علاوہ شبنم جانتی تھی۔'' ازابیلا نے جھٹ کہا۔

''شبنم......! کہیں شبنم نے تو پولیس کو انفارم نہیں کیا۔''

''نہیں......نہیں شبنم ایسا کبھی نہیں کرے گی اس کو بھلا عابد جوفا سے کیا نقصان تھا۔ بلکہ اس کا تو فائدہ ہی کر کے گیا ہے۔'' سنیتا بائی نے فوراً شبنم کی طرفداری کی تھی۔

''تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو سنیتا بائی؟'' انیق واحدی نے سوالیہ نظروں سے سنیتا بائی کے میک اپ سے کیے گئے چہرے کو بغور تکا تھا۔

''وہ اس لیے کیونکہ میں شبنم کو اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ وہ مر تو جائے گی مگر غداری نہیں کرے گی۔''

''چلو تم کہتی ہو تو میں مان لیتا ہوں۔'' انیق واحدی نے کہا۔

''مگر مجھے پھر بھی شک ہے شبنم پر۔'' ازابیلا کو تو ویسے بھی اس سے چڑ تھی۔

''اچھا ایک بات اور بتاؤ تم اپنے ٹام کروز کو کتنا جانتی ہو۔ جسے ابھی تک اپنے حسن کے جال میں پھانس نہیں سکی ہو۔'' انیق واحدی نے طنزیہ نظروں سے ازابیلا کے چمکتے خوب صورت چہرے کو دیکھا تھا۔ ''یہ تم مجھ سے کس لب و لہجے میں بات کر رہے ہو۔ بھول گئے ابھی جو ٹام کروز نے مجھے پچاس لاکھ کا چیک دیا تھا۔ اس میں سے آدھی رقم تمہارے اکاؤنٹ میں ڈالی ہے۔'' ازابیلا کو انیق واحدی کا یہ تضحیک آمیز انداز سخت ناگوار لگا تھا۔

سنیتا بائی نے حیران نظروں سے ازابیلا کو دیکھا کیونکہ یہ والی بات اس کے علم میں نہیں تھی۔

''پچاس لاکھ......! ازابیلا! تو نے مجھے تو یہ بات نہیں بتائی تھی۔'' سنیتا بائی کو اپنا حصہ نہ ملنے کا دکھ تھا۔ غم ستا رہا تھا کہ اسے ازابیلا نے حصہ کیوں نہیں دیا۔

''ہاں ابھی دو دن پہلے ہی ٹام کروز نے مجھے پچاس لاکھ کا چیک دیا ہے اور فارکاسنڈ انفارمیشن کے ٹام

کروڑ ایک بزنس ٹائیکون ہے وہ بھی ہماری ہی کلاس کا ہے۔" ازابیلا نے تلخی سے انیق واحدی کو دیکھا تھا۔

"ہماری کلاس کا مطلب؟" ازابیلا کے تلخ انداز کی اس نے رتی بھر بھی پرواہ نہیں کی تھی۔

"وہ عابد جوفا سے پارٹنر شپ کرنا چاہتا ہے مگر عابد جوفا نے کہا کہ وہ اگلے ماہ پھر چکر لگائے گا اور تم کچھ اور کہہ رہے ہو اور غلط سمجھ بھی رہے ہو۔" ازابیلا نے ناراضی سے رخ موڑ لیا تھا۔ انیق واحدی کو اس کی ناراضی بہت کھلی تھی وہ اس کو ناراض کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں مارنا چاہتا تھا۔

"آئی ایم سوری میری جان! میں نے کچھ زیادہ ہی اوورری ایکٹ کر دیا۔" انیق واحدی نے ازابیلا کے گلے میں اپنا بازو ڈالا تھا۔

"چل ازابیلا! اب مان جا وہ منا تو رہا ہے۔" سنیتا بائی نے بھی ازابیلا کی ناراضی دور کرنا چاہی۔

"او کے مان جاتی ہوں مگر اس سے کہہ دو آج کے بعد مجھ سے اس انداز میں بات نہیں کرے۔" اس نے روٹھے پن سے کہا۔

"پر اس نہیں کروں گا۔" اس نے جھک کر ازابیلا کے رخسار پر اپنے لب رکھ دیے۔ ازابیلا مسکرا دی۔ ساتھ سنیتا بائی کا بھی بے ہنگم قہقہہ ہال کمرے میں گونجا تھا۔

"اب ہم اصل پوائنٹ تو بھول ہی گئے۔" انیق واحدی نے اچانک سے کہا۔

"وہ کیا؟"

"یار اس بلا کا کیا کروں؟"

"کس بلا کا؟" دونوں نے ناسمجھی کی کیفیت میں انیق واحدی کو دیکھا تھا۔

"صنم ربی جس نے میری جان کھائی ہوئی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو تم۔"

"یہ لو پھر سے اس کا فون آ گیا۔" انیق واحدی نے اپنا سیل فون ان دونوں کے آگے کیا جہاں صنم ربی کی کال آ رہی تھی۔

"میں تو یہ سوچ رہا ہوں کے انسپکٹر اذکار علوی۔ کے ہاتھ اگر عابد جوفا لگ گیا تو عابد جوفا کی لاش بھی نہیں ملے گی۔"

"ایسا کیا طرم خان ہے وہ انسپیکٹر اذکار علوی۔"

"تم اسے جانتی نہیں ہو اس لیے کہہ رہی ہو۔"

"ارے ازابیلا کے ہوشربا حسن سے کوئی آج تک بچا ہے۔ میرے حسن کا زہر جس نے چکھا ہے وہ میرے قدموں میں ڈھیر ہوا ہے۔" ازابیلا نے مغرورانہ انداز میں انیق واحدی کو دیکھا تھا۔

"وہ تو ہے دیکھ لو اب میں بھی پوری طرح تمہارے حسن کا اسیر ہوں۔" انیق واحدی نے کہتے اس کی عریاں کمر میں بازو ڈال کر اس کی گردن پر جابجا نشان چھوڑتا چلا گیا تھا۔

"کہو تو میں چلی جاؤں۔" سنیتا بائی ہنستی ہوئی دونوں کی چھیڑ خانی دیکھنے لگی۔

"ہاں سنیتا بائی! تو جا اور دروازہ بند کر دینا آج رات میں یہیں رکنے والا ہوں بہت دن ہو گئے ازابیلا کے ساتھ وقت گزارے۔" وہ ازابیلا کے چہرے پر جھکتا چلا گیا تھا۔ ازابیلا مسکرا دی۔ سنیتا بائی اپنا بھاری بھرکم وجود اٹھائے وہاں سے چلی آئی تھی۔

''میرا خیال ہے، ہم عابد جوفا اور صنم ربی کو ڈسکس کرنے والے تھے۔''
''چولہے میں ڈال ان کو اس وقت، بعد میں دیکھیں گے ابھی تو مجھے صرف اور صرف یہ جام پینا ہے۔''
اس نے ازابیلا کے پورے جسم پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا تھا۔

☆......☆

''کیا بات ہے اماں! کیا سوچ رہی ہو؟'' اجیارہ نے کپڑے دھونے کی مشین لگائی ہوئی تھی۔ وہ مشین میں سرف اور کپڑے ڈال رہی تھی مگر نظر بلقیس آراء پر بھی تھی جو تخت پر بیٹھی کسی بہت ہی گہری سوچ میں غلطاں تھیں۔ اجیارہ وہیں بلقیس آراء کے پاس آکر بیٹھ گئی۔
''آں......ہاں......نہیں کچھ بھی تو نہیں۔'' وہ چونک کر اجیارہ کا چہرہ دیکھنے لگی تھیں۔
''نہیں اماں! کوئی تو بات ہے کوئی پریشانی ہے جو تم کو پریشان کر رہی ہے۔'' اجیارہ نے بلقیس آراء کے شانے پر ہاتھ رکھا۔
''مجھے نہیں بتاؤ گی؟''
بلقیس آراء نے ایک گہری سانس لی۔ ''زینت کا انتظار کر رہی ہوں آج پندرہ دن ہو گئے مگر ابھی تک زینت نہیں آئی۔''
زینت خالہ کا تو اجیارہ کو بھی انتظار تھا وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا تھا حالانکہ لڑکے والے اسے پسند کر گئے تھے مگر ابھی تک فون کر کے انہیں اپنے گھر آنے کو نہیں کہا اور نہ ہی زینت خالہ آئی تھیں۔
''ہوسکتا ہے کسی کام میں مصروف ہوں۔''
''پھر بھی تھوڑی دیر کو تو آتی وہاں کیا بات ہوئی کچھ تو بتاتی اس رشتے کے لیے میں بہت خوش ہوں۔''
اسی اثناء میں دروازے پر دستک بھی ہوئی اور واشنگ مشین کی بیل بھی۔ زینت خالہ اندر داخل ہوئیں۔ اجیارہ نے خوش اخلاقی سے انہیں سلام کیا تھا۔
''السلام علیکم زینت خالہ!''
''وعلیکم السلام بیٹی جیتی رہو خوش رہو اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔'' زینت خالہ کی پژمردہ مرجھائی سی آواز افسردہ سا چہرہ اجیارہ کے دل میں کچھ کھٹکا سا ہوا۔ کوئی انہونی ہو گئی ہو شاید، وہ وہاں سے کھڑی ہو گئی اور مشین میں سے کپڑے نکالنے لگی۔
''سلام بلقیس آراء بہن۔'' زینت تھکی تھکی سی بلقیس آراء کے پاس دونوں پیر اوپر اٹھا کے بیٹھ گئی۔
''وعلیکم السلام! زینت کہاں غائب ہو گئی تھیں تم۔'' زینت کا بجھا بجھا چہرہ دیکھ کر زینت کے دل میں بھی کچھ شک سا ہوا مگر اپنا وہم سمجھ کر جھٹکا دیا۔
''بلقیس آراء بہن اصل میں......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھیں اور وہیں کھڑی اجیارہ کو دیکھنے لگیں۔ زینت کی نظروں کا اشارہ بلقیس آراء سمجھ گئی تھیں۔
''اجیارہ!''
''جی اماں!''
''بیٹا! زینت کے لیے اور میرے لیے چائے تو لے آؤ۔''
''جی اچھا اماں!'' اجیارہ کو بھی جاننے کی جستجو تھی آخر بات کیا ہے اس لیے وہ کچن میں تو آ گئی مگر کھڑکی

کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔

"ہاں زینت! بولو سب خیریت تو ہے نا تم مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔" بلقیس آراء نے بے صبری سے کہا تھا۔ ان کے لب و لہجے میں آنکھوں میں کیا کیا سوالات تھے زینت سب جانتی اور سمجھتی تھیں۔

"بلقیس بہن میں اجیارہ کے لیے انشاء اللہ اس سے بھی اچھا اور بہترین رشتہ لاؤں گی۔" کتنی مشکلوں سے زینت نے کہا تھا وہی جانتی تھیں۔

"میں سمجھی نہیں زینت! اس بات کا کہنے کا مقصد ہے ابھی جو رشتہ لائی تھیں اس کا کیا ہوا کیا کہا ان لوگوں نے۔"

"چھوڑو نا بلقیس بہن! وہ لوگ ہماری اجیارہ بیٹی کے لائق ہی نہیں تھے۔"

"لائق نہیں تھے مطلب ایسا کیوں کہہ رہی ہو زینت کھل کر صاف صاف بات کرو میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔" بلقیس آراء کے دل میں ہول اٹھنے لگے تھے۔

"میں تمہیں نہیں بتانا چاہ رہی تھی تم اتنا اصرار کر رہی ہو تو بتاتی ہوں ان کم ظرف، بدنصیبوں نے ہماری اجیارہ بیٹی پر الزام لگایا ہے، بہتان لگایا۔ نہایت ہی گھٹیا لوگ ہیں، مجھ سے ہی پہچاننے میں غلطی ہوگئی۔" زینت کی آنکھوں میں نمی سی بھرنے لگی تھی۔

"ک...... کی...... کیسا...... الزام...... زینت؟" بلقیس آراء کے جسم سے تو جیسے روح ہی نکلنے لگی تھی۔

"یہی کہ اجیارہ کا کسی رکشے والے سے چکر چل رہا ہے اور ہمیں ایسی بدکردار آوارہ صفت کی بہو اپنے بیٹے کے لیے نہیں چاہیے۔" زینت کا دل خون خون ہوگیا تھا۔

"کیا......؟" بلقیس آراء پر تو جیسے آسمان ٹوٹ کے گرا ہو زمین پیروں تلے کھسک گئی ہو۔ اتنا بڑا الزام ان کی معصوم بیٹی پر وہ تو شبنم کے پہلے قطرے کی طرح صاف و شفاف کردار کی مالک ہے تو پھر اتنا بڑا الزام، بہتان کیوں...... کیا وجہ ہے۔"

اندر اجیارہ کے سر پر بھی ایسا لگا کہ اس گھر کی ساری مضبوط دیواریں آگری ہوں۔ کھڑکی کی چوکھٹ نہ تھام لی ہوتی تو یقیناً وہ زمین بوس ہو چکی ہوتی۔

"بلقیس بہن!" زینت نے بلقیس آراء کی سکتہ جیسی کیفیت دیکھی تو گھبرا کے رہ گئیں۔

"بے شک منع کر دیتے اس رشتے سے مگر اتنا بڑا الزام گھٹیا بہتان تو نہیں لگاتے میری معصوم پاکیزہ بچی پر۔" بلقیس آراء کی آنکھوں سے چند موتی ٹوٹ کر گرے تھے۔

"اجیارہ بیٹی کی معصومیت پاکیزہ صاف و شفاف کردار کی تو میں بھی قسم کھاتی ہوں مگر ان لوگوں کو کیا غلط فہمی ہوئی کس نے جا کر غلط بیانی کی میں نہیں جانتی۔" زینت کی آنکھوں میں بھی اس رشتے کا نکل جانے کا افسوس اور دکھ تھا۔

"میری اس دس سالہ فیلڈ میں یہ پہلی دفعہ ہوا ہے کہ کسی کی بیٹی پر ایسا گھٹیا الزام لگا کر لڑکی کو ریجیکٹ کیا گیا ہو۔ وہ بھی اجیارہ بیٹی......! جسے میں سب سے زیادہ چاہتی ہوں۔ عزیز رکھتی ہوں۔ بلقیس بہن میری کوئی بیٹی تو نہیں مگر یہ میرا اللہ گواہ ہے کہ اجیارہ کو میں اپنی بیٹی سمجھتی ہوں بلکہ بہت پیاری ہے مجھے اجیارہ بیٹی۔" زینت کی آنکھوں سے اشک سے بہنے لگے تھے۔

"میں جانتی ہوں زینت کہ تم اجیارہ کو بہت چاہتی ہو مگر میری باکردار بیٹی کے ساتھ ایسا ہوگا یہ تصور میں

بھی نہیں سوچا تھا۔ ہم شریف اور خاندانی لوگوں کے لیے یہ بہت بڑی بات ہے کہ کوئی ہماری عزتوں پر انگلی اٹھائے۔"

"اماں!" پیچھے سے اجیارہ نے بلقیس آراء کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ بلقیس آراء نے پلٹ کر دیکھا۔

"میری بچی۔" بلقیس آراء نے سسکتے ہوئے اپنی دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ اجیارہ ان میں سما گئی۔ اجیارہ کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔

"میری معصوم پھولوں جیسی بیٹی پر جس نے بھی اتنا گھٹیا الزام لگایا ہے اللہ اسے ضرور سزا دے گا۔" انہوں نے اپنے سینے میں چھپی اجیارہ کے سر پر بوسہ دیا تھا۔

"تم فکر مت کرو بلقیس بہن! انشاء اللہ ہماری اجیارہ کا نصیب بہت روشن ہوگا۔ اتنا شاندار کہ سب دیکھتے رہ جائیں گے۔" زینت نے شفقت سے اجیارہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

وہ تو شکر تھا کہ دعا آج گھر میں نہیں تھی ورنہ بلقیس آراء جانتی تھیں وہ خوش ہوتی اجیارہ کے رشتے کا ٹوٹ جانے پر۔

"ان شاء اللہ......" بلقیس آراء نے دل سے دعا کی تھی۔

"اب چھوڑیں اس قصے کو میں چائے لے کر آتی ہوں اور ساتھ زینت خالہ کی پسند کے شامی کباب بھی۔" اس نے بمشکل اپنے دل کو سنبھالا تھا اور وہاں سے اٹھی کچن میں چلی آئی۔ زینت اور بلقیس آراء اپنی باتوں میں لگ گئیں۔

"السلام علیکم زینت خالہ!" اسی دوران دعا اپنی ماں کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کی چہکتی آواز پر زینت نے عجیب سے انداز میں اسے دیکھا تھا اور سر کے اشارے سے جواب دیا۔

"چلو اچھا ہوا تم یہاں ہی مل گئیں لو تمہارا کارڈ میں تمہیں یہیں دے دیتی ہوں۔" دعا نے اپنی ماں سے شادی کا کارڈ لے کر زینت خالہ کے آگے بڑھایا۔

"کیسا کارڈ؟" زینت نے کارڈ لے کر اس کا خوشی سے چمکتا چہرہ دیکھا تھا۔

"ارے میری بیٹی کی شادی کا کارڈ اسی ہفتے میری بیٹی کی شادی ہے۔ اللہ کا کرم ہے بہت اچھا رشتہ آیا ہے میری بیٹی کا۔ چٹ پٹ بیاہ والا حساب ہے۔" دعا کی ماں فخریہ انداز میں بول رہی تھیں۔

"لو بلقیس یہ تمہارا کارڈ ہے۔" انہوں نے ایک کارڈ بلقیس آراء کی سمت بڑھایا تھا۔

بلقیس آراء نے وہ کارڈ لے خاموشی سے لے لیا۔

"مبارک باد نہیں دو گی بلقیس!" دعا کی امی نے بلقیس آراء کا پژمردہ سا چہرہ دیکھا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں بہت بہت مبارک ہو انشاء اللہ میں ضرور آؤں گی۔" جھوٹی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے بلقیس آراء نے انہیں دیکھا تھا۔

"کوثر! بڑی جلدی کر رہی ہو اپنی بیٹی کی شادی، کس نے لگا دیا رشتہ۔" زینت نے شکی نظروں سے دعا کی امی کو دیکھا تھا۔

"بس زینت! اللہ کی دین ہے رشتہ آگیا اور میں نے ذرا دیر کیے بغیر ہاں کر دی بھلا کون اتنے اچھے رشتے چھوڑتا ہے اور ایک بات بتاؤ تمہیں کیا خوشی نہیں ہوئی میری بیٹی کی جلدی شادی ہونے کی حالانکہ تم تو خود رشتے لگاتی ہو۔" کوثر کو زینت کا انداز سخت ناگوار گزرا تھا۔

''نہیں......! کیوں خوشی نہیں ہوگی اللہ ہر لڑکی کا نصیب اچھا کرے۔ مگر تم ابھی پچھلے ہفتے پہلے ہی پریشان تھیں اپنی بیٹی کے لیے مجھ سے کہا تھا کہ کوئی اچھا رشتہ لگادوں۔''

''ہاں کہا تھا مگر اللہ کو منظور نہیں تھا کہ تمہارے ہاتھوں میری بیٹی کا رشتہ لگتا اس لیے اس نے خود ہی بھیج دیا اتنا اچھا رشتہ اب اگر اور اچھے رشتے کا انتظار کرتی تو میری بیٹی تو بیٹھی ہی رہتی اور میں اتنی نہ عقل بند ماں تو ہوں نہیں کہ اپنی بیٹی پر یہ ظلم کروں۔'' ان کا طنز ان کا اشارہ وہاں بیٹھی بلقیس آراء، زینت اور اجیارہ اچھی طرح سمجھ گئی تھیں۔

''اچھا خیر میں بھی کس بحث میں پڑ گئی مجھے تو یہ کارڈ دینا تھا اور دعا کو بھی اپنے گھر لے جاتی آخر کو ایک ہی بہن ہے تیاریاں بھی اسی کو کرنی ہیں۔''

''امی آپ رکیں میں بس اپنا بیگ تیار کر کے لاتی ہوں۔'' دعا خوشی سے مسکراتی ہوئی اپنے بیڈروم کی سمت بڑھ گئی۔

''اور سناؤ بلقیس اجیارہ کا کہیں رشتہ وشتہ لگا۔'' زخموں پر نمک پاشی کرنا تو کوثر کا بہترین مشغلہ تھا۔

''ہاں میں دیکھ رہی ہوں جیسے ہی کوئی اچھا رشتہ ملتا ہے ہم بھی انتظار نہیں کریں گے۔'' بلقیس آراء سے پہلے زینت نے جھٹ سے کہا تھا۔

''دیکھو بلقیس! میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اچھے رشتے سے تمہاری کیا مراد ہے۔ بھئی سب کو سب کچھ تو نہیں مل جاتا نا اب لڑکا اچھا ہے اس کا گھر اپنا ہے تو نوکری یا اپنا کاروبار اپنا نہیں یا یہ دونوں اچھے ہیں اور گھر کرائے کا، تو پھر لڑکی گھر ہی بیٹھی رہے گی۔''

''ہوں اوں......'' زینت اس کی ان کڑوی زہریلی باتوں کا جواب ابھی اچھی طرح کھری کھری سنا کے دے دیتی اگر بلقیس آراء نے اس کا ہاتھ دبا کر اشارے سے خاموش رہنے کے لیے نہ کہا ہوتا۔

''کوثر ہم تمہاری بیٹی کی شادی میں ضرور آئیں گے۔'' بلقیس آراء نے بات ختم کرنے کو کہا تھا۔

''چلو امی! میں نے اپنا سامان رکھ لیا۔'' دعا اپنا بڑا سا سوٹ کیس گھسیٹتی ہوئی لے آئی تھی۔

''اچھا بھئی ہمیں اجازت دیجیے باہر رکشہ کھڑا ہے دعا کا سامان چھوڑ کے پھر ہمیں مارکیٹ کو بھی نکلنا ہے۔'' کوثر کھڑی ہوگئی اور باہر کی جانب رخ موڑ کے اچانک سے پلٹی تھیں۔

''اجیارہ تم بھی ضرور آنا بیٹا!''

''جی آنٹی میں کوشش کروں گی۔'' دھیمے سے جواب دیا۔

''چلیں امی دیر ہو رہی ہے۔''

''ہاں ہاں چلو۔'' وہ دونوں پھر رکی نہیں چلتی چلی گئیں اجیارہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ان کا مذاق اڑا رہی ہوں۔ ان کے منہ پر طمانچہ مار کے گئی ہوں۔

''کیوں خاموش کرادیا بلقیس بہن تم نے مجھے ایسی کھری کھری سناتی کہ زندگی بھر یاد رکھتی۔''

''زینت! کیچڑ میں پتھر پھینکنے سے چھینٹیں اپنے ہی دامن پر آتے ہیں۔ کوثر نے یہ سب بول کر اپنے منہ کا مزہ لیا ہے اگر ہم بھی اسی کی جہالت میں اس کا ساتھ دیتے تو اس میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ رہا میری بیٹی کا تو یقیناً میری اجیارہ بیٹی کا نصیب بہت اچھا ہے مجھے اپنے اللہ پر پورا پورا بھروسہ ہے بے شک وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔'' بلقیس آراء نے اجیارہ کے ہاتھ کو اپنے دونوں سے لگا کر سینے سے لگا لیا تھا۔

''ان شاء اللہ بلقیس بہن! ہماری اجیارہ محل میں راج کرے گی۔'' زینت نے بھی جھک کر اجیارہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''ایک بات اور کہوں گی مگر برا مت ماننا۔''

''ہاں کہو۔''

''مجھے تمہاری بہو ایک آنکھ نہیں بھاتی دیکھا نہیں تم نے نہ سلام نہ دعا اور نہ تم سے اور اجیارہ سے مل کر گئی نہ ہی بول کر گئی۔''

''اس کی جتنی عقل تھی اس نے کام کیا۔''

''میں تو تمہیں آخری وقت تک منع کرتی رہی کہ مت کرو یہ شادی شہیر کے لیے میں تمہیں لڑکی دکھاؤں گی مگر تم نے میری ایک نہ مانی۔ نیکی کا تمہارے سر پر بھوت سوار تھا۔''

''کیا کر سکتے ہیں اب زینت اس کو بھی اسی گھر میں آنا تھا۔ اس کا نصیب جو شہیر کے ساتھ لکھا جا چکا تھا۔''

''معاف کرنا بلقیس بہن! غلطیاں ہماری اپنی ہوتی ہیں اور قصوروار نصیب کو ٹھہراتے ہیں۔'' ''اچھا اب زیادہ غصہ مت کرواجیارہ جاؤ اور کچھ کھانے کو لے آؤ دوپہر کا ٹائم ہو رہا ہے آج زینت ہمارے ساتھ ہی کھانا کھائیں گی۔'' بلقیس آراء مسکراتے ہوئے زینت کو دیکھنے لگی تھیں جو غصے میں بھی آگئی تھی۔

''جی بہتر اماں! میں ابھی کھانا گرم کر کے دستر خوان لگا دیتی ہوں۔ اجیارہ وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

''میں تو نہیں جاؤں گی اس شادی میں۔'' زینت نے وہ شادی کارڈ سائیڈ پر پٹخا تھا۔

''بری بات جو بھی ہے جیسی بھی ناراضی ہے مگر بیٹی کی شادی ہے بلایا ہے تو چلیں گے۔'' پھر دونوں اپنی پرانی باتوں بحث ومباحثہ میں لگ گئی تھیں۔

☆......☆

''السلام علیکم!'' سبرینہ جو فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں پیچھے پلٹ کر دیکھا تو فون ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''امبرین......'' فرط جذبات سے ان کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

''سبرینہ آپا!'' امبرین جیسے کسی معصوم بچے کی طرح ان کی طرف لپکی اور ان کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو دیں۔ آنکھیں اشک بار تو خود سبرینہ کی بھی تھیں۔

''آج لگا ہے میں اپنی ماں کے سینے سے لگی ہوں اتنے سال بیت گئے یہ خوشبو محسوس ہوئے۔'' امبرین کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''پگلی میں بھی تو تڑپی ہوں تمہارے لیے تمہیں دیکھنے کے لیے یہ آنکھیں ترس گئی تھیں۔ بہت چھوٹی سی تھیں تم جب ہماری اماں کا انتقال ہو گیا۔ میں نے ہی تمہاری دیکھ بھال کی تمہاری ہر خواہش خوشی پوری کی تم کو خود سے الگ نہیں کیا کبھی بھی۔ یہی ڈر تھا کے جانے تمہاری شادی کہاں ہو جائے تم مجھ سے دور ہو جاؤ اسی لیے اپنے دیور سے ہی تمہاری شادی کر دی کہ تم میری نظروں کے سامنے رہو گی مگر قسمت۔'' سبرینہ نے امبرین کو خود سے الگ کیا اور اس کے ماتھے پر بوسہ لیا تھا۔

''قسمت نے ہم دونوں محبت کرنے والی بہنوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا اتنا فاصلہ بڑھا دیا کہ

ایک دوسرے کی شکل دیکھنے سے بھی ترس گئے۔‘‘
’’سبرینہ آپا!‘‘ امبرین سے بولا نہیں جا رہا تھا ان کا پورا وجود کپکپاہٹ کی زد میں تھا۔
’’ماما......‘‘ سبکتگین حیدر ترمذی آگے بڑھا تھا اور امبرین کو دونوں شانوں سے تھام لیا۔ سبرینہ کی نظر سبکتگین حیدر ترمذی پر پڑی۔ ان کی ممتا جاگ اٹھی۔ وہ جو دل میں گلہ، شکوہ ناراضی جانے کہاں سو گئے تھے وہ درد جو انہوں نے غنوی کو دیکھ دیکھ کر سہا وہ سب تو جیسے وہ بھول ہی گئی تھیں۔ یاد تھا تو صرف اتنا کے جو بچہ ان کے اس وقت سامنے کھڑا ہے پندرہ سال انہی کی گود میں پروان چڑھا ہے جس کی انہوں نے امبرین سے زیادہ دیکھ بھال اس کی جائز خواہشوں کا خیال رکھا تھا۔
’’سبکتگین میرا بچہ......‘‘ اور پھر سبرینہ اس کے لمبے چوڑے سینے میں سما سی گئی تھیں کل تک جو چھوٹا سا بچہ ان کی آغوش میں چھپ جایا کرتا تھا آج ماشاء اللہ سے وہ کتنا بڑا اگبرو جوان ہو گیا ہے۔ ان کے قد سے بھی اونچا کہ وہ اس کے کسرتی بازو تک آ رہی تھیں۔
’’کیسے ہو میری جان بھول گئے تھے اپنی آنی مما کو۔‘‘ نا چاہتے ہوئے بھی ان کے لبوں سے شکوہ در آیا ان کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو کسی موتیوں کی لڑی کی طرح بہنے لگے تھے۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے سختی سے اپنے جبڑے بھینچ لیے کے دماغ کی ہری نیلی نسیں ابھرنے لگی تھیں۔ اپنے آنسوؤں کی نمی کو اپنی گلاسز کے پیچھے چھپی ذہین آنکھوں میں ہی چھپا لیا تھا۔
’’بھولا نہیں جاتا ہے آنی مما جو یاد آتے ہیں آپ کی ممتا آپ کی خوشبو تو میرے خون میں میری نسوں میں دوڑ رہی ہے پھر یاد آنا یا بھول جانا اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔‘‘ سبکتگین حیدر ترمذی نے احترام و ادب سے ان کے سر پر بوسہ لیا تھا۔
’’جاتے ہوئے اتنے سے تھے ایک گھٹنے کے جب تم میری گود میں آئے تھے۔‘‘ سبرینہ نے سبکتگین حیدر ترمذی کے چہرے پر ہاتھ رکھا تھا۔
’’جانتا ہوں آنی مما اسی لیے تو مما سے زیادہ آپ کے قریب تھا ہر بات آپ سے شیئر کرتا تھا۔‘‘ سبکتگین حیدر ترمذی نے سبرینہ کے بہتے آنسو صاف کیے تھے۔

☆......☆

خاقان ترمذی اور عفان ترمذی دو ہی بھائی تھے۔ خاقان ترمذی کی شادی سبرینہ سے ان کی پسند سے ہی ہوئی تھی۔ سبرینہ کی شادی کے بعد ہی ان کے والدین کا ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس وقت امبرین صرف بارہ سال کی تھیں ان کے اکیلا ہونے کی وجہ سے سبرینہ اور خاقان ترمذی انہیں اپنے ہی گھر لے آئے تھے۔ سبرینہ اپنی بہن امبرین کو بے انتہا چاہتی تھیں انہوں نے انٹر کیا تو یہ خیال ستانے لگا کہ جانے کہاں ان کا نصیب جڑا ہے؟ کہاں شادی ہو؟ ان کے سسرال والے کیسے ہوں گے اس لیے یہ ان کا اور خاقان ترمذی کا مشترکہ فیصلہ تھا کہ امبرین کو خود سے اور اس گھر سے الگ نہ کرنے کا ایک ہی حل ہے کہ ان کی شادی خاقان ترمذی کے چھوٹے بھائی عفان ترمذی سے کر دی جائے جو نہایت ہی سلجھے اور سنجیدہ انسان تھے۔ اس لیے جب عفان ترمذی سے بات کی تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ امبرین سے اپنی خواہش پوچھی تو وہ اسی خیال سے خوش ہو گئیں کہ اپنی ماں جیسی بہن سے کبھی بھی الگ نہیں ہوں گی۔ دونوں کا سادگی سے نکاح کر دیا گیا۔ اپنی زندگی سے عفان ترمذی اور امبرین خوش و مطمئن تھے۔ بہت جلد ہی ان کی زندگی میں ایک گول مٹول سرخ،

سفید سا ننھا منا مہمان بھی آ گیا۔ سبکتگین حیدر ترمذی جیسے عفان ترمذی نے سبرینہ کی گود میں ڈال دیا تھا۔ سبرینہ کی خوشی کا تو جیسے کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا وہ سبکتگین حیدر ترمذی کے لیے کیا کچھ نہ کر دیں اس کائنات کی کون سی ایسی خوشی ہو جو سبکتگین حیدر ترمذی کے آگے ڈھیر کر دیں۔ ترمذی ولا میں سبکتگین حیدر ترمذی کی شرارتیں، ہنسی، قلقاریاں ہی گونجتی رہتی تھیں۔

اسے جو بھی چاہیے ہوتا کوئی بھی فرمائش و خواہش وہ سب سبرینہ ہی پوری کرتی تھیں۔ اسی لیے تو وہ امبرین سے زیادہ سبرینہ کے قریب زیادہ تھا۔ ہر بات انہی سے ہی شیئر کرتا تھا مگر کبھی بھی امبرین کو جیلسی یا احساس کمتری نہیں ہوئی کہ ان کا اکلوتا لخت جگر اپنی ماں سے زیادہ اپنی آنی مما کے قریب ہے۔ بلکہ وہ تو خوش تھیں کہ سبکتگین حیدر ترمذی کی دیکھ بھال، تربیت و پرورش ان کی ماں جیسی بہن کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔ سبرینہ کی شادی کو بہت سال ہو گئے تھے مگر آج تک ان کی گود بے شک اپنی سگی اولاد سے سونی ضرور تھی۔ سبکتگین حیدر ترمذی کو پا کر انہیں کبھی بے اولادی کا احساس نہیں ہوا مگر سبکتگین حیدر ترمذی آٹھ سال کا تھا کہ ان کو ڈاکٹر نے پریگنینٹ ہونے کی نوید سنائی گویا ان کی زندگی میں بہار آ گئی۔ دل کا ایک کونا جو سوکھا پڑا تھا جسے انہوں نے سب سے چھپایا تھا۔ اب بہار ہی بہار آ گئی تھی۔ پھول ہی پھول ہر سو خوشیاں بکھیر گئی تھیں۔ غنوی کے زندگی میں آنے سے گویا زندگی ہی مکمل ہو گئی تھی اور سبکتگین حیدر ترمذی کی تو جیسے عید ہی ہو گئی تھی۔
غنوی کے زندگی میں آنے سے گویا زندگی ہی مکمل ہو گئی تھی اور سبکتگین حیدر ترمذی کی تو جیسے عید ہی ہو گئی تھی۔
غنوی جیسی پیاری سی نازک سی باربی ڈول کو گود میں لیے لیے پورے گھر کے چکر کاٹتا اسے کھلونوں سے کھلاتا۔ اپنی ساری پاکٹ منی وہ غنوی پر ہی خرچ کر دیتا تھا۔ زندگی بہت خوب صورت و حسین ہو گئی تھی۔ دکھ کی معمولی سی بھی پرچھائی نہیں تھی ان کی زندگی میں مگر...... ایک موڑ ایسا بھی آیا کہ ان خوشیوں بھری زندگی کو کسی کی بد نظر لگ چکی تھی۔ ان سب کی پرسکون زندگی میں ایسی آگ لگی کہ سب ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ الگ ہو گئے تھے کہ کوئی بھی نہ چاہتے ہوئے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے تک کا روادار نہیں تھا۔

سبکتگین حیدر ترمذی آج پندرہ سال کا ہو گیا تھا۔ اس کی برتھ ڈے سلیبریٹ کی جا رہی تھی۔ سب نے ہی اسے مہنگے تحفے دیئے تھے۔ عفان ترمذی نے اسے بائیک گفٹ کی تھی اور خاقان ترمذی نے اسی کی فرمائش پر اسے نیو ماڈل کی گاڑی گفٹ کی تھی۔ سبرینہ نے اسے ٹچ موبائل اور سب سے بڑی بات کہ غنوی نے اسے اپنی پاکٹ منی سے ایک مہنگا ترین لیپ ٹاپ گفٹ کیا تھا۔

"بھئی ڈیڈو! سب سے مہنگا اور قیمتی تحفہ میرے لیے یہ ہے جو مجھے میری باربی ڈول نے دیا ہے۔"

"یس آف کورس مائی چائلڈ۔" زندگی کی گاڑی یونہی چلتی رہتی اگر سبکتگین حیدر ترمذی کا ٹکراؤ اپنے برابر میں آئے اس نئے بنگلے میں اس شخص سے نہ ہوا ہوتا۔

"ہیلو!" اس شخص نے سبکتگین حیدر ترمذی سے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"وہ شخص کوئی بائیس پچیس سال کا ہوگا۔

"ہائے۔" سبکتگین حیدر ترمذی نے بھی مسکرا کے ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔

"مائی نیم از سہد اینڈ یو۔"

"میرا نام سبکتگین ہے۔"

"گڈ...... آؤ میرے ساتھ ایک کپ کافی کا ہو جائے۔"

''کافی......!'' سبکتگین حیدر ترمذی نے پرسوچ نظروں سے پہلے سہد کو پھر پیچھے پلٹ کر اپنے بنگلے کو دیکھا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو فکر مت کرو میں تمہیں اغوا نہیں کروں گا۔'' سہد نے مسکراتے ہوئے اس کے پرسوچ چہرے کو دیکھا تھا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے وہ ایکچولی مجھے اندر اپنی باربی ڈول کو پڑھانا تھا یہ اس کے ٹیوشن کا ٹائم ہے۔''

''یار ابھی تو صرف پانچ بجے ہیں پڑھا لینا اپنی باربی ڈول کو چھ بجے تک۔'' سہد نے اپنی کلائی میں بندھی اپنی ہینڈ واچ دیکھی جو نہایت ہی قیمتی اور مہنگی تھی۔

''او کے۔''

اور یہ پہلا قدم تھا جو اس خاندان کو ایک دوسرے سے الگ کر گیا۔

سبکتگین حیدر ترمذی اپنے اس پہلے اٹھتے قدم پر جتنا پچھتاتا کم تھا کہ کاش وہ واپس پلٹ جاتا۔ نہیں جاتا سہد کے ساتھ اس کے بنگلے میں مگر تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا اور جو ہونا ہوتا ہے چاہے کتنا بھی سر پیٹ لو وہ ہو کر رہتا ہے۔ کیونکہ ہماری زندگی اس لفظ ''کاش'' پر ہی ٹکی ہے۔

سات سالہ غنویٰ اپنا اسکول بیگ لیے ہال میں کوئی دو گھنٹے سے سبکتگین حیدر ترمذی کا ویٹ کر رہی تھی۔

''غنویٰ چاند پڑھ لیا؟'' سبرینہ وہاں کسی کام سے آئی تھیں تو غنویٰ کو بیٹھے دیکھا۔

''تو مما! حیدر بھیا ابھی تک نہیں آئے کل میرا ٹیسٹ ہے۔''

غنویٰ کو سبکتگین نام لینا بہت مشکل لگتا تھا اس لیے وہ اسے حیدر ہی کہتی تھی۔

رات کے نو بجنے والے ہیں سبکتگین ابھی تک گھر نہیں آئے ایسی لاپروائی تو وہ نہیں کرتے۔'' سبرینہ نے منہ ہی منہ میں خود سے کہا تھا ان کا دل بھی گھبرا رہا تھا وہ سبکتگین حیدر ترمذی کے لیے فکر مند ہو گئی تھیں۔

''کیا بات ہے سبرینہ آپا آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں سب خیریت تو ہے ناں؟'' امبرین کچن میں عفان ترمذی کے لیے دودھ لینے آئی تھیں وہ اندر جا ہی رہی تھیں کہ سبرینہ پر ان کی نظر پڑی وہ ان کے پاس آ گئیں۔

''امبرین! سبکتگین نہیں آئے ابھی تک دیکھو رات کے نو بجنے والے ہیں۔''

''ایک منٹ میں فون کرتی ہوں۔'' انہوں نے ٹیبل سے اپنا سیل فون اٹھایا اور سبکتگین حیدر ترمذی کو کال ملائی۔

''اس دوران وہ غنویٰ کے بارے میں بھی پوچھ چکی تھیں کہ آج سبکتگین حیدر ترمذی نے غنویٰ کو بھی نہیں پڑھایا۔

کچھ دیر بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''سبرینہ آپا! سبکتگین آدھے گھنٹے میں آ رہا ہے۔ اب آپ اس کی اچھی طرح کلاس لیجیے اور آج غنویٰ گڑیا کو میں پڑھاؤں گی۔'' امبرین نے غنویٰ کو گود میں بھرا اس کا بیگ اٹھایا اور اپنے بیڈروم میں لے آئیں۔

سبکتگین حیدر ترمذی اپنے وعدے کے مطابق آدھے گھنٹے بعد آ چکا تھا۔ سبرینہ کے دل کو قرار آیا اسے دیکھ کر سبرینہ نے اسے سمجھایا۔

اب یہ ہر روز ہونے لگا۔ سبکتگین حیدر ترمذی پہلے دن اگر تین گھنٹے غائب تھا گھر سے تو دوسرے دن یہ ٹائم

بڑھا اور ہر روز بڑھتا ہی چلا گیا۔ ہر روز سبرینہ، امبرین سمجھاتی ڈانٹتی وہ ہر روز ان کی ڈانٹ سنتا اور ان سے وعدہ کرتا کہ اگلے دن ایسا نہیں ہوگا مگر وہ اگلا دن کبھی نہیں آیا۔ بات خاقان ترمذی اور عفان ترمذی تک پہنچ گئی۔ ان دونوں نے بھی کافی سمجھایا بلکہ عفان ترمذی نے بہت ڈانٹا ٹھیک ٹھاک کلاس لی تھی۔ سبکتگین حیدر ترمذی پندرہ سال کی عمر میں جس طرف قدم بڑھا چکا تھا وہاں سے واپس آنا اس کے لیے اب بہت مشکل لگ رہا تھا۔ یہ وہ دلدل تھی جس میں وہ پھنسا تو پھنستا ہی چلا گیا تھا۔ اس کی سرگرمیاں نہ صرف بڑھتی جارہی تھیں بلکہ اب تو گھر کے سب لوگوں کے لیے مشکوک بھی ہوتی جارہی تھیں۔

اس کی انہی سرگرمیوں اور مشکوک حرکتوں کی وجہ سے اس سے بائیک اور گاڑی کی چابی لے لی گئی تھی مگر ان لوگوں کو یہ علم نہیں تھا کہ سبکتگین حیدر ترمذی کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

"تم میرا ایک کام کرو گے؟" سہد نے ڈرنک کا گلاس سبکتگین حیدر ترمذی کی سمت بڑھایا۔

"آپ بھول رہے ہیں کہ اب تک میں نے ہی آپ کے سارے کام کیے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے ڈرنک کا گلاس تھام لیا تھا۔

"آئی نو، مجھے تم پر ایسے تو اتنا بھروسا نہیں ہے۔" وہ اپنا گلاس لے کر اس کے سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"یہ لو......" ایک بلیک کلر کا بیگ تھا دکھنے میں بالکل والٹ جیسا تھا مگر وہ والٹ نہیں تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"اس میں بہت ہی قیمتی سامان ہے۔ میموری کارڈ، چپ، سم کارڈ وغیرہ تمہیں صرف یہ کرنا ہے اس بیگ کو کل صبح نو بجے پرل ہوٹل میں لے جانا ہے۔ یہ جسے دینا ہے وہ آدمی خود تمہارے پاس آئے گا۔"

"او کے ڈن کام ہو جائے گا بلکہ سمجھیں کام ہو گیا۔"

"تمہاری یہی ادا تو میرا دل جیت گئی۔ اچھا چلو آؤ ایک نئی سیکسی وڈیو اپ لوڈ ہوئی ہے آؤ وہ دیکھتے ہیں۔"

اس رات وہ گھر میں دس بجے تک آگیا تھا۔ اپنے بیڈروم میں گیا وہ بیگ اس نے اپنی الماری میں چھپا کے رکھ دیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد غنوئی اپنا بیگ لیے سبکتگین حیدر ترمذی کے بیڈروم میں داخل ہوئی۔

"ارے باربی ڈول تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔" آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"جی حیدر بھیا! کیونکہ آج ہر حال میں مجھے آپ سے ہی پڑھنا ہے۔" وہ بیگ سمیت دھرنا مار کر کے اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"او کے چلو آؤ۔"

سبکتگین حیدر ترمذی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ آج سہد نے اسے بہت پلادی تھی اور جو وڈیو اس نے آج اسے دکھائی تھی اس کا نشہ آنکھوں سمیت سر پر چڑھا ہوا تھا۔ بہکی بہکی سی نظر پاس بیٹھی غنوئی پر اٹھیں اس کا چھوٹا سا خوبصورت چہرہ اور پھر اس نے غنوئی کا بیگ ساری کتابیں کاپیاں ایک طرف پھینک کر اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔ شیطان پوری طرح اس پر حاوی ہو چکا تھا۔ وہ معصوم سی غنوئی چیختی چلاتی رہی۔

"بہت ہو گئی ہے امبرین! حد ہوتی ہے آپ جانتی ہیں سبکتگین کی سرگرمیاں......! کیسے کیسے دوست بنائے ہوئے ہیں اس نے اور یہ جو برابر میں سہد نام کا لڑکا آیا ہے پوری سوسائٹی برا بھلا بول رہی ہے اس کو، باہر سے آیا ہے اور کیا کرنے آیا ہے کسی کو کچھ نہیں پتا، سب نے اس کے گھر میں ہر روز ایک نئی گاڑی آتے

جاتے دیکھی ہے جس میں لڑکے لڑکیاں عریاں لباس میں بے ہودہ حرکتیں کرتے پائے گئے ہیں اور ایسے لوگوں سے ہمارے سبکتگین کی دوستی ہو، میں برداشت نہیں کر سکتا۔ ان لوگوں کے خلاف تو میں نے پولیس میں کمپلین کر دی ہے مگر آج سبکتگین کی بھی میرے ہاتھوں کلاس ہے۔" عفان ترمذی بہت غصے میں تھے۔

شاکڈ تو امبرین بھی تھیں مگر وہ عفان ترمذی کے آگے کچھ بول کر ان کے غصے کو مزید ہوا نہیں دینا چاہتی تھیں۔ وہ دونوں باہر آئے تو سامنے ہی خاقان ترمذی اور سبرینہ کو پریشان حال دیکھا۔

"کیا ہوا بھابی! آپ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہیں؟"

"عفان! غنوئی کے چیخنے چلانے کی آواز آئی ہے پتا نہیں کیا ہوا ہے۔"

"آپ پریشان مت ہوں میں دیکھتا ہوں۔"

آخری چیخ "مما......!"

آواز سبکتگین حیدر ترمذی کے بیڈروم سے آئی تھی۔ وہ چاروں اسی سمت بھاگے تھے۔ دھڑ سے دروازہ کھولا سامنے کے منظر نے جیسے چاروں پر اس بنگلے کی دیواروں کو ان کے سروں پر گرا دیا ہو۔

خون میں لت پت غنوئی بیڈ پر بے سود پڑی تھی۔ سبکتگین حیدر ترمذی ایک سائیڈ میں کھڑا تھا اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

"سبکتگین......"

خاقان ترمذی نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا کہ وہ دور جا کر گرا تھا۔

"بھائی صاحب آپ پہلے غنوئی کو دیکھئے اسے ہوش نہیں آرہا ہے۔" عفان ترمذی نے بے جان سی مردہ حالت میں بے سدھ پڑی غنوئی کے گال پر ہاتھ تھپتھپایا مگر وہ ہوش میں نہیں آرہی تھی۔ دل اندر سے بہت ڈر گیا تھا کہیں وہ مر تو نہیں گئی۔

"اللہ نہ کرے۔" عفان ترمذی نے فوراً اپنی سوچ کو ملامت کی تھی۔

خاقان ترمذی اور عفان ترمذی فوراً غنوئی کو گود میں لے کر اسپتال بھاگے تھے۔ جاتی ہوئی سبرینہ نے آنسو بھری آنکھوں سے سبکتگین کو دیکھا تھا مگر کچھ بھی نہیں کہا ایک لفظ شکایت کا بھی نہیں۔

اور یہ ان کا سبکتگین حیدر ترمذی کو دیکھنا آخری دیکھنا تھا۔ ان آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا۔ جیسے وہ زبان سے تو نہیں مگر اپنے بہتے آنسوؤں سے بیان کر گئی تھیں۔ ان بہتی آنکھوں مین آخری لفظ جو تھا وہ تھا۔

"کیوں؟"

اور سبکتگین حیدر ترمذی جیسے اس پل مر گیا تھا، وہ نادانستگی میں جو بہت بڑی غلطی بہت بڑا گناہ کر گیا تھا۔ اس کا کفارہ شاید مر کر بھی ادا نہیں کر سکتا تھا۔

"سبکتگین......!" امبرین اس کے پاس آئیں اور اس کا کالر پکڑ کے جھنجھوڑ دیا تھا۔

"کیا......کیا......تم نے......کچھ اندازہ ہے......تم نے......اوہ......سبکتگین......" امبرین کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں انہوں نے اپنا سر اپنے گال اپنا سینہ پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے آنسو جیسے آنکھوں میں اس کائنات کا سمندر آٹھہرا ہو جو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

"سبکتگین! غنوئی سات سال کی ایک چھوٹی سی بچی ہے۔ تم نے ایسا کرنے کے بارے میں سوچ بھی کیسے لیا۔ آج میں مر گئی سبکتگین مر گئی میں......" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سبکتگین حیدر ترمذی کے سینے پر مارنا

شروع کر دیا تھا۔

"تم نے آج مجھے مار دیا، میری ماں جیسی بہن کو زندہ درگور کر دیا۔ وہ بہن جنہوں نے مجھ سے زیادہ تمہیں چاہا، پیار کیا تمہاری ہر خواہش پوری کی اور تم نے کیا کیا تم نے انہی کے گھر کے چراغ کو بجھا دیا سبکتگین.......! ان سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ درد سے دل جیسے سینے سے باہر آ رہا تھا۔ سبکتگین حیدر ترمذی پر چیخ چیخ کے ان کے گلے میں خراش ہو گئی تھی۔ ان کی آواز بند ہو گئی تھی مگر.......

سامنے کھڑا سبکتگین حیدر ترمذی جیسے اس پل اس لمحے.......اندھا، بہرا، گونگا ہو گیا تھا وہ اس وقت ایک بے جان لاش بن چکا تھا۔ جس پر امبرین کے اس طرح چیخنے چلانے، رونے بین کرنے اور یہاں تک کے مارنے کا رتی بھر اثر نہیں ہو رہا تھا۔ امبرین فرش پر اسی کے قدموں میں بیٹھتی چلی گئی تھیں۔

☆......☆

"خاقان! غنوی بیٹی کے ساتھ بڑی بے رحمی سے کسی نے زیادتی کی ہے اور دوسری بات کہ یہ تو سیدھا سیدھا پولیس کیس ہے، ہمیں پولیس کو انفارم کرنا چاہیے۔" ڈاکٹر راحیل خاقان ترمذی کے فیملی ڈاکٹر ہی نہیں بچپن کے فرینڈ اور کلاس فیلو بھی تھے۔

"راحیل وہ سب ہم بعد میں دیکھ لیں گے تم پہلے میری بچی کو بچاؤ" خاقان ترمذی کے لہجے میں ٹوٹی پھوٹی کرچیوں کی چبھن تھی وہ اس وقت ایک ہارا ہوا باپ تھا جو چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

"اس کی فکر مت کرو تم ٹریٹمنٹ شروع ہو گئی ہے مگر میرے یار غنوی بہت چھوٹی سی ہے۔ ابھی جانتے ہو اس واقعے کا اس کے اعصاب پر اس کے دل و دماغ پر بہت گہرا اثر پڑ سکتا ہے۔"

"بھائی صاحب! راحیل بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمیں پولیس میں کمپلین کر دینی چاہیے۔" عفان ترمذی نے یہ سب کس مشکل سے کہا یہ صرف وہ یا ان کا رب ہی جانتا ہے۔"

"نہیں پولیس میں کوئی کمپلین نہیں ہوگی۔" سبرینہ نے اچانک سے ان تینوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

تینوں نے سبرینہ کی جانب دیکھا تھا۔

"مگر بھابی جان!" عفان نے کچھ کہنے کے لیے کہا ہی تھا کہ سبرینہ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں کچھ بولنے سے روک دیا تھا اور پھر ڈاکٹر راحیل کی جانب بڑھیں۔

"ڈاکٹر صاحب آپ مجھے بس اتنا بتا دیجیے کہ غنوی بچ جائے گی یا نہیں۔" ہر احساس سے عاری وہ اس وقت صرف ایک ماں تھیں۔ ایک بدنصیب بیٹی کی ماں انہیں اس وقت صرف ایک رشتہ یاد تھا۔ باقی کے سارے رشتے انہوں نے بہت پیچھے چھوڑ دیئے تھے۔ بلکہ زمین کے نیچے بہت گہرائی میں کہیں دفن کر دیئے تھے۔

"جی سبرینہ بھابی! غنوی بیٹی بچ جائے گی لیکن......"

"بس ڈاکٹر صاحب اس سے آگے مجھے نہ ہی کچھ سننا ہے اور نہ ہی کسی سے کچھ کہنا ہے۔ میں غنوی کو لے کر اس ملک سے باہر چلی جاؤں گی جہاں کسی بھی واقعے کے اثر کا معمولی سا بھی شائبہ تک نہیں ہوگا۔"

جس لب و لہجے جس انداز میں انہوں نے حتمی فیصلہ کیا تھا عفان ترمذی اور خاقان ترمذی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ دونوں میں سے کسی کی بھی ہمت نہیں ہوئی کہ سبرینہ کے فیصلے کے آگے ایک لفظ بھی بول سکیں۔

سبرینہ اور خاقان ترمذی غنوئی کو لے کر امریکہ آ گئے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ سب کچھ ان کی سوچ کے مطابق ہو گا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ غنوئی اس ہولناک رات کو اس اذیت و تکلیف بھری رات و واقعے کو بھول جائے گی فراموش کر دے گی وہ سب جو اس نے سہا، برداشت کیا مگر نہیں...... یہ تو ان دونوں کی سب سے بڑی بھول تھی۔ جس بھرم میں وہ جی رہے تھے وہ یا تو ان کی غلط فہمی تھی یا پھر خوش فہمی۔

غنوئی کو ہر رات دورے پڑتے یہاں تک کہ بھی بھی خود کو نقصان بھی پہنچا لیتی تھی۔ ایسے وقت میں اس کو سنبھالنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ سوائے خاقان ترمذی اور سبرینہ کے جتنی مشکل سے سبرینہ نے غنوئی کو سنبھالا تھا یہ صرف وہ یا ان کا رب جانتا تھا۔ بہت محنت کوشش و جدوجہد سے وہ بہت حد تک غنوئی کے دل و دماغ سے اس واقعے کو بھلانے میں کامیاب بھی ہو گئی تھیں۔ چودہ سال بعد انہوں نے اپنی سرزمین پاکستان پر قدم دھرا تھا۔ بے شک پاکستان اور کراچی سے ان کی بہت سی خوشگوار، ناخوشگوار تکلیف بھری اذیت بھری یادیں وابستہ تھیں مگر صرف غنوئی کی خاطر وہ کچھ بھی یاد نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ سوچنا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ صرف غنوئی کو اس کے روشن مستقبل کو دیکھ رہی تھیں۔ باقی انہیں کچھ یاد نہ تھا اور نہ ہی یاد رکھنا چاہتی تھیں۔

☆......☆

"قیصر......!"

"ہوں...... کہیے۔"

چوہدری قیصر عسکری لیپ ٹاپ پر بزنس کی کوئی فائل دیکھ رہے تھے۔ رشنا قیصر اپنے نواسے سنی کو پڑھا رہی تھیں۔

"میں جو بات آپ سے کرنا چاہتی ہوں اگر آپ اپنا یہ لیپ ٹاپ بند کر دیں تھوڑی دیر کو تو مجھ پر مہربانی ہو گی۔" رشنا قیصر نے بھی سنی کا بیگ کلوز کر کے سائیڈ میں رکھا اور اس کو گیم دے کر ایک سائیڈ پر بٹھا دیا تا کہ وہ انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔

"یہ لیجیے کر دی میں نے آپ پر مہربانی اب فرمائیے۔" چوہدری قیصر عسکری نے مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ بند کیا اور رخ ان کی جانب موڑ لیا تھا۔

"میں یہ سوچ رہی تھی کہ ابراش کا انٹرسٹ طلسم کی طرف بہت بڑھ گیا ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ یہ کوئی ہمارا وقت تو ہے نہیں کہ ارینج میرج ہو یا منگنی کے بعد گھومنا وغیرہ ہوتا تھا۔"

"آپ اتنی گھمبیر پہیلیاں بجھوا رہی ہیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ ٹو دا پوائنٹ پر آ جائیں۔"

"ٹو دا پوائنٹ یہ ہے کہ جب ابراش کو طلسم اور طلسم کو ابراش میں اتنا انٹرسٹ ہے تو کیوں ناں ہم ابراش کے لیے طلسم کا رشتہ ہی لے جائیں۔"

"بات تو آپ کی درست ہے رشنا۔"

"اب دیکھیے ناں ہمارا معاشرہ جس رخ پر جا رہا ہے وہ سب ہمارے سامنے ہے۔ بری صحبت آج کل بچے بہت جلد پکڑتے ہیں اور پھر ایسے قدم اٹھا لیتے ہیں کہ ماں باپ کے لیے باعث شرمندگی کی بات ہوتی ہے۔"

"یہ بات بھی آپ کی بالکل ٹھیک ہے اور آج کل تو ویسے بھی بہت کچھ سننے میں آ رہا ہے تو پھر آپ کوئی دن مقرر کر لیں آپ اور زنیرہ چلے جائیے طلسم کے ہاں۔"

"تو آپ کو اس رشتے سے کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟" رشنا قیصر نے پھر بھی اپنے دل کا وہم ظاہر کر دیا

تھا۔

"اس میں اعتراض والی تو کوئی بات نہیں ہے رشنا آپ اگر ایسا کررہی ہیں تو یقینا سوچ سمجھ کر ہی کررہی ہوں گی۔ مجھے نہ آپ کے فیصلے پر کل کوئی شبہ تھا اور نہ کبھی آگے ہوگا کیونکہ میں جانتا ہوں آپ کا ہر فیصلہ درست ہوتا ہے۔" چوہدری قیصر عسکری نے فخریہ نظروں سے اپنی شریک حیات کو دیکھا تھا۔ رشنا قیصر ہولے سے مسکرادیں۔

"تو ٹھیک ہے پھر میں اسی ہفتے چلی جاؤں گی طلسم کا ہاتھ مانگنے۔"

"بھئی ہمیں بھی تو پتا چلے کون کس کا ہاتھ مانگ رہا ہے۔" زنیرہ ہاتھ میں بہت سارے شاپنگ بیگز لیے چلی آرہی تھی۔ اس نے سارے بیگز سامنے کانچ کی ٹیبل پر رکھ دیئے۔

"لگتا ہے ہماری بٹی آج پورا شاپنگ مال اٹھالائی ہے۔" چوہدری قیصر عسکری نے کانچ کی ٹیبل پر دھرے سارے شاپنگ بیگز پر ایک نظر ڈالی تھی۔

"ظاہری بات ہے ڈیڈ! باہر سے میاں کی کمائی آرہی ہے دونوں ہاتھوں سے اڑائے گی۔" اسی اثناء میں وہاں ابراش عسکری بھی گاڑی کی چابی گھماتا اپنے بیڈروم سے چلا آیا تھا۔

"کیوں میاں کی کمائی کیوں خرچ کروں گی میں وہ تو سب بینک میں جمع ہورہی ہے ابھی تو میں اپنے مام ڈیڈ کے پاس ہوں تو ظاہر ہے انہی کا پیسہ خرچ کروں گی۔" زنیرہ نے بھی کرارہ سا جواب دیا تھا۔

"دیکھ لی ڈیڈ! اس کی چالاکی اس نے تو سارے ہوشیار سائنسدانوں کو بھی مات دے دی۔"

"ویسے مائی چائلڈ زنیرہ کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی ہے ابھی یہ اپنے باپ کے گھر ہے تو باپ کا سارا پیسہ اس کا ہے اور اس کے میاں کے پاس جانے کے بعد بھی ایسا ہی ہے۔" چوہدری قیصر عسکری نے شفقت سے اپنی اکلوتی چہیتی بیٹی کو دیکھا تھا۔

زنیرہ نے ابراش عسکری کو زبان چڑائی تھی۔

"مگر یاد رکھنا میرے پاس اس دولت سے بھی بڑی دولت ہے جو میں زنیرہ کو ہڑپنے نہیں دوں گا۔"

"اچھا وہ کیا ہے؟" زنیرہ نے ابراش عسکری کو دیکھا۔

"میرے پاس ماں ہے۔" وہ کہتا ہوا جھٹ سے رشنا قیصر کے برابر میں بیٹھ گیا اور ان کے گلے میں ہاتھ ڈال کر ان کے شانے پر سر دھر دیا تھا۔

"میرا لاڈلا۔" رشنا قیصر نے شفقتِ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کے ہاتھ پر بوسہ لیا۔

"وہ تو جب بیگم آئے گی تو پتا چلے گا۔" زنیرہ نے پرمزاح انداز میں کہتے ہوئے ابراش عسکری کو چڑایا۔

"دیکھ لے لینا۔"

"اچھا ہاں بیگم سے یاد آیا یہاں کسی کے ہاتھ مانگنے کی بات ہورہی تھی۔" زنیرہ کو ایک دم سے یاد آیا تھا۔

"جی ہم لوگ ابراش کے رشتے کی بات کررہے تھے۔" رشنا قیصر نے دلار سے ابراش عسکری کو دیکھا۔

"مام اس کو کون اپنی لڑکی دے گا۔" زنیرہ نے ہنستے ہوئے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

"اوہ ہیلو! تمہیں میری پاپولرٹی کا ابھی اندازہ نہیں ہے۔ لاکھوں لڑکیاں میری خوب صورتی میری وجاہت پر مرتی ہیں صرف میری ایک نظر کی منتظر ہیں اور میرے قدموں میں ڈھیر۔" ابراش عسکری نے اپنا کالر اٹھاتے ہوئے مغرورانہ لب ولہجے میں اپنا حسن جتایا تھا۔

"لاکھوں، ہزاروں لڑکیوں کا تو نہیں پتا مگر ہاں آج کل سحر بانو کے بہت چرچے ہیں جو پوری طرح تمہارے عشق میں غوطہ زن ہے۔"

"ایک منٹ......!" چوہدری قیصر عسکری نے رشنا قیصر کو دیکھا۔

"رشنا آپ تو طلسم کا کہہ رہی تھیں اب یہ سحر بانو کا کیا قصہ ہے؟"

"پتا نہیں قیصر؟" انہوں نے لاعلمی ظاہر کر دی۔

"ابراش! زنیرہ کیا کہہ رہی ہے۔"

"مام اس کی تو عادت ہے ہانکتے رہنے کی اب آپ تو جانتی ہیں کہ کتنی ہی لڑکیاں میری خوب صورتی میرے حسن کے پیچھے مری جا رہی ہیں ہو گی کوئی انہی میں سے ایک سحر بانو۔" ابراش عسکری نے اس انداز میں کہا جیسے یہ کوئی بات ہی نہیں۔

"مگر ہم تو اسی ہفتے تمہارا رشتہ لے کر طلسم کے گھر جا رہے ہیں۔ سحر بانو نے اگر کوئی ہنگامہ کر دیا تو۔" رشنا قیصر نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تھا۔

"ہنگامہ تو وہ کرے گی مام اپنی پوری فوج لے کر آئے گی ابراش کی شادی میں خوب ناچے گی گائے گی۔" زنیرہ نے پھر سے سسپنس پھیلایا تھا۔

"زنیرہ کیا سسپنس پھیلا رہی ہو۔"

"دیکھو زنیرہ! سیدھے سیدھے بتا دو ورنہ ٹھیک ٹھاک پٹو گی مجھ سے۔" ابراش عسکری بھی اس کے سسپنس پھیلانے سے زچ ہو گیا تھا۔

"بہت بری بات ہے باؤ جی۔ تم سحر بانو کو ایسے کیسے بھول سکتے ہو چہ چہ چہ۔"

"باؤ جی۔" ابراش عسکری نے زیر لب کہا تو ذہن کی اسکرین پر ایک زبردست دھماکا ہوا۔

"زنیرہ یو......!" ابراش عسکری چیخا ہوا اٹھا تھا۔ زنیرہ تو گئی ہی الرٹ فوراً سے پیشتر وہاں سے رفو چکر ہوئی تھی۔

"کوئی ہمیں بھی تو بتائے یہ سحر بانو کون ہے بھئی۔" چوہدری قیصر عسکری نے رشنا قیصر کا مسکراتا چہرہ دیکھا تھا۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے زنیرہ نے انہیں اس خواجہ سرا سحر بانو کے بارے میں بتایا وہ بھول گئی تھی مگر زنیرہ کے باؤ جی کہنے پر یاد آ گیا تھا۔

"ارے قیصر ایسی کوئی بات نہیں ہے سحر بانو ایک خواجہ سرا ہے زنیرہ اسی کا ذکر کر رہی تھی۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" چوہدری قیصر عسکری تھوڑے جھینپ سے گئے تھے۔

"اگر میرا ایک ضروری فون نہ آیا ہوتا تو آج یہ میرے ہاتھوں شہید ہو جاتی۔" ابراش عسکری تیزی سے وہاں سے نکل رہا تھا۔

"ابراش......"

"مام آ کر بات کرتے ہیں۔" وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"چلا گیا۔" زنیرہ دھپ سے آ کر بیٹھی تھی۔

"کیوں بھائی کو اتنا چھیڑتی ہو۔" رشنا قیصر نے اپنی اکلوتی بیٹی زنیرہ کو دیکھا۔

"انجوائے مام انجوائے۔"

"اچھا تو یہ سب ہنسی مذاق چھیڑ چھاڑ ایک طرف، رشنا آپ یوں کرنا کہ سبرینہ بھابی کو بھی اپنے ساتھ لے

جائیے گا خاقان سے ہمارے فیملی ٹرمز ہی نہیں بزنس ٹرمز بھی بہت اچھے ہیں۔"
"جی بہتر میں ابھی تھوڑی دیر میں ہی انہیں فون کر دوں گی۔"
"اوکے۔" وہ اپنا لیپ ٹاپ اٹھائے کھڑے ہو گئے۔
"میں ذرا اپنے بیڈروم میں جا رہا ہوں آپ یوں کریں ایک کپ گرم چائے بھجوا دیں مجھے جلد از جلد یہ کچھ بزنس پوائنٹ مکمل کرنے ہیں۔"
"اوکے آپ چلیے میں خود لے کر آتی ہوں۔"
"ڈیڈ! میری شاپنگ تو دیکھتے جائیے۔" زنیرہ نے شاپنگ بیگز اٹھائے۔
"بیٹا! آپ اپنی مام کو دکھائیے ہم بعد میں دیکھ لیں گے۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنے بیڈ روم کی جانب بڑھ گئے۔ زنیرہ نے اپنی ساری شاپنگ رشنا قیصر کو دکھائی۔
"بہت اچھے کپڑے لائی ہو، اچھا اب یہ سب سمیٹو میں ذرا تمہارے ڈیڈ کو چائے دوں پھر سبرینہ بھابی سے بھی بات کرنی ہے۔"
"اوکے۔" وہ ہولے سے مسکرا دی۔ سب کچھ سائیڈ میں رکھ کے وہیں گیم کھیلتے سنی کی جانب بڑھی اور اس کو اپنی گود میں بھر لیا۔
"کیا کھیل رہے ہو نانو کے موبائل میں لاؤ مجھے بھی دکھاؤ۔"
☆......☆
"غنویٰ جتنی تکلیف واذیت سے گزری ہے اس سے کہیں زیادہ درد میں نے اور خاقان نے بھی سہا ہے۔ اس کا اتنا علاج اس کی دیکھ بھال کرنے کے باوجود بھی ایسا لگتا ہے کہ کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے اس کا ڈر و خوف اس کی ہذیانی کیفیت اس کا سہم کر چھپ جانا سب کچھ فیس کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کا اعتماد یقین خود پر بھروسا دوسروں پر بھروسا کرنا، دوستی کرنا کسی سے بات چیت کرنا یہ سب ہمارے لیے ایک کڑا امتحان تھا۔"
وہ بولے جا رہی تھیں اور سبکتگین حیدر ترمذی سر جھکائے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھنستا چلا جا رہا تھا۔ جو غلطی اس سے نادانستگی میں سرزد ہوئی تھی۔ وہ ہر روز، ہر لمحہ، ہر پل، ہر سانس میں ہزار بار مرا تھا۔ ہر لیتی سانس میں ہزار بار مر کے جیا تھا۔ یہ زندگی اس کی اگر اپنی ہوتی تو یقیناً اپنی ہی زندگی اپنے ہی جسم کا ایک ایک ریشہ کر دیتا خود کو ایسی عبرت ناک موت دیتا کہ دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بن جاتا مگر نہیں یہ اس کا جینا اس کے اپنے لیے نہیں تھا اس کی آتی جاتی سانسیں کسی کے وعدوں کی زنجیر میں جکڑی ہوئی تھیں اور وہ تھیں اس کی اپنی سگی ماں امبرین۔ ہاں امبرین نے اس کو اپنی قسمیں وعدوں سے دوبارہ موت سے زندگی کی طرف کھینچا تھا۔ ورنہ اس رات وہ اپنی زندگی اپنے وجود کا خاتمہ کر چکا تھا۔
"غنویٰ کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔ بڑی مشکل سے اس کی ایک ہی دوست ہے عائزہ جس سے اس کی دوستی ہے۔ شاید جس کے ساتھ وہ کھل کر ہنستی مسکراتی خوش رہتی ہے۔ غنویٰ کی زندگی کا دائرہ بہت محدود ہے جس میں اس کی مما، ڈیڈ اور عائزہ شامل ہیں اس کے علاوہ کوئی نہیں۔"
"سبرینہ آپا آپ نے غنویٰ کو کبھی ہمارے بارے میں نہیں بتایا؟" امبرین نے بہت آس سے ان کو دیکھا تھا۔

ریحانہ آفتاب

مکمل ناول

(پہلا حصہ)

تیرے ہو کے رہیں گے

شانزے اسپیڈ سے گاڑی سڑک پر دوڑا رہی تھی۔ پچھلی گاڑی نے اوورٹیک کیا تو شانزے کو جیسے آگ لگ گئی۔



''شانزے سے کوئی آگے نکل جائے، اس کی اتنی مجال۔'' فرنٹ سیٹ پر بیٹھی جبیں سے کہتے اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھادی اوور ٹیک کرنے والی گاڑی کو خبر نہ تھی کہ اس نے شانزے کی شان میں کون سی گستاخی کردی ہے۔

''دیکھا...... مجھ سے کوئی جیت کے دکھائے۔'' جبیں کو فاتحانہ نظروں سے دیکھتے اس نے پیچھے رہ جانے والی گاڑی کو دیکھا۔

''اچھا! اب اسپیڈ کم کرو، میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' جبیں اس سرپھری کے ساتھ ڈرائیو پر آتے یوں بھی ڈرتی تھی۔ ہر دومنٹ میں وہ ریس لگانے لگتی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' سامنے پولیس موبائلز کو دیکھتے شانزے نے کہا۔ ایک پولیس اہلکار ان کی گاڑی کو ہاتھ دے کر رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔

''غالباً کسی مخصوص کی تلاش ہے یا اسنیپ چیکنگ چل رہی ہے۔ رکو، اب یہاں کوئی تماشا نہ کرنا۔'' جبیں



خوشخبری

شاعری انٹرنیشنل انتخاب بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے

داستان دل ڈائجسٹ کی ٹیم شاعری انٹرنیشنل انتخاب شائع کر رہی ہے جس میں سب شاعر شامل ہو سکتے ہیں اور جو شاعر نہیں وہ کسی بھی شاعر کی دو غزلیں انتخاب کر سکتے ہیں انشاءاللہ یہ کتاب بہت جلد مارکیٹ میں آرہی ہے شامل ہونے کے لیے آج ہی ہم سے رابطہ کریں

اہم بات اس بک کے لیے دو غزلیں یا نظم دے سکتے ہیں اور ایک ہزار فیس ہوگی ان پیسوں کی کتابیں حفاظت کی جائیں گی

مزید معلومات کے لیے رابطہ

03225494228
abbasnadeem283@gmail.com

سلسلہ انچارج

[illegible]

اس انتخاب میں شامل لازمی ہوں انشاءاللہ یہ کتاب پاکستان کے علاوہ امریکہ، دوبئی، سعودی عرب کے علاوہ دیگر ممالک میں پڑھی جائے گی انشاءاللہ۔ اس میں ہر ممالک سے شامل ہو سکتے ہیں۔ اور شامل ہونا بھی آسان ہے آپ اپنی پسند کی دو غزلیں دے سکتے ہیں اور جو فیس دیں گئیں ان کی کتابیں مل جائیں گے ایسا چانس بار بار نہیں ملے گا اس لیے سب سے اپیل ہے کہ آپ سب شامل ہوں مزید معلومات کے لیے واٹس ایپ 03225494228 یا فیس بک 03377017753 پر رابطہ کریں شکریہ

منجانب: داستان دل ڈائجسٹ ٹیم

کے سمجھانے پر اس نے گاڑی سائیڈ پر روکی اور گلاسز نیچے کیے۔
''لیس!'' اہلکار اس تک آیا تو وہ رعونت سے بولی۔
''اسٹیپ چیکنگ چل رہی ہے اور آپ نے گلاسز بھی بلیک لگا رکھے ہیں۔ ان کے خلاف کریک ڈاؤن چل رہا ہے۔''
اہلکار کے کہنے پر وہ چلائی۔ ''تو......!''
اہلکار نے بے چاری نظروں سے شہیر کی طرف دیکھا تو وہ ان تک آیا۔
''آپ لوگ پلیز باہر آجائیں۔ ہم بلیک گلاسز اتاریں گے۔'' ایس پی شہیر نے سہولت سے کہا۔
''آر یو میڈ! مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' شانزے کی رعونت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔
''گاڑی کے پیپرز اور ڈرائیونگ لائسنس دکھائیں۔'' وہ نیچے اتر آئیں تو اہلکار کو اشارہ کر کے وہ ان سے گویا ہوا اشارہ پاتے ہی اہلکار گلاسز پر کام کرنے لگا۔
''پیپرز پتا نہیں کہاں ہیں اور ابھی میں اٹھارہ کی نہیں ہوئی اس لیے لائسنس نہیں بنا۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔
ایس پی شبیر چراغ پا ہو گیا۔
''آپ جانتی ہیں فرد جرم عائد ہو سکتا ہے بغیر لائسنس گاڑی چلانے پر؟''
''سو واٹ؟'' شانزے اسے سیریس نہیں لے رہی تھی۔
''سر پلیز! ہمیں جانے دیں ہم بہت ایمرجنسی میں ہیں۔ فرینڈ کی مدر کو اسپتال پہنچانا ہے سو کسی چیز کا دھیان نہیں رہا۔'' جبیں نے جلدی سے جھوٹی کہانی گھڑی۔
''فی میل ہونے پر کوئی کارروائی نہیں کر رہا لیکن آئندہ اس طرح کی لاپروائی نہیں ہونی چاہیے۔'' اس نے سہولت سے کہا۔ شانزے کی نظر گاڑی پر پڑی تو وہ چیونگم چبانا بھول گئی۔
''ہاؤ ڈیئر یو! قانون کے تم جیسے رکھوالوں کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں، شہر میں جرائم، دہشت گردی پنپ رہی ہے اور تم بیچ راہ میں شہریوں کو روک کر اپنا بکواس کام کر رہے ہو۔ جاؤ جا کر ملک کو سدھارو پہلے۔''
شانزے کی کڑوی کسیلی باتوں سے شہیر کے ماتھے پر بل آ گیا۔
''میم! میں آپ سے ایک پڑھی لکھی اور ذمہ دار شہری کے ناتے تمیز سے بات کر رہا ہوں اور آپ اپنی اوقات دکھا رہی ہیں۔ کسی کی بگڑی اولاد لگتی ہیں اور ہمیں نہ سکھائیں ہماری ڈیوٹی ہم آپ جیسے اے سی، ہیٹر میں بیٹھ کر ملک اور سسٹم کو گالی دینے والوں میں سے نہیں ہیں۔ دن بھر جان ہتھیلی میں لیے پھرتے ہیں۔ دولت کے نشے میں چور آپ جانتی کیا ہیں پولیس فورس کے بارے میں۔'' شہیر نے کھری کھری سنائی۔
''تم جانتے نہیں میں کس کی اولاد ہوں۔'' شانزے نے ہاتھ میں لیا فون استعمال کرنے کے لیے سیدھا کیا۔ شہیر نے جھپٹ کر فون لے لیا۔
''بہت ہی فضول اور پرانا ڈائیلاگ ہے، جس کی بھی اولاد ہیں گھر جا کر تسلی سے اپنے والد محترم سے بات کیجے گا۔ بھلے وہ کوئی توپ چیز ہوں مجھے میری ڈیوٹی کرنی ہے۔''
''شانزے! ہوش کے ناخن لو کیا بکواس کر رہی ہو۔'' جبیں نے اسے قابو کیا۔
''تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے فون چھیننے کی۔'' خود کو جبیں سے چھڑا کر وہ چڑھ دوڑی۔
اہلکار اپنا کام کر کے گاڑی سے نکل چکا تھا۔ شہیر نے کلائی سے پکڑ کر اس کی ہتھیلی پر زور سے فون مارا۔

"زیادہ بدتمیزی کی تو جو تھوڑی رعایت دی ہے واپس لے کر تھانے لے جاؤں گا۔ میڈیا کو بلاؤں گا اور آپ کے خاندان کا نام روشن کردوں گا۔" شہیر کی آنکھوں میں حد درجہ غصہ تھا۔ اس نے ہلکے سے پیچھے کی طرف دھکیل دیا شانزے کو جاتے وہ اس کی دھمکی سے ڈر گئی تھی جو جبیں کے کھینچنے پر چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

☆......☆

عروش کا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا۔ وہ حد سے زیادہ نروس تھی۔ گلی کے اسکول سے میٹرک اچھے نمبر میں پاس کر کے قریبی کالج سے گریجویشن کی ڈگری لی تھی۔ وہ بہت ذہین اسٹوڈنٹ تھی۔ ہمیشہ اچھے نمبر لیتی تھی۔ تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے محلے کے بچوں کو ٹیوشن دیتی تھی۔ قرآن پڑھاتی تھی۔ فارغ اوقات میں محلے والوں کے کپڑے بھی سیتی تھی۔ حیات صاحب گورنمنٹ ملازم تھے۔ گزر بسر بہت اچھی ہو رہی تھی۔ قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی وجہ سے شکیلہ اس کے بیاہ کے لیے بھی جوڑ رہی تھیں۔ شکیلہ کھاتے پیتے گھرانے سے تھیں مگر میاں کی کمائی پر انہیں کوئی شرمندگی نہ تھی۔ دونوں ہی خوددار تھے۔ شکیلہ کی فیملی کے لاکھ چاہنے کے باوجود انہوں نے کبھی کوئی مالی مدد نہیں لی۔

عروش کی پرورش بھی انہوں نے اپنے حالات کو مدنظر رکھ کر کی تھی۔ اس کی فطرت میں ماں، باپ کی تربیت کا ہر رنگ تھا جو اس کی شخصیت سے بھی جھلکتا تھا۔ فطری شرم وحیا، نامحرم سے حتی الامکان دوری اسے بہت ممتاز بناتا تھا۔ گرلز اسکول پھر گرلز کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اب اس نے مخلوط یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ شکیلہ اور حیات صاحب کو عروش پر بہت بھروسا تھا اس لیے جب اس نے ماسٹرز کرنے کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی بات کی تو انہوں نے انکار نہیں کیا۔ گریجویشن اس نے اتنے اچھے نمبرز سے کلیئر کیا تھا کہ تعلیم سے دور رکھنا اس کے ساتھ زیادتی ہوتی۔

یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہی ہر طرف رنگ ونور کا سیلاب تھا۔ اسٹائلش کپڑوں، امپورٹڈ جوتوں، بیگز، گلاسز سے مزین ہر کوئی کسی نہ کسی برانڈ کا ایمبیسیڈر لگ رہا تھا۔ اسے اپنی کم مائیگی پر کبھی شرمندگی نہیں ہوئی تھی نہ وہ اس وجہ سے کنفیوژ تھی اتنے سارے چہروں کو ایک ساتھ وہ شاید پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ خصوصاً لڑکوں کے بلند و بانگ قہقہے پر سر پر جما دوپٹا بار بار ٹھیک کر رہی تھی۔

کلاس بھری ہوئی تھی۔ بیگ مضبوطی سے پکڑے وہ اندر داخل ہوئی۔ بہت کم سیٹ خالی تھیں۔ اس پر سے اس کے حلیے پر کئی ایک نے "اوئی" آواز نکالی۔ کسی نے سیٹی بجائی۔ کچھ نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ تو کسی نے آثار قدیمہ، موئن جو دڑو کہنا فرض سمجھا۔ تقریباً ساری سیٹ پر لڑکے قابض تھے اور ان ہی کے پاس جگہ بھی خالی تھی۔ لڑکیوں کے ساتھ ساری سیٹ بھر چکی تھیں۔

"جو بھی کھوپرے ہے غضب کی پڑیا۔" پہلی رو سے آواز آئی۔ اس میں ہمت نہ ہوئی کہ اسے کوئی جواب دے۔ وہ بیٹھنے کے لیے جگہ دیکھ رہی تھی جب اسی لڑکے نے "مس پلیز" کہہ کر قہقہہ لگایا۔ ایک اور لڑکی بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ اسی لڑکے کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ کر دوسری چیئر اس کے لیے گھسیٹنے لگی۔

"بیٹھ بھی جاؤ، کوئی تمہارے لیے شاہی کرسی نہیں لائے گا۔" اس نے بھی بیٹھنے میں عافیت جانی۔

"نام کیا ہے تمہارا؟ میں ردا ہوں۔" اس لڑکی نے ہاتھ بڑھایا۔

"میں عروش ہوں۔" اس نے ہاتھ تھام لیا۔

''اچھا نام ہے، معنی کیا ہیں؟'' اسے شاید بولنے کی بیماری تھی۔ عروش کو کوفت ہونے لگی۔
''جنت کا فرشتہ۔'' ناچار اسے بتانا پڑا۔
''ہے گائز لسن شی از اینجل آف آور کلاس۔'' وہی لڑکا اپنے ساتھیوں سے کہہ کر قہقہہ لگا رہا تھا۔ لیکچرار کے آنے پر سب خاموش ہو گئے۔ عروش نے سوچ لیا تھا وہ ردا کی کسی بات کا جواب نہیں دے گی۔

☆......☆

جبیں کو اس کے گھر ڈراپ کر کے وہ پارکنگ پر آ کر رکی۔ باہر نکلی۔ سائیڈ میں لوہے کا روڈ تھا۔ اس نے وہ روڈ اٹھایا اور اس وقت تک پیچھے نہ ہٹی جب تک گاڑی ڈیمج نہ ہو گئی۔ شور پر ملازموں اور سیکورٹی اہلکار بھاگے چلے آئے اور لب بستہ شانزے کی کارگزاری دیکھ رہے تھے۔
''ڈیڈ کہاں ہیں؟'' اندر کی طرف جاتے اس نے اشتیاق سے دریافت کیا۔ جس کے پاس گھر کے ایک ایک بندے کی رپورٹ ہوتی تھی۔ کون کب کہاں ہوتا ہے۔
''سر! دو گھنٹے پہلے میٹنگ کے لیے اسلام آباد گئے ہیں میم۔'' وہ سر جھکائے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔
''کب تک آئیں گے؟'' وہ تیز تیز چلتی بول رہی تھی۔ اشتیاق بھی قدم سے قدم ملانے پر مجبور تھا۔ ''کل شام تک آئیں گے۔''
''بھائی کہاں ہے؟'' اگلا سوال ہوا۔
''وہ اپنی پرسنل ایکٹی ویٹی کے لیے نکلے ہیں۔ صبح واپسی ہو گی ان کی۔ کوئی پرابلم میم!'' وہ اس کے غصے کی وجہ جاننا چاہ رہا تھا۔
''ہے...... میں ڈیڈ سے ہی بات کروں گی۔'' شانزے اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔
''میم! گاڑی کا کیا کرنا ہے؟ سروس کے لیے بھیج دوں۔'' وہ اپنی ڈیوٹی نبھا رہا تھا۔
''نہیں اسے وہیں رہنے دو۔ پوزیشن بھی نہ بدلنا۔ اس پر نظر پڑتی رہے گی تو انتقام لینے میں مزا آئے گا۔'' شانزے نے غصے میں کہا۔
''اوکے میم!'' بے تاثر چہرے کے ساتھ اشتیاق ملازموں کو گاڑی سے متعلق ہدایت دینے چلا گیا۔
''ایس پی شہیر تمہاری تو میں وردی اتروا کے دم لوں گی۔'' اپنے کمرے میں داخل ہو کر جوتے ہوا میں اچھالتے بیڈ پر گر گئی۔ تضحیک کے احساس سے وجود سلگ رہا تھا۔
''دو کوڑی کے ایس پی کی اتنی مجال۔'' کروٹ بدلتی وہ سخت بے چین تھی۔

☆......☆

وہ سخت بے چین تھی۔ یونیورسٹی سے گھر تک ڈیڑھ گھنٹے کا سفر تھا۔ وہ نڈھال ہو گئی تھی۔ پہلا دن تعارف اور کلاسز کی ٹائمنگ اور لیکچرار کے انتخاب میں ہی گزر گیا۔ اس کی صورت دیکھ کر شکیلہ کی جان میں جان آئی۔ اتنی دور تعلیم کے لیے پہلی بار گھر سے نکلی تھی۔
''روز اتنی ہی دیر ہوا کرے گی؟'' گھڑی چار بجا رہی تھی۔ پانی کا گلاس تھماتے شکیلہ استفسار کر رہی تھیں۔
''جی میں نے ان ہی لیکچرار کی کلاس کا انتخاب کیا ہے جن کی ٹائمنگ جلدی کی ہے۔'' پانی پینے کے بعد جواب دیا۔
''کیسا رہا پہلا دن؟'' ماں، بیٹی دوستوں کی طرح تھیں۔ اسکول، کالج سے واپس آ کر وہ سارے دن کا

احوال سناتی تھی۔
''بہت الگ دنیا ہے امی! مجھے لگ رہا ہے میں نے ماسٹرز کرنے کا فیصلہ غلط کیا ہے۔ پرائیویٹ بھی کر سکتی تھی۔'' وہ پُرسوچ آواز میں بولی۔
''آج پہلا دن تھا۔ آہستہ آہستہ عادی ہو جاؤ گی۔ اتنا لمبا سفر تم نے پہلے کیا نہیں نا اس لیے پریشان ہو گئی ہو۔'' شکیلہ نے محبت سے کہا۔ تھکن اس کے صبیح چہرے سے ظاہر تھی۔ اپنی حسین بیٹی انہیں بہت عزیز تھی۔ عزیز تو ہر بچہ ہوتا ہے مگر جو مان، فخر، غرور بن جائے جس کی وجہ سے لوگ ماں، باپ کی تربیت کی تعریف و توصیف کریں وہ بچہ عزیز از جان ہو جاتا ہے۔
''کھانا کھا کر آرام کر لو۔''
''جی میں فریش ہو کر آتی ہوں۔ آپ نے بھی نہیں کھایا ہو گا یقیناً۔'' اس نے جھوٹی خفگی سے دیکھا۔ وہ مسکرا دیں۔
''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ تم باہر تھیں تو میرے حلق سے نوالہ کیسے اترتا؟''
''مجھے تو دیر ہو جایا کرے گی۔ آپ کھا لیجیے گا کل سے، اتنی دیر تک بھوکی رہیں تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔'' وہ تنبیہہ کرتی چینج کرنے کے خیال سے کمرے میں چلی گئی۔ اسے ماں کی محبت پر مان تھا۔
☆......☆
اسے اپنے باپ بھائی پر بہت مان تھا کہ اگر وہ ابھی ہوتے تو شہیر کی بوٹیاں ہو چکی ہوتیں۔ مگر اسے کل کا انتظار کرنا تھا۔ جبیں آئی ہوئی تھی اور اسے شاپنگ پر چلنے کے لیے اصرار کر رہی تھی۔
''جب تک میں ایس پی شہیر کو اس کی اوقات یاد نہ دلاؤں۔ مجھے چین نہیں آئے گا۔''
''بات اتنی اہم نہیں ہے۔ میں نے تمہیں کل بھی سمجھایا تھا اور تم نے گاڑی کا بھی حشر کر دیا۔ دیکھ کر آ رہی ہوں۔''
جبیں اس کی بہت اچھی دوست تھی۔
''بھائی کو بتا دیتی تو ایسا ہی حشر ابھی تک شہیر کا بھی ہو چکا ہوتا۔ ڈیڈ سے کہہ کر اس کی وردی اتروا دوں گی جس کا بہت رعب جما رہا تھا۔'' شانزے اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ جبیں نے ہار مان لی۔ بھینس کے آگے بین بجانے والی بات تھی جو ٹھان لے وہ کر کے دم لیتی تھی۔
''سی ویو چلتے ہیں، ڈیڈ کے آنے تک اگر میں اسی ماحول میں رہی تو خود کو بھی شوٹ کر لوں گی۔ شاپنگ پھر کسی دن کریں گے۔'' شانزے کے پلان پر جبیں سر ہلاتی میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی۔ شانزے نے کپڑے نکالے اور چینج کرنے چلی گئی۔
تھوڑی دیر میں وہ سی ویو پر تھیں۔ مین روڈ چھوڑ کر وہ کچے پر اتر آئی۔ دائیں بائیں آگے پیچھے گاڑی دوڑاتی وہ سی ویو کے آخری پوائنٹ تک چلی گئی تھیں۔
تیز میوزک سنتی شانزے ریلیکس ہو کر گاڑی بند کر کے بیٹھ گئی تھی۔
''شانزے! بہت اندھیرا ہو گیا ہے، چلتے ہیں۔'' جبیں نے برگر کھاتے اردگرد نظر دوڑاتے کہا۔ لوگوں کا ہجوم بہت پیچھے رہ گیا تھا۔
''منہ بند رکھو، انجوائے کرنے دو۔ مشکل سے موڈ ٹھیک ہوا ہے۔ دوبارہ آف مت کرو۔ بہت ڈرپوک ہو

تم۔'' آنکھیں موندے شانزے نے ناگواری سے کہا۔
''ہوں میں ڈرپوک، میرے والد مل اونر ہیں۔ تمہاری طرح میری رگوں میں سیاسی گھرانے کا خون گردش نہیں کررہا۔'' جبیں نے منہ بسورتے کہا۔ اسی وقت دروازہ کھول کر کسی نے جبیں کو ڈرائیونگ سیٹ کی طرف دھکیلا۔ گیئر پر گرتی جبیں کی چیخ بے ساختہ تھی۔ اسلحہ بردار شخص جبیں کی سیٹ پر قابض ہوچکا تھا۔ ایک اور شخص پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر ان دونوں پر گن تانے بیٹھا تھا۔
''اگر شور مچایا تو دونوں کی کھوپڑی اڑادوں گا۔ لڑکی گاڑی چلا، جس طرح تو پچھلے ایک گھنٹے سے چلا رہی ہے۔'' شانزے کے بھی اوسان خطا ہوچکے تھے۔ خوفناک چہرے والا شانزے کی پسلی میں گن گھسا کر بولا۔
''کیا چاہتے ہو؟'' شانزے نے حواس بحال کیا۔ جبیں اس کے ساتھ لگی کانپ رہی تھی۔
''اپنے گھر کال کر اور 50 لاکھ منگوا آدھے گھنٹے کے اندر۔'' دونوں آگاہ ہوچکی تھیں کہ وہ شارٹ ٹرم اغوا کا شکار ہوچکی ہیں۔ جس میں کڈنیپر آدھے گھنٹے تک سڑکوں پر گاڑی دوڑا کر رقم نکلواتا ہے اور پھر چلتا بنتا ہے۔
شانزے نے آدرش کو کال کی۔
''بھائی میں اور جبیں سی ویو پر ہیں۔ شارٹ ٹرم کڈنیپرز نے آدھے گھنٹے میں 50 لاکھ کی ڈیمانڈ کی ہے۔''
شانزے کے بولنے پر آدرش دہاڑا۔
''ان کی تو میں دھجیاں اڑادوں گا۔''
''زیادہ بڑکیاں نہ مار اور پیسوں کا انتظام کر۔'' سیل فون قریب کرتے ساتھ بیٹھا بندہ رعب جما کے بولا۔
''تو نے نوروز علی خان کی بیٹی اور آدرش علی خان کی بہن کو اغوا کرنے کی جرأت کی ہے۔ تیری نسلیں اس حماقت کا تاوان بھگتیں گی۔'' آدرش کی دہاڑ پر کڈنیپرز کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اگر انہیں خبر ہوتی تو وہ کبھی اس طرح کی حماقت نہ کرتے۔ لوٹ مار اور اس طرح کی واردات کے لیے یہ علاقہ آسان ہدف تھا۔ یہاں اس سے پہلے بھی وہ کئی واردات کر کے کروڑوں روپے حاصل کرچکے تھے۔ امیروں کی بگڑی اولاد اسی طرح گاڑیوں میں موجود ہوتی تھیں اور وہ ان کی تنہائی کا اچھے سے فائدہ اٹھاتے تھے۔
''اب کیا کرنا ہے؟'' پیچھے والے نے ڈرتے ہوئے کہا۔
''نکل چلتے ہیں۔'' آگے والے نے کہا۔
''لیکن یہ دونوں ہمیں پہچان چکی ہیں۔'' پیچھے والے نے احساس دلایا۔
''یہ تو سیاسی گھرانے کا گندہ خون ہماری جان تھوڑی چھوڑیں گی۔ ایسا کرتے ہیں دونوں کو ماردیتے ہیں۔'' پیچھے والا گن لوڈ کرتے بولا۔ دونوں کی جان حلق میں آگئی۔
''ہم کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ پلیز ہمیں نہ مارو۔'' شانزے ہاتھ جوڑے گھگھیا رہی تھی۔ ساری بہادری کروفر دھری کی دھری رہ گئی تھی۔
''انہیں چھوڑنا غلطی ہوگی۔ جلدی فیصلہ کرو، پولیس تو بعد میں پہلے اس کا خاندان ہمیں پاتال سے ڈھونڈ نکالے گا۔ ان کے توسط سے۔'' پیچھے والا مسلسل سامنے والے کو سمجھا رہا تھا۔
''تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' سامنے والا راضی ہوگیا۔ دونوں کو اپنی موت نظر آنے لگی۔
''میرا تعلق سیاسی گھرانے سے نہیں ہے مجھے جانے دو پلیز۔'' جبیں کے ہاتھ جوڑتے شانزے کو اپنے

کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اسے اپنی موت یقینی نظر آرہی تھی۔ کبیرہ وصغیرہ گناہوں کی معافی مانگتے اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ جس نام پہچان پر اسے گھمنڈ تھا، ناز تھا، وہی اس کی موت کی وجہ بن گیا تھا۔ گن اس کی کنپٹی سے لگا ہوا تھا۔ وہ چاروں اردگرد سے غافل ہو چکے تھے۔

''گن نیچے کر کے باہر نکلو۔'' شانزے کی آنکھ آواز پر کھلی۔ کڈنیپر کے بازو کو مروڑ کے کسی نے پیچھے کیا ہوا تھا اور ایک گن اس کی کنپٹی سے لگی ہوئی تھی۔ پیچھے بیٹھے بندے کو بھی دیگر لوگ قابو کر چکے تھے۔

''باہر نکلیں سب۔'' پر زور آواز پر شانزے اور جبیں بھی کپکپاتے پیروں سے باہر نکلیں۔ شانزے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انسپکٹر شہیر اور پولیس کے جوانوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہیڈ لائٹ کی روشنی میں کڈنیپر زان کے نرغے میں تھے۔

کئی مہینوں سے انہیں اس مقام پر واردات کی اطلاع مل رہی تھی۔ اس گینگ کے پیچھے وہ کافی دنوں سے لگے ہوئے تھے۔ بلیک کار کو وہ کافی دیر سے واچ کر رہے تھے۔ انہیں اس گینگ کی کارروائی کا ہی انتظار تھا۔ جب انہوں نے اپنی کارروائی شروع کی تو شہیر اور اس کی پارٹی ایکشن میں آگئی۔

دونوں کو موبائل میں بٹھایا جا چکا تھا۔ شہیر ان کی طرف آیا۔

''اتنی رات کو اس اندھیری جگہ پر آپ لوگ کر کیا رہی تھیں؟'' وہ آتے ہی چلایا اور جب اس کی نظر دونوں کے چہرے پر پڑی تو وہ اور غصہ ہو گیا۔

''آپ...... دونوں کو گھر پر چین نہیں ہے۔ یہ مقام اور یہ وقت مناسب ہے لڑکیوں کے لیے؟'' وہ خشمگیں نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

''سر! ہم تفریح کے لیے آئے تھے۔'' جبیں نے بولنے کی سعی کی۔

''بیان ریکارڈ کروانے کے لیے آپ لوگوں کو چلنا پڑے گا پولیس اسٹیشن۔'' شانزے خاموشی سے شہیر کو دیکھ رہی تھی۔

اسی وقت کئی گاڑیوں کے ٹائر چرچرائے اور کھٹا کھٹ دروازے کھلے شہیر اور اہلکار الرٹ ہو گئے۔ گارڈز پھیل چکے تھے۔ جدید اسلحے سے لیس وہائٹ کلف لگے سوٹ میں ملبوس آدرش علی خان جیپ سے نکلا۔

''کہاں ہیں وہ کڈنیپرز؟'' آدرش، شانزے کو ساتھ لگائے کھڑا استفسار کر رہا تھا۔ شہیر اور دیگر اہلکار آدرش علی خان اور گارڈز کی فوج کو دیکھ کر متعجب تھے۔ شہیر کو یاد آیا کہ کل وہ اپنے والد کا ذکر تو کرنا چاہ رہی تھی۔ اس نے لمبی سانس چھوڑی اور آدرش کو بغور دیکھنے لگا۔

''کیا معاملہ ہے؟'' آدرش، شہیر کی طرف آیا۔ شہیر اس کی رعونت اور انداز سے کسی قدر نالاں نظر آرہا تھا۔ اس نے واقعے کی تفصیل گوش گزار کی۔

''سچ کہہ رہا ہے یہ؟'' آدرش، شانزے سے بازپرس کر رہا تھا۔ شہیر کا خون کھول اٹھا۔ ان سماجی کارکنوں کی اصلیت سے وہ بہت اچھی طرح آگاہ تھا۔

''جی بھائی! اگر یہ خوش قسمتی سے آج اس گینگ کو ٹارگٹ نہ کر رہے ہوتے تو آج میں زندہ نہ ہوتی۔'' شانزے نے سچائی بتائی۔

''کہاں ہے وہ دونوں خبیث؟ لے کر آؤ میں خود انہیں شوٹ کروں گا۔'' آدرش نے شہیر کو زرخرید غلام کی طرح حکم دیا جیسے وہ گورنمنٹ کا نہیں اس کا ملازم ہو۔

''سر! وہ پولیس اسٹیشن منتقل ہو چکے ہیں اگر یہاں ہوتے بھی تو میں آپ کو یہ شوق پورا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کارسرکار میں کسی کو مداخلت کی اجازت میرے سامنے نہیں ہے۔'' ٹھوس لہجے پر آدرش نے بغور اسے دیکھا۔

''غالباً نئی پوسٹنگ ہے، نیا جوش ہے، تب ہی تیور بھی دکھا رہے ہو۔'' آدرش نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔

''بھائی! انہوں نے میری جان بچائی ہے۔ آپ کو شکریہ ادا کرنا چاہیے۔'' شانزے نے انہیں بھڑتے دیکھ کر کہا۔

''چلو تمہارے صدقے معاف کیا ورنہ میں اس لب و لہجے کا عادی نہیں۔'' آدرش، شانزے کو بازو کے گھیرے میں لیے آگے بڑھ گیا۔

''سر! بیان ریکارڈ کروانا پڑے گا بی بی کو۔'' اہلکار نے مودبانہ کہا۔

''گھر بھیج دینا بندے کو۔'' آدرش حکم سناتا جیپ میں بیٹھ گیا۔ پورے کروفر سے اس کا قافلہ سیکنڈز میں مٹی اڑاتا چلا گیا۔

''سیاست کی ناجائز اولاد...... پولیس کو گھر کی لونڈی سمجھے بیٹھے ہیں۔'' اہلکار نے ناگواری سے کہا۔ شہیر موبائل کی طرف بڑھا۔

''اچھائی کی توقع ان جیسوں سے رکھنا عبث ہے۔'' شہیر کی رائے اچھی نہ تھی۔

☆......☆

عروش کی رائے میں آج کا دن بہت تھکا دینے والا تھا۔ کھانا کھا کر وہ آرام کی غرض سے لیٹی ہی تھی کہ ٹیوشن پڑھنے والے بچے آ گئے۔

''آج چھٹی دے دیتیں۔'' سلائی مشین سنبھالتی شکیلہ اس کی تھکن کے پیش نظر کہہ رہی تھیں۔

''بچوں کے پیپرز ہونے والے ہیں، حرج ہوگا ان کا۔ ایک دن سے کیا ہوگا روز کی تھکن ہوگی، مینج کرنا پڑے گا۔ یمنیٰ کا سوٹ بھی ادھورا تھا۔ وہ بھی سینا ہے۔'' بولتے بولتے اسے پڑوسن کا سوٹ یاد آ گیا۔

''میں نے کر دی۔ تر پائی رہتی تھی خالی وہ تو لے بھی گئی سوٹ۔'' شکیلہ نے جواب دیا۔ وہ سر ہلا کر بچوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ کئی گھنٹے گزر گئے۔ بچوں کی شفٹ بدلتی رہی ہر گھنٹے پر پہلے والے بچے چلے جاتے اور ان کی جگہ نئی کلاسز کے بچے لے لیتے۔

درمیان میں اٹھ کر اس نے چائے بھی بنالی، آٹھ بجے فارغ ہوئی تو روٹی بنانے کچن میں چلی آئی۔ شکیلہ منع کرتی رہی مگر اسے احساس تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں شکیلہ پر کام کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ حیات صاحب بھی آ گئے تو تینوں نے ساتھ کھانا کھایا۔ گورنمنٹ جاب کے بعد وہ دوست کی کپڑوں کی شاپ پر چلے جاتے تھے۔ کیش کاؤنٹر ان کے انڈر تھا۔ دکان میں موجود لڑکوں سے کام کروانا ان کی ذمہ داری تھی۔ ان کے دوست کی دو شاپ تھیں۔ ایک کی دیکھ بھال وہ خود کرتے تھے۔

حیات صاحب دن بھر کی روداد پوچھ رہے تھے۔

''دلگن سے پڑھنا۔'' بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر کر وہ سونے چلے گئے۔ دن بھر کی تھکن ان کی چال سے نمایاں تھی۔

برتن دھو کر کچن سمیٹ کر وہ اپنی جگہ سونے کے لیے لیٹی تو دکھتی کمر نے دہائی دی۔ صبح یونیورسٹی جانے کے

خیال سے اسے وہ لڑکا یاد آ گیا جو بار بار کمنٹ پاس کر رہا تھا۔ اسے وہ ذرا اچھا نہ لگا تھا۔

''ہیلو اینجل!'' عروش تیز تیز قدموں سے کلاس کی طرف جا رہی تھی جب وہی کل والا لڑکا اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اس نے ٹھوڑی کے پاس سے سر پر اوڑھا دوپٹا مضبوطی سے پکڑ لیا۔ چہرے پر ناگواری آ گئی۔ اس کی جرأت حیران کرنے کے ساتھ پریشان بھی کر رہی تھی۔ جانے کیوں اس نے اس کا پیچھا لے لیا تھا۔

''اف مڈل کلاس ادائیں۔'' وہ اور اس کے ساتھی ہنسنے لگے۔ وہ تیز تیز چلتے ان سے پہلے کلاس میں داخل ہو گئی اور پہلی خالی سیٹ پر جلدی سے بیٹھ گئی جیسے مزید ٹانگوں میں جان نہ ہو۔

''کیا ہوا؟'' بے دھیانی میں وہ ردا کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ وہ اس کی اڑتی رنگت پر استفسار کر رہی تھی۔ اتنے میں وہ اور اس کے ساتھی عروش کو دیکھتے قہقہہ لگاتے سامنے سے گزر گئے۔

''کچھ کیا ان لوگوں نے؟'' عروش کے چہرے سے ناگواری ظاہر تھی۔ ردا استفسار کر رہی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ واپسی میں وہ اور ردا پوائنٹ کی طرف جا رہی تھیں جب ردا حسب معمول بولنے لگی۔

''بچ کے رہنا، آدرش علی خان نام ہے، نوروز علی خان کا بیٹا ہے۔ پورا خاندان سیاسی ہے۔ اثر و رسوخ ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ مجھے بھی کل ہی اس کا تعارف سننے کو ملا ہے۔'' ردا اسے اطلاع دے رہی تھی۔ عروش مزید ہراساں نظر آنے لگی۔ انداز سے جان تو گئی تھی کسی کی بگڑی اولاد ہے مگر اس کی جڑیں اتنی گہری ہوں گی اندازہ نہ تھا۔

''اس کے پاس تو بہت پیسہ ہوگا۔ پھر کراچی کی یونیورسٹی میں کیا کرنے آیا ہے؟ سیاستدانوں کی اولادیں تو باہر ہی پڑھتی ہیں۔'' ڈر کر چپ کر اس نے کہا۔

''اس کا بہتر جواب تو یہ ہی دے سکتا ہے۔'' ردا کندھے اچکا کر شٹل کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اسٹوڈنٹ کا قافلہ شٹل میں سوار ہو رہا تھا۔

☆......☆

ان کا قافلہ پہنچا تو نوروز علی خان بھی انہیں پارکنگ میں مل گئے۔ انہوں نے حیرانی سے شانزے جبیں اور آدرش کو ساتھ آتے دیکھا۔

''کہاں سے آ رہے ہو؟'' انہیں غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ آدرش نے قصہ مختصر سنایا۔

''سیکورٹی گارڈز کے بغیر تم نکلی کیوں؟'' وہ شانزے پر غصہ کرنے لگے۔ جبیں اس منظر میں مس فٹ تھی وہ سائیڈ پر ہو گئی۔ شانزے سے کوئی جواب نہ ملا تو اشتیاق زیر عتاب آیا۔

''سر! شانزے بی بی نے نہ صرف آج بلکہ کل بھی مجھے اور گارڈز کو ساتھ نہ لے جانے پر سخت باتیں سنائی تھیں۔ میں نے بہت کہا تھا۔'' اشتیاق سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

''نیکسٹ ٹائم اگر اس قسم کی لاپروائی دوبارہ ہوئی تو میں تم سب کو شوٹ کر دوں گا۔'' وہ آپے سے باہر ہو رہے تھے۔

''یہ گاڑی کی کیا حالت ہو رہی ہے؟'' ان کی نظر شانزے کی چہیتی گاڑی پر پڑی۔ اشتیاق مدد طلب نظروں سے شانزے کو دیکھ رہا تھا۔

''ڈیڈ! تنگ کر رہی تھی تو میں نے غصے میں یہ حال کر دیا۔'' شانزے کے جواب پر نوروز مطمئن ہو گئے۔

''پھینک دو گاڑی کو۔'' حکم دیتے وہ اندر کی طرف چلنے لگے۔ شانزے اور آدرش نوروز کے ساتھ تھے۔ وہ

تینوں لاؤنج میں بیٹھ گئے۔ اشتیاق مودب کھڑا تھا۔ گارڈز فاصلے پر موجود الرٹ تھے۔
"شانزے تفصیل بتاؤ جو کچھ ہوا۔" سگار سلگاتے وہ باریکی سے تفصیل سن رہے تھے۔
"ڈیڈ! ایس پی کچھ زیادہ ایٹیٹیوڈ دے رہا تھا۔" نوروز نے گوش گزار کیا۔
"شانزے کی جان بچا کر احسان کیا ہے اس نے ہم پر، اشتیاق کل بلواؤ اسے گھر میں ملنا چاہتا ہوں۔" آدرش کو سمجھا کر اشتیاق کو ہدایت دی۔
"اوکے سر!" اشتیاق سر ہلا کر رہ گیا۔
"کل سارا دن لنگر تقسیم کرو، بیس تیس بکروں کا صدقہ دو، شانزے بحفاظت آگئی ہے۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو میں تمہیں بھی نہ بخشتا۔ تم کہاں تھے جب یہ لاپروائی ہو رہی تھی؟" اشتیاق کو ہدایت دے کر وہ آدرش سے تفتیش کر رہے تھے۔ وہ کسی قدر بوکھلا گیا۔ نفی میں سر ہلاتے وہ جان گئے وہ اپنی رنگینیوں میں مگن تھا۔
"شانزے! آئندہ تم گارڈز کے بغیر نہیں جاؤ گی۔ یہ میرا حکم ہے۔" نوروز علی خان کے آگے یوں بھی سب چپ ہو جاتے تھے۔ شانزے ان کی چہیتی بیٹی تھی۔ ان کی جان قید تھی اس میں۔ وہ سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
بستر پر گری تو ایک بار پھر سارا منظر یاد کر کے جھرجھری لے کر رہ گئی۔ جو کچھ ہوا وہ اتنا غیر متوقع اور اچانک ہوا تھا کہ عقل قبول نہیں کر پا رہی تھی۔
"اگر وہ گولی چلا دیتا اور میں مر جاتی پھر؟ اس وقت مجھے قبر میں پہنچانے کی تیاری ہو رہی ہوتی اور پھر منکر نکیر میرا احساب کتاب کر رہے ہوتے۔ یا اللہ!" وہ جھرجھری لے کر آنکھیں میچنے لگی۔ موت اور اندھیری قبر کا خوف ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا گیا تھا۔
"شہیر سفیان!" شانزے نے زیر لب نام لے کر آنکھیں موندھ لیں۔ وجیہہ وزور آور پرسنالٹی رکھنے والے شہیر میں کوئی تو بات تھی جو وہ اس کے ذہن سے چپک گیا تھا۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں سے شہیر ہی اس کی سوچوں کا مرکز تھا۔ پرسوچ کا انداز بدل گیا تھا۔ شانزے کل جہاں اس سے خار کھائے بیٹھی تھی۔ آج اس کی مشکور تھی۔ آنکھ کھولتے ہی اس نے گارڈز اور وی آئی پی پروٹوکول دیکھا تھا۔ ان دنوں وہ انگلینڈ کے اسکول سے اے لیول کر کے گھر آئی تھی۔ اس نے آزاد زندگی گزاری تھی۔ جب سے واپس آئی تھی خود کو قیدی محسوس کر رہی تھی۔ وہ پیچھے چلتے گارڈز کی فوج سے نالاں ہو جاتی تھی۔
نوروز علی خان کی بیٹی اور آدرش علی خان کی بہن ہونے کا ثبوت اس کی زبان اور رعونت بھرا انداز دیتا تھا۔ ضدی، خودسر، پیسے اور پاور کا غرور اس کے ہر انداز سے جھلکتا تھا۔ شائستہ بیگم کو خبر ہوئی تو وہ اس کے کمرے میں چلی آئیں۔ پیچھے ملازمہ تھال اٹھائے کھڑی تھی جس میں نظر اتارنے کی زمانے بھر کی چیزیں تھیں۔
"کتنی بار کہا ہے شانزے! یہ انگلینڈ نہیں ہے یہاں تمہیں گارڈ کے بغیر نہیں نکلنا مگر تم من مانی کرتی ہو۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو پھر......؟" شائستہ بیگم نظر اتارتی ہزار کے نوٹوں کی گڈی اس کے سر سے وار کر تھال میں رکھ کر ملازمہ کو جانے کا اشارہ کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"مام! میں ٹھیک ہوں؟ آئندہ خیال رکھوں گی۔" شانزے بحث نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ شائستہ بیگم دوپٹہ سر پر جمائے اس سے تفصیل سن رہی تھیں۔ شہیر سفیان کے ذکر پر شانزے کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

☆......☆

عروش کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ جب صارم کی آمد ہوئی۔ وہ اندر کمرے میں شکیلہ سے باتیں کر رہا تھا۔ کچن میں آٹا گوندھتی عروش کا ہر عضو سماعت بن گیا۔ اس کی آواز سن کر فرحت کا احساس ہوا تھا۔ وہ آیا بھی دو ہفتوں بعد تھا۔ در پردہ وہ خفا بھی تھی۔ صارم پھپھوزاد تھا۔ نوعمری میں ہی حنا نے حیات صاحب سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ حیات اور شکیلہ کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ صارم عباس ان کا چہیتا تھا۔

بہت ادب کرنے والا۔ محبت سے لبریز تھا۔ چھوٹی عمر سے ہی اچھے برے کی تمیز تھی۔ حیات اور شکیلہ نے ہاں کر دی تھی۔ ان کی بیٹی صارم عباس جیسے بندے کے ساتھ زندگی گزارے انہیں اور کیا چاہیے تھا۔

وہ کلاس نائن میں تھی۔ جب اس کے سر پر دوپٹہ ڈال کر حنا نے اسے گلے لگا کر کہا تھا۔

''آج سے عروش میری بہو ہے۔'' وہ حیران پریشان سب کے چہرے دیکھ رہی تھی۔ صارم عباس ان دنوں فرسٹ ایئر میں تھا۔ وہ شکیلہ کے ساتھ بیٹھا زیر لب مسکرا رہا تھا۔ چہرے کی خوشی سے صاف ظاہر تھا کہ اس میں اس کی رضا بھی شامل ہے۔

''جب تم تین سال کی تھیں تب ہی میں نے بھائی اور بھابی سے کہا تھا کہ تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گی صارم کی دلہن بنا کر۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں؟'' حنا اس سے پوچھ رہی تھیں۔ کم سنی کے باعث اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

''تمہیں صارم پسند ہے نا؟'' حنا شرارت کے موڈ میں تھیں۔ سب کے مسکراتے لبوں سے گھبرا کے وہ کمرے سے بھاگ گئی تھی۔

ساری رات پھوپی کی باتیں اور صارم عباس کی نظریں یاد کر کے اس کے لب آپ ہی آپ مسکراتے رہے۔ کم عمری کی محبت بدلتے وقت کے ساتھ پروان چڑھ گئی تھی۔

صارم عباس بہت محبت کرنے والے سلجھے شخص کا نام تھا۔ اس نے کبھی حیات صاحب کو بیٹے کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ اس کے لائق جو بھی کام ہوتا وہ سرانجام دیتا تھا۔ ان دنوں وہ ایم فل کر رہا تھا۔ عروش کو تعلیم جاری رکھنے کی ترغیب اسی نے دی تھی۔

دو دن سے وہ یونیورسٹی نہیں گیا تھا۔ نہ ہی اس نے عروش کو فون کیا تھا۔ اسے اندازہ تھا وہ خفا ہو گی تب ہی خود چلا آیا۔

''عروش! صارم کو آئے کتنی دیر ہو گئی تم نے چائے تک نہیں بنائی۔'' شکیلہ کچن میں آ کر سرزنش کرنے لگیں۔

''رہنے دیں ممانی! لوگ اب یونیورسٹی جانے لگے ہیں۔ فرصت نہیں ہو گی ان کے پاس ہم غریبوں کے لیے۔'' صارم بھی کچن کے دروازے پر کھڑا تھا۔

''السلام علیکم!'' گڑبڑا کر وہ جلدی سے پانی چولہے پر رکھنے لگی۔

''وعلیکم السلام!'' صارم عباس نے مسکراتی نظروں سے دشمنِ جاں کو دیکھا۔ ایک سکون رگوں میں سرائیت کر گیا تھا۔ عروش کی محبت کی جڑیں اس کے اندر بہت گہری تھیں۔

''آپ ٹینشن نہ لیں ممانی! چائے کیا میں کھانا کھا کر جاؤں گا۔'' اس نے پلان بتایا۔

''ضرور، ویسے بھی نہاری بنی ہے تمہیں بہت پسند ہے نا، تم چائے پیو حیات بھی آنے والے ہوں گے۔ میں تب تک نمازِ عشاء پڑھ لوں۔ دیر ہو جائے تو سستی ہو جاتی ہے۔'' شکیلہ وضو کی نیت سے کمرے میں بنے واش روم کی طرف چلی گئیں۔ کچن کی دیوار سے ٹیک لگائے ہاتھ سینے پر باندھے وہ اسے پیڑے بناتا دیکھ رہا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔

''خفا ہو؟''

''کس بات پر؟'' الٹا اس سے پوچھنے لگی۔ وہ بھرپور انداز سے مسکرایا۔ اس کی ناراضگی جتانے کا اس کا یہ ہی انداز ہوتا تھا۔

''دو دن ہو گئے تمہیں یونیورسٹی جاتے، میں نے وش بھی نہیں کیا۔'' اس نے خود وجہ بتائی۔

''آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''پگلی مجھے فرق نہیں پڑے گا تو کسے پڑے گا۔'' چہرے پر جھولتی لٹ کو کھینچا۔

''پچھلے دنوں اکیڈمی کی وجہ سے بہت مصروفیت رہی۔ پیپرز لے رہا تھا۔ اکیڈمی میں۔ ایک ہفتے سے طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ دو دن سے اکیڈمی بھی نہیں جا رہا ہوں۔ ابھی تھوڑی ہمت ہوئی تو چلا آیا تم سے ملنے۔'' احوال بتایا۔

''کیا ہوا تھا آپ کو؟'' اک پل میں ناراضی ختم کر کے فکر مندی سے پوچھنے لگی۔

''بخار تھا۔ بتایا کیوں نہیں؟''

''تم پریشان نہ ہو جاؤ اس لیے نہیں بتایا۔ پتا تھا منہ سجائے بیٹھی ہو گی۔'' اس کی فکر مندی، تڑپ اچھی لگ رہی تھی۔ وہ ایک جان دو قالب تھے۔ چھوٹی سی چھوٹی بات ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ محبت کے علاوہ ان کے بیچ دوستی کا گہرا رشتہ تھا۔

''آپ کی غیر حاضری پر ویسے بھی پریشان تھی۔'' وہ چائے نکالنے لگی۔

''اب تو بندہ حاضر ہے، بولو کیسا رہا تجربہ؟''

''بس ٹھیک ہے، عجیب سا ماحول ہے۔ لڑکیوں کی زیادہ تر دوستی لڑکوں سے ہے۔ کافی حد تک دونوں مخلوق ایک دوسرے کو الو بنا رہی ہے، کچھ چھچھورپن ہے۔'' وہ آدرش اور اس جیسے لڑکے لڑکیوں کو دیکھ کر حقیقتاً دکھی تھی۔ لڑکیوں نے لڑکوں سے اس لیے دوستی کر رکھی تھی کہ لڑکے اس کا خرچہ اٹھا رہے تھے۔ کھانے پینے کا بل، موبائل کے کارڈز لوڈ کرواتی تھیں۔

''ماحول انسان بناتا ہے، نہ تم اس نیچر کی ہو، نہ تمہیں یہ سب اچھا لگا۔ تم بس اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ کوئی دشواری ہو تو مجھے بتا دینا، بلکہ میں ماموں سے بات کر لیتا ہوں، پوائنٹ میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ساتھ جانا اور واپس آنا۔ تمہیں بھی پریشانی نہیں ہو گی اور ماموں، ممانی بھی تمہارے گھر آنے تک ٹینشن میں نہیں رہیں گے۔'' ایسا ہی تھا وہ احساس کرنے والا۔ عروش کو کچھ سکون ہوا۔ ورنہ دو دن کے طویل سفر نے اسے بے زار کر دیا تھا۔

''یقین کرو بے چاری چینی گھل کر اپنا نام و نشان کھو چکی ہے۔ اب تو کپ دے دو۔'' اس کی باتیں سنتے کپ میں چینی ڈال کر وہ چائے مکس کر رہی تھی جس پر وہ بول پڑا۔

''اوہ سوری! دھیان نہیں رہا۔'' چمچہ رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔

''ظاہر ہے جب نظریں مجھ پر جمائے رکھو گی تو دھیان کہاں ہو گا چائے کی طرف۔'' اس نے چھیڑا۔

''اتنے بھی خوب صورت نہیں ہیں آپ۔'' چڑ گئی۔

''لیکن تم تو ہو۔'' سپ لیتے اس نے بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بلش ہو کر دوبارہ روٹی کی

طرف متوجہ ہوئی۔ دن بھر کی تھکن زائل ہو چکی تھی۔

☆......☆

"دن بھر کی تھکا دینے والی ڈیوٹی بھگتا کر وہ ڈیڑھ بجے گھر میں داخل ہوا تو سب سو رہے تھے۔ ملازم کو کافی کا کہہ کر وہ کمرے میں جانے لگا تو مما اپنے کمرے سے نکل آئیں۔

"السلام علیکم!"

"والسلام! دیر ہو گئی؟"

"جی۔ آپ جاگ رہی ہیں؟"

"جب تک تمہاری صورت نہ دیکھ لوں نیند نہیں آتی۔ کھانا لگواؤں؟" انہوں نے اس کے تھکے چہرے کو دیکھا۔

"بھوک نہیں ہے برگر وغیرہ کھا لیا تھا۔ صرف کافی کی طلب ہے منیر کو کہہ دیا ہے۔ آپ ریلیکس ہو کر آرام کریں۔" برگر والی بات اس نے جھوٹ کہی تھی۔ نہ کہتا تو مما زبردستی کھانا لگواتیں۔ اس وقت وہ صرف آرام کرنے کے موڈ میں تھا۔

"ڈیڈ گئے تھے فاطمہ آپی کے ساتھ ہاسپٹل؟" وہ دن بھر کی روٹین میں بھولا نہیں تھا۔ ڈاکٹر کی اپائنٹمنٹ تھی۔

"ہاں! اللہ کا شکر ہے اب بہت بہتر ہے کنڈیشن۔ دوا دے کے سلایا ہے۔ بغیر ضد کیے بات مانی ہے آج۔" مما گوش گزار کر رہی تھیں۔ شہیر اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ بھی جا کر سوئیں۔ میں بھی چینج کر کے آرام کروں گا۔" مما سر ہلا کر منیر کو کافی کے ساتھ سینڈوچ بنانے کا کہنے کچن میں چلی گئیں۔ وہ شہیر کی روٹین سے واقف تھیں۔ اسے جھوٹ بولنا نہیں آتا تھا۔ برگر اسے ذرا پسند نہیں تھا اور اس نے بھوک میں کھایا ہو۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

فریش ہو کر ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں بستر پر لیٹا تو جسم کا ایک ایک جوڑ دکھنے لگا۔ منیر دستک دے کر آ گیا۔ کافی کے ساتھ سینڈوچ اور ڈرائی فروٹس کی پلیٹ دیکھ کر اسے مما پر بے ساختہ پیار آیا۔

"بی بی جی نے کہا ہے سینڈوچ لازم کھانے ہیں۔" منیر پیغام دے کر جا چکا تھا۔ اس نے ٹی وی آن کر کے سینڈوچ اٹھا لیا۔ نظریں کافی کے مگ پر جمائے وہ گہری سوچ میں تھا۔

☆......☆

اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے صارم عباس نے حیات صاحب اور شکیلہ سے عروش کے لیے پک اینڈ ڈراپ کی بات کر لی تھی۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہوتا۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ صارم بھی اسی یونیورسٹی سے ایم فل کر رہا تھا۔ اس کا بھی روز کا آنا جانا تھا۔ اچھا تھا دونوں ساتھ جاتے۔ انہیں بھی عروش کی طرف سے پریشانی نہ ہوتی۔

صبح حسب وعدہ وہ اسے پک کرنے آیا تھا۔ دوپٹہ سلیقے سے لیے بیگ اٹھائے شکیلہ کو اللہ حافظ کہہ کر وہ باہر نکل آئی۔ وہ بائیک پر منتظر تھا۔

"دھیان سے چلانا بیٹا، اللہ کی امان میں۔" شکیلہ دروازے تک آئیں۔ صارم کے ساتھ بائیک پر وہ پہلے بھی سفر کر چکی تھی مگر ایمرجنسی میں۔ کبھی پھپھو نے بلایا ہوا یا کوئی کام پڑ گیا ہو تب۔

"صارم! آپ نے امی، ابا سے پرمیشن کیسے لی؟"
صارم عباس بیٹوں کی طرح تھا مگر اکیلے اس کے ساتھ وہ بہت کم کہیں گئی تھی۔ اسے روز کی پک اینڈ ڈراپ پر پرمیشن ملنے پر حیرانی تھی۔
"ماموں پہلے شش وپنج میں تھے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ میں نے کہہ دیا کہ لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دیں۔ ان کا تو کام ہی کہنا ہے اور پھر جب میں اپنی مستقبل کی بیوی کی ذمہ داری ابھی سے اٹھانا چاہ رہا ہوں تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ تم بلاوجہ مت سوچو انہیں مجھ پر اعتماد ہے۔" وہ اس کے سوال کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔
"مجھے تو نہیں ہے۔" اس نے شوخی سے کہا۔
"کیوں بی بی! میں نے کون سا آپ کو سرراہ چھیڑا ہے۔" وہ بھی شوخی سے پوچھنے لگا۔ یونیورسٹی آچکی تھی۔ اسے اس کے ڈیپارٹمنٹ میں چھوڑ کر اس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کا رخ کیا۔

☆......☆

صبح تھانے کا رخ کیا تو اس کے سیل پر انجانے نمبر سے کال آئی۔ اشتیاق، نوروز صاحب کا پیغام اسے پہنچا رہا تھا۔
"سر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ شام پانچ بجے تشریف لے آیئے گا۔ وقت کا دھیان رکھیے گا۔ ٹھیک پانچ بجے۔" شہیر نے ناگواری سے فون بند کر دیا۔
"وہ کل کی کارروائی سے متعلق کال تھی؟" ساتھی نے سوال کیا۔
"ہاں نوروز صاحب نے شام پانچ بجے ملنے کو بلایا ہے۔" سیل فون میز پر رکھ کر ہیٹ اتاری۔
"خوش نصیب ہو جو ایسا بندہ انوائیٹ کر رہا ہے۔ انعام واکرام کی بارش ہوگی تم پر آخر کو تم نے ان کی صاحبزادی کو بچایا ہے۔ ورنہ یہ کڈنیپرز تو اپنا کام کر دیتے۔" اس نے توصیفی نظروں سے دیکھتے کہا۔
"یوں بھی کانسٹیبل حمید بیان ریکارڈ کرنے جائے گا تم اپنے ساتھ ہی لے جانا۔" وہی بولے جا رہا تھا۔
جب کہ شہیر اس بلاوے کا پس منظر جاننا چاہ رہا تھا۔
بالآخر وہ اور کانسٹیبل خرم ٹائم پر پہنچ گئے۔ ان کا استقبال اشتیاق نے کیا تھا۔ پرتکلف لاؤنج میں بٹھا کر وہ اندر پیغام دینے چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں نوروز علی خان اور آدرش آگے پیچھے داخل ہوئے اسی سلام دعا کے بعد نوروز علی خان نے ان کی تواضع کا حکم دیا۔
"سر ہمیں بیان ریکارڈ کرنا تھا۔ آپ میڈم کو بلوا دیں پلیز۔" کانسٹیبل کے اشارہ کرنے پر شہیر اصل مدعے کی طرف آیا۔
"ہاں کیوں نہیں۔ ہم سیاسی لوگ ہیں اور ہمارا کام قانون کی مدد کرنا ہے۔" کروفر سے بیٹھے نوروز گویا تھے۔
"ڈیڈ! بیان ریکارڈ کرانے کے بعد شانزے کا نام آئے گا اور کیا وہ دو ٹکے کے کڈنیپرز کے لیے عدالتوں میں گواہی دیتی پھرے گی۔" آدرش، شہیر کو گھورتے نوروز سے ہم کلام تھا۔
"بات تو یہ بھی ٹھیک ہے۔" نوروز علی خان کی زیرک نظریں شہیر پہ گڑھی تھیں۔
"لیکن سر! قانونی تقاضے پورے کرنے ہیں۔" شہیر سفیان ان کھلاڑیوں کے انداز اچھی طرح پہچانتا تھا۔
"تم اپنے طور پر پورے کر لو سارے تقاضے، ہم نے تمہیں شکریہ کہنے کے لیے بلایا تھا۔" نوروز کے اشارے پر اشتیاق ایک بیگ لے آیا۔ اور شہیر کی طرف بڑھایا۔ نوروز کے اشارے پر

"یہ تمہارا انعام ہے۔ اس کے علاوہ پلاٹ، بنگلہ جو چاہو مانگ لو سب مل جائے گا۔" بازو صوفے پر پھیلاتے وہ سگار کا کش لے رہا تھے۔ شہیر کے چہرے پر ناگواری تیزی سے پھیلی تھی جسے اس نے چھپانے کی کوشش بالکل نہیں کی۔
"تھینک یو سر! جو کچھ میں نے کیا وہ میری ڈیوٹی تھی اور مجھے خبر نہ تھی ٹارگٹ آپ کی بیٹی بننے والی ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو میں یہی کرتا۔ ویسے بھی ہم کئی مہینوں سے اس گروپ کی ریکی کر رہے تھے۔" شہیر نے رسانیت سے انکار کر دیا۔
"یہ تمہاری جرأت و بہادری کا ہی انعام ہے۔ رکھ لو ہمیں خوشی ہوگی۔" نوروز علی خان کی آنکھیں اسی پر گڑی تھیں۔
"آپ کی خوشی کی خاطر رکھ رہا ہوں۔ لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے کسی ٹرسٹ کو دے دوں گا تاکہ وہاں کے بے سہارا مجبور لوگوں کی دعائیں آپ کو ملیں۔ چلتے ہیں سر، اللہ حافظ۔" شہیر اٹھ کھڑا ہوا۔ انہوں نے سوجی آنکھیں پوری کھول کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ کانسٹیبل بیگ لے چکا تھا۔ شہیر لاؤنج سے نکل آیا۔
"اکڑ دیکھی اس کی؟" آدرش کو اس کا انداز کھل رہا تھا۔
"نیا نیا جوش ہے۔" وہ مسکرائے۔

☆......☆

"عروش کی مسکراہٹ کھونے لگی تھی۔ آدرش نے جیسے اسے تنگ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ آتے جاتے اس پر کمنٹ دینا جیسے اس کی عادت بن گئی تھی۔ وہ گونگی، بہری بن جاتی کوئی تاثر نہ دیتی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ صارم سے ذکر کرتی تو وہ غیرت میں جانے کیا کر گزرتا۔ ڈیپارٹمنٹ سے شکایت کرتی تو ایشو بن جاتا۔ وہ کوئی رسک لینا نہیں چاہ رہی تھی۔
"اینجل! آپ نے سر رحمن کا اسائمنٹ بنا لیا ہے تو پلیز دے دیں۔ میں کاپی کروں گا۔" آدرش بڑی شرافت سے بات کر رہا تھا۔ عروش کی خاموشی توڑنے کا اچھا حل نکالا تھا۔
"میں نے نہیں بنایا۔" اسے جھوٹ بولنا نہیں آتا تھا۔ تب ہی زبان لڑکھڑا گئی۔
"تو پھر یہ فائل تمہارے چاچا کی ہے جس کی پچھنی پر بیٹھ کر روز آتی ہو۔" عروش کی گود سے فائل اٹھا کر لہرانے لگا۔
"اپنی حد میں رہیں۔" اسے بے ساختہ غصہ آگیا۔ روزِ اول سے وہ اس کی بدتمیزی کو نظر انداز کر رہی تھی۔ اس کی خاموشی کو کمزوری جان کر وہ شیر ہو رہا تھا۔
"کیا ہے میری حد؟" بھنویں اچکا کر وہ اس سے پوچھنے لگا۔
"عوام کے ووٹ سے سیٹ پر بیٹھ کر عوام کو ہی تنگ کرنا آپ لوگوں کا شیوہ ہے شاید۔" وہ نہ تو اعتماد سے خالی تھی نہ گونگی۔ ایک چپ سو سکھ کے مصداق خاموش تھی مگر اس کا الٹا اثر دیکھ کر اسے اپنا اصل رنگ دکھانا پڑا۔ آدرش لال بھبوکا ہو گیا۔ کلاس ان کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ وہ اسے جتا رہی تھی کہ وہ ووٹ کی بھیک مانگنے والے کی اولاد ہے۔
"میرا اور آپ کا کوئی جھگڑا نہ تھا۔ نہ ہے اور نہ ہم دوست ہیں۔ آپ برائے مہربانی مجھ سے فاصلہ برقرار

رکھیں۔" اپنی بات مکمل کر کے کلاس لیے بنا وہ کمرے سے نکل گئی۔ غصے اور جذبات میں وہ شاید زیادہ بول گئی تھی جس کا اسے احساس بھی ہوا۔

☆......☆

شانزے کو احساس ہوا کہ اگر شہیر کو ذرا دیر ہو جاتی تو اس کا نہ جانے کیا ہوتا۔ دو دن ہو گئے تھے۔ شانزے گھر سے باہر نہیں نکلی تھی۔ گزشتہ واقعے سے وہ بہت ڈر گئی تھی۔ جس نام پہچان پر اسے فخر تھا جس کا حوالہ سن کر لوگ اس کی تعظیم کرتے تھے وہی اس کی موت کا سبب بھی بن رہا تھا۔ جبیں نے جتنی خود غرضی کا مظاہرہ کیا تھا اس کے بعد اس نے جبیں کو کانٹیکٹ نہیں کیا تھا جس کا احساس جبیں کو بھی تھا۔ تب ہی وہ معافی مانگنے خود چلی آئی تھی۔

"تمہاری غلطی نہیں ہے۔ موت کو سامنے دیکھ کر تمہاری جگہ میں ہوتی تو شاید میں بھی خود غرض ہو جاتی، اٹس او کے۔" جبیں کو اس کے انداز پر خوش گوار حیرت ہوئی تھی۔

"تم ناراض نہیں ہو؟" شانزے نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں زندہ ہوں اور اپنے آپ کو انسان بنانا چاہتی ہوں۔" شانزے بیڈ سے ٹیک لگائے دونوں گھٹنوں پر ٹھوڑی لگائے پر سوچ بیٹھی تھی۔

"انسان کی زندگی میں ایک لمحہ ایسا ہوتا ہے جو آپ کی سوچ، ترجیحات کو بدل دیتا ہے۔ کل جب میں آنکھیں بند کیے مرنے سے پہلے کلمہ پڑھنے لگی تو یقین کرو مجھے کلمہ طیبہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ ایک نہیں اس وقت میں نے کئی بار کوشش کی مگر نتیجہ صفر تھا۔ اس لمحے اگر میری موت واقع ہو جاتی تو میں کیا منہ دکھاتی اللہ کو۔" شانزے پر سوچ انداز میں گویا تھی۔ اس واقعے کے بعد بڑی مثبت تبدیلی آئی تھی اس میں۔

"واقعی ہم ایس پی شہیر کا جتنا شکریہ ادا کریں کم ہے۔" جبیں اس پل کو یاد کر کے تھرا گئی۔

☆......☆

حقیقتاً آدرش علی خان تھرا گیا تھا۔ بظاہر معصوم و سادہ نظر آنے والی عروش اتنی بھی سادہ نہیں تھی جتنی نظر آتی تھی۔ اس نے خاموشی کی چادر اوڑھ رکھی تھی اور آج جب بولی تو اسے اس کا اصل چہرہ دکھا گئی۔

"آئی لائیک دس گرل!" عرصہ بعد کسی نے آدرش علی کان کو حیران کیا ہے۔" وہ مسکرا کر سر ہلانے لگا۔

"یہ تو پٹاخہ نکلی۔" اس کے ساتھی میں سے کوئی بولا۔

"دیکھنے میں کتنی سیدھی سادی ہے۔" دوسرے نے لب کشائی کی۔

"حیرت ہے آدرش تو نے چپ چاپ اس کی بکواس سن لی۔ کیسے سب کے سامنے ذلیل کر گئی۔" تیسرے نے غیرت دلائی۔

"سچ ہی کہا ہے، ہم عوام کے ووٹ سے ہی سیٹ پر بیٹھے ہیں۔ اس میں غلط کیا ہے؟" اس کے نارمل لب و لہجے پر تینوں ہی کو حیرت ہو رہی تھی۔

"تو ٹھیک ہے نا میرے بھائی..... کہیں لو شو کا چکر تو نہیں پال لیا تیکھی مرچ سے؟" مبشر نے قیاس آرائی کی۔ اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ہاں سوچا جا سکتا ہے۔ اچھی تو پہلی نظر میں ہی لگی تھی۔" انداز پر سوچ تھا۔

"کہاں تو سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہونے والا اور کہاں وہ پھٹیچر سی حلیے والی مڈل کلاس لڑکی۔" عزیر نے

موازنہ کیا۔

"سیاست دانوں کے دل میں غریب عوام کے لیے بہت جگہ ہوتی ہے سنا تھا اب دیکھ بھی لیا۔" حارث نے مذاق اڑایا۔ وہ پارکنگ سے اپنی بی ایم ڈبلیو نکال رہا تھا۔ تب ہی اس کی نظر قدرے فاصلے پر کھڑی عروش پر پڑی۔ بائیک والے بندے کے ساتھ وہ جانے کے لیے بیٹھ رہی تھی۔ بائیک والے نے کچھ کہا تھا جس پر وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔ اس کے لب بھنچ گئے۔ دوستوں کے سامنے اس نے اپنا بھرم رکھ لیا تھا ورنہ جس طرح عروش نے اس کی بے عزتی کی تھی وہ سلگ رہا تھا۔

☆......☆

شہیر کو نوروز کا انداز سلگا گیا تھا مگر وہ مضبوط اعصاب رکھتا تھا۔ فاطمہ کو لاؤنج میں دیکھ کر شہیر سفیان ان کی طرف آگیا۔ کئی دنوں سے دونوں کی ملاقات نہ ہوسکی تھی۔ صبح وہ جلدی چلا جاتا تھا اور رات بھی دیر سے واپسی ہو رہی تھی۔ فاطمہ ہاتھ میں چھری اور دوسرے ہاتھ میں سیب پکڑے پیر کا معائنہ کر رہی تھی۔

"السلام علیکم! کیا حال ہیں؟" شہیر ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔ فاطمہ نے نظر اٹھا کر شہیر کو دیکھا اور مسکرائیں۔

"والسلام! بڑے ہینڈسم لگ رہے ہو یونیفارم میں۔"

"یہ کیا ہوا؟" شہیر کی نظر اس کے پیر سے بہتے خون پر پڑیں تو اس کی آواز تیز ہوگئی۔ ملازم کو آواز دے کر فرسٹ ایڈ باکس منگوایا۔

"کچھ نہیں ہوا تم پریشان نہ ہو۔ میں تو سیب کاٹ رہی تھی چھری پتا نہیں کیسے لگ گئی۔" وہ اس کی پریشانی دیکھ کر سمجھا رہی تھیں۔ ملازم فرسٹ ایڈ باکس لے آیا۔ شہیر زخم صاف کر کے مرہم لگا رہا تھا۔

"درد تو نہیں ہو رہا، کوئی پین کلر لاؤں؟" فکرمندی سے استفسار کر رہا تھا۔ وہ نرمی سے مسکرائی اور نفی میں سر ہلانے لگی۔

"مجھے تو احساس ہی نہ ہوا زخم کا۔ میں تو حیرانی سے خون کو دیکھ رہی تھی۔" وہ معصومیت سے گویا تھی۔ شہیر اسے محبت سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے لیے سیب کاٹوں؟" ہاتھ دھو کر شہیر سیب اور چھری لے کر اجازت مانگنے لگا۔ باتیں کرتے کئی قاشیں اس نے خود فاطمہ کے منہ میں ڈالیں وہ باتیں کرتی کھا رہی تھی۔ مما بھی چلی آئیں اور شامل گفتگو ہو گئیں۔ شہیر کے سیل فون پر کال آئی تو وہ اٹھ کر سائیڈ پر ہوگیا۔ "السلام علیکم!" انجانا نمبر تھا۔

"والسلام! شہیر سفیان بات کر رہے ہیں؟" نسوانی آواز پر شہیر نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ فاطمہ اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔ مما نے بھی کچن کا رخ کیا تھا۔

"جی بات کر رہا ہوں، آپ کون؟" اس نے اپنے کمرے کی طرف جانے والے زینے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"میں شانزے نوروز علی خان بات کر رہی ہوں۔" شہیر کے قدم بے ساختہ ٹھٹک گئے تھے۔ وہ شانزے کی کال ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا۔

"فرمایئے کیسے فون کیا؟" اپنے کمرے میں داخل ہو کر سلائیڈ کھول کر بالکونی میں آ کھڑا ہوا۔

"جی میں آپ کو پرسنلی تھینکس کہنا چاہ رہی تھی اس لیے کال کی۔" شانزے جھجکتے ہوئے بول رہی تھی۔

''اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔'' شہیر نے سنجیدگی سے کہا۔
''آپ کے لیے نہ ہو مگر میرے لیے ہے۔ آپ کا احسان ہے میری زندگی پر......'' شانزے اپنی بولے جارہی تھی۔
''غالباً آپ کا اس بات پر عقیدہ نہیں ہے کہ موت کا دن متعین ہے۔ آپ کی موت اس دن کا سبب تقدیر نے نہیں لکھی تھی سو آپ بہ حیات ہیں اگر لکھی ہوتی تو میں کیا کوئی بھی آپ کو پروٹیکٹ نہیں کر سکتا تھا۔'' شہیر سفیان کی گھمبیر آواز شانزے کو سماعت کے رستے دل میں داخل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ پرسنالٹی کی طرح اس کی باتیں، آواز بھی سحر انگیز تھیں۔
''بے شک آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن میں آپ کو اپنا محسن مانتی رہوں گی ساری زندگی۔''
''مرضی ہے آپ کی۔ اوکے۔'' وہ کسی قدر چڑ گیا تھا۔ شانزے علی خان نے اسے کال کی تھی کوئی عام بات نہ تھی۔ وہ اس سرپھری اور اس کی فیملی سے واقف ہو چکا تھا۔ بات مکمل کر کے اس نے کال کاٹنا چاہی تب ہی شانزے جلدی سے بول پڑی۔
''ایک اور بات کہنی تھی۔''
''کہیے۔'' احسان کرنے والے لہجے میں کہا۔ وہ جلد سے جلد بات ختم کرنا چاہ رہا تھا۔
''سوری......! پہلی ملاقات کے لیے۔'' شانزے نے جھجکتے ہوئے کہا۔
''میں نے پولیس فورس کے بارے میں کچھ زیادہ غلط جملے کہے تھے۔''
''یہ راتوں رات پولیس فورس سے محبت اور اس کے لیے عزت کہاں سے آگئی آپ کے لہجے میں؟'' شہیر نے طنزیہ کہا۔ شانزے کسی قدر پھیکی پڑ گئی۔
''اینی وے اللہ حافظ۔'' شہیر نے کال کاٹ دی۔ بالکونی میں کھڑا آتی جاتی گاڑیوں پر نظریں جمائے وہ شانزے کی حرکت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

☆......☆

پورا راستہ وہ آدرش علی خان کو سوچتی آئی تھی۔ وہ بہت ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ صارم عباس سارا وقت اس کی پریشانی پوچھتا رہا۔
''بی پی لو ہو گیا ہے۔'' بار بار پوچھنے پر اسے جھوٹ بولنا پڑا۔
''خیال رکھا کرو اپنا، چھوٹی موٹی سی ہوا اور اتنی شدید گرمی ہے۔ آؤ پہلے کچھ پی لو کہیں بے ہوش ہی نہ ہو جاؤ۔'' صارم نے جوس کیفے پر بائیک روکی۔
''نہیں صارم! دیر ہو جائے گی۔ آپ چلیں۔'' وہ جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہ رہی تھی۔ بی ایم ڈبلیو میں بیٹھا آدرش علی خان جس طرح اسے گھور رہا تھا اس سے اس کی ہڈی میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔
''پانچ منٹ لگیں گے اترو اور تم کسی لوفر، اٹھائی گیر کے ساتھ نہیں اپنے کزن اور منگیتر کے ساتھ ہو، چھپ کر نہیں مل رہے ہم۔'' صارم کے اصرار پر ناچار اسے اترنا پڑا۔ ناں ناں کرنے پر بھی صارم نے سینڈوچ اور جوس منگوا لیا۔
''عروش تم ڈر کس سے رہی ہو یار! میں ممانی کو بتا دوں گا ہم کیفے گئے تھے۔ میرے ساتھ بیٹھنا برا لگ رہا ہے؟'' وہ بار بار ادگرد پر نظر دوڑا رہی تھی۔ دوپٹہ سختی سے لپیٹ رہی تھی۔ جس پر اسے بولنا پڑا۔

"صارم! آپ میرے لیے کیا ہیں یہ میں جانتی ہوں یا آپ۔ یہ اجنبی لوگ نہیں جانتے ان کی نظریں تو یہ کہہ رہی ہیں کہ لڑکی ڈیٹ پر آئی ہے اور مجھے یہ اچھا نہیں لگ رہا۔" اس نے اپنی پریشانی بتائی۔ صارم کو بھی احساس ہوا اس سے پہلے وہ یوں پبلک پیلس پر نہیں بیٹھے تھے۔

"سوری لیکن تمہاری طبیعت کی وجہ سے۔" صارم اس گھڑی خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔

"مجھے خود سے زیادہ آپ پر بھروسا ہے۔ آپ کو میری کتنی فکر ہے مجھے اچھی طرح پتا ہے۔ آپ صفائی نہ دیں۔ آپ کی نیت سے بھی واقف ہوں۔ بس لوگوں کی نظریں بری لگ رہی ہیں۔" اس نے مان بخشا۔

"او کے جوس ختم کرو اور چلو۔" ویٹر کو اشارے سے بلایا۔ وہ بڑی مسکراتی نظروں سے دونوں کو دیکھتے بل دے رہا تھا۔ صارم کے ماتھے پر بل پڑنے لگے۔ جس پر ویٹر کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ اسے عروش کی بات سے انکار نہ تھا۔ ان کے رشتے کتنے پاکیزہ ہیں یہ وہ جانتے تھے دنیا والے نہیں۔

☆......☆

شانزے جان گئی تھی کہ اس کے دل میں شہیر کے لیے کیا ہے۔ کال کٹ چکی تھی۔ شانزے حیرانی سے سیل فون کو دیکھ رہی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو وہ اسے دوبارہ کال کر کے گالیاں تو ضرور دیتی مگر دوسری طرف شہیر سفیان تھا جس کے لیے شانزے سوچنے لگی تھی۔

"چلو شہیر سفیان دیکھتی ہوں کہاں تک بھاگ سکتے ہو۔" شانزے مسکراتے ہوئے اس کے تصور سے ہم کلام تھی۔ پھر تو جیسے شانزے نے اس کا پیچھا لے لیا۔ صبح گڈ مارننگ سے لے کر گڈ نائٹ تک کے ایس ایم ایس کرتی۔ شہیر نظر انداز کرتا رہا کہ تنگ آ کر وہ خود تھک جائے گی مگر وہ مستقل مزاجی سے ڈٹی ہوئی تھی۔

وہ سینئرز کے ساتھ ایک آپریشن میں تھا جب مستقل اس کے سیل فون کی ٹون بجنے لگی۔

"سوری سر۔" سینئر کے گھورنے پر اس نے سیل آف کر دیا۔ آپریشن کامیاب رہا تھا۔ بھتہ خور گرفتار ہو گئے تھے۔ معمول کی کارروائی کے بعد وہ گھر آیا۔ سیل آن کیا تو ان گنت ایس ایم ایس آئے ہوئے تھے۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ لمبی سانس لیتے اس نے کال کی۔ شانزے لیٹ کر ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ سیل بجنے پر اٹھا کر دیکھا۔ شہیر سفیان کے چمکتے نام پر وہ اٹھ بیٹھی۔

"ہیلو۔" اس نے کال ریسیو کی۔

"مسئلہ کیا ہے آپ کے ساتھ کیوں مسلسل ایس ایم ایس کرتی رہتی ہیں۔ نہ میں آپ کی طرح فارغ ہوں نہ دماغ سے پیدل جو آپ کے بھیجے فی ایس ایم ایس پر بیٹھا ہنستا رہوں۔ اب آپ کا کوئی ایس ایم ایس نہیں آنا چاہیے۔ ڈیلیٹ کر دیں میرا نمبر۔" اپنی سنا کر بنا اس کی سنے شہیر نے کال کاٹ دی۔ شانزے ہونٹ سکوڑ کے رہ گئی۔

"ہلاکو خان ہے بنا سنے کال کاٹ دیتا ہے۔ فیلنگز ہی نہیں ہیں کوئی۔" شانزے نے منہ بناتے ایس ایم ایس کیا۔

"سوری! اگر آپ میری وجہ سے ڈسٹرب ہوئے آپ اہم ڈیوٹی پر ہوتے ہیں اور میں آپ کے کام میں خلل ڈالتی ہوں۔ میں آئندہ آپ کو ایس ایم ایس نہیں کروں گی۔"

ٹون پر شہیر نے سیل اٹھا کر دیکھا۔ یہ بتانے کے لیے بھی اس نے ایس ایم ایس ہی کیا تھا۔ نفی میں سر ہلاتے اس نے لمبی سانس لی۔

صبح اٹھنے کے بعد معمول کی طرح پہلے سیل فون چیک کیا۔ آج کوئی ایس ایم ایس مسڈ کال نہیں تھا۔ وہ تیار ہونے لگا۔ ناشتے کی میز پر سب بیٹھے تھے ”السلام علیکم“ سب کو ساتھ دیکھ کر خوش گواریت کا احساس ہوا۔

”وعلیکم السلام! کہاں ہوتے ہو جوان، تمہاری تو شکل ہی نظر نہیں آتی۔“ ڈیڈا سے دیکھ کر جیسے توانا ہو گئے۔ یونیفارم میں نک سک سے تیار وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔

”فرض جانفشانی سے ادا کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔ آپ سنائیں کیسی چل رہی ہے۔ جم جا رہے ہیں؟“ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ مما اس کے سامنے ناشتا رکھنے لگیں۔ اکیلے دل نہیں لگتا تم آجاؤ جلدی تو پھر چلیں گے ساتھ۔“ ڈیڈ اور شہیر بہت اچھے دوست تھے۔

”شفٹ چینج ہو تو پھر چلیں گے ساتھ۔“ باؤل میں کارن فلیکس ڈال کر اس نے تھرماس سے دودھ انڈیلا۔

”بجو کو بھی جگا دیتیں۔“ شہیر نے مما سے کہا۔

”رات دیر تک میرے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی تھی۔ میں گئی تھی اٹھانے، اس نے کہا دیر سے اٹھے گی۔ اچھا ہے نیند پوری ہو جائے گی۔“ مما کی اطلاع پر سر ہلانے لگا۔

”آفس جائیں گی آپ؟“ مما ویڈنگ پلانر تھیں۔ شادی پارٹیز آرگنائز کرتی تھیں۔

”ہاں لیکن بارہ بجے تک جاؤں گی۔ ارے شہیر یاد آیا ایک صاحب ہیں نام یاد نہیں آ رہا انہوں نے تمہیں میسج دینے کے لیے کہا تھا ان کی بیٹی کی شادی ہے۔ وہ پرسنلی کچھ پولیس کے بندے تعینات کروانا چاہ رہے تھے شادی میں۔“ مما کو یاد آیا تو انہوں نے پیغام دیا۔

”خیریت شادی میں؟“ تحیر کا اظہار کیا۔

”ان کی بیٹی میں کوئی لوفر انٹرسٹڈ ہے۔ جب کہ لڑکی بہت پاک باز ہے۔ اب اس کی کہیں اور شادی ہو رہی ہے تو لڑکے نے دھمکی دی ہے کہ شادی نہیں ہونے دے گا۔ ہنگامہ کرے گا وغیرہ وغیرہ۔“

”او کے! آپ ان کی شادی بھی پلان کر رہی ہیں؟“ سر ہلا کر اس نے سوال کیا۔

”نہیں بے چارے مڈل کلاس سے ہیں۔ کسی کے ریفرنس سے مجھ تک پیغام پہنچایا۔“

”مما نے کلیئر کیا۔“

”او کے ہو جائے گا۔ آپ اپ سیٹ نہ ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا اس معاشرے میں لڑکی کے والدین کو کتنی مشکلات اٹھانا پڑتی ہیں۔ یہ سوچ کر مما اپ سیٹ ہو گئیں۔

☆......☆

گھر آکر بھی وہ اپ سیٹ تھی۔ اسے اپنی مالی حیثیت اور اوقات کا اندازہ تھا۔ آدرش علی خان جیسے لوگوں سے دوستی یا دشمنی کے متعلق وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ ٹیوشن کے لیے آئے بچوں کو غائب دماغی سے پڑھا رہی تھی۔ شکیلہ اس کے پرسوچ چہرے کی طرف بار بار دیکھ رہی تھیں۔ استفسار پر اس نے وہی بہانہ دہرایا جو صارم سے کیا تھا۔

”آج حنا آپا آئی تھیں۔“

”اچھا! چلی کیوں گئیں مجھ سے ملی بھی نہیں۔“ اس نے گلہ کیا۔

”جلدی تھی آپا کو، کسی کی عیادت کو جانا تھا تم ہی ہو آنا وہ بھی کہہ رہی تھیں بہت دن ہو گئے تمہیں دیکھے۔“ شکیلہ بتا رہی تھیں۔ حنا کی محبت یاد کر کے وہ مسکرا دی۔

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر:03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

''کل چلیں گے امی، پھپھو کی طرف۔'' اس نے پلان بتایا۔ یونیورسٹی کی وجہ سے وہ بزی ہو گئی تھی۔ کہیں آنے جانے کا ٹائم نہیں ملتا تھا۔

''یونیورسٹی نہیں جاؤ گی کل؟'' استفسار پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''موڈ نہیں ہے۔'' خود کو لاپروا ظاہر کر کے شکیلہ کو بہلایا اور بچوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ شکیلہ سلائی چھوڑ کر دروازہ کھولنے گئیں۔ شکیلہ کی تیز آوازیں اس تک آئیں تو دھڑکتے دل سے وہ بھی بھاگی بھاگی دروازے تک گئی۔

''خالہ! ریان۔'' دونوں کو دیکھ کر ایک چیخ ماری۔ ثانیہ اس کی اکلوتی خالہ تھیں۔ اسلام آباد میں نانی اور نانو کے ساتھ رہتی تھیں۔ شادی کے دو سال بعد ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔ ریان ان کی اکلوتی اولاد تھا۔ شکیلہ محبت سے مل رہی تھیں۔ ریان شکیلہ سے چپکا ہوا تھا۔

''اندر تو آئیں۔'' عروش کو ہی خیال آیا کہ وہ گیٹ پر ہی کھڑے ہیں۔

''بچوں آج چھٹی کرو، باقی پڑھائی کل ہو گی۔'' عروش نے بچوں سے کہا تو وہ خوشی کا اظہار کرتے چلے گئے۔ وہ گیٹ بند کر کے آئی تو ریان صحن اور پورے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔

''کیا دیکھ رہے ہو چھوٹو؟'' اس نے محبت سے ریان کے بال بکھیر دیے۔

''چھوٹو نہیں ہوں میں، اگلے ماہ پورے پندرہ سال کا ہو جاؤں گا۔'' اس نے پھولے ہوئے منہ سے کہا۔ وہ اس عمر میں تھا جس میں چھوٹے کا لفظ برا لگتا ہے۔

''او...... واقعی آپ تو مجھ سے بھی بڑے ہو گئے ہو، دیکھو۔'' عروش نے کھڑے ہو کر اس کے ساتھ قد ناپا۔ وہ اس سے بڑا تھا قد میں۔ وہ خوش ہو گیا۔

''پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟'' عروش کچن میں آ گئی تاکہ ان کے لیے شربت بنا سکے۔

''بہت اچھی، آپ دعا کیجیے گا کہ میں اچھے نمبرز سے اولیول پاس کر لوں۔'' وہ معصومیت سے بول رہا تھا۔ عروش کو اس پر بہت پیار آیا۔

''کیوں نہیں جانو تم بہت اچھے نمبرز سے پاس ہو گے۔ میں بہت دعا کرتی ہوں اپنے سویٹ ہارٹ کے لیے۔'' شربت کا گلاس اسے تھمایا اور ثانیہ کے لیے کمرے کی طرف گئی جہاں وہ شکیلہ سے باتیں کر رہی تھیں۔

''بہت شکریہ بیٹا۔'' ثانیہ نے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

''آپ نے اچانک آ کر سرپرائز دیا خالہ، بہت یاد آ رہی تھی آپ کی اور اس موٹو کی۔'' عروش نے ثانیہ کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

''صدف کی شادی اٹینڈ کرنے کا تو بہانہ ہے۔ اصل میں تو تم لوگوں سے ملے دن ہو گئے تھے اس لیے چلی آئی۔ ریان کی بھی چھٹیاں تھیں۔'' ثانیہ نے بھی لگاوٹ کا اظہار کیا۔

''یہ گھر بہت چھوٹا ہے۔ آپ لوگ ہمارے ساتھ چل کر رہیں نا۔'' ریان نے شکیلہ سے کہا تو وہ مسکرا دیں۔

''جہاں آپ رہتے ہو وہ آپ کا گھر ہے اور یہ ہمارا گھر ہے۔ کوئی اپنا گھر کیسے چھوڑتا ہے بیٹا۔'' شکیلہ نے سمجھایا۔ عروش ان کے لیے اسپیشل ڈشز بنانے میں لگ گئی۔ حیات صاحب بھی ثانیہ اور ریان سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ پرتکلف کھانا کھانے کے بعد سب کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ شکیلہ ماں باپ کو یاد کرنے لگیں تو ثانیہ نے اپنے سیل فون سے ان کی بات کروا دی۔ وہ بات کر کے ملنے کے لیے بے کل ہو

گئیں۔ عروش خوش تھی۔ اتنے دنوں کی اعصاب شکن کے بعد یہ خوشی اسے بہت بڑی لگ رہی تھی۔

☆......☆

وہ ناخوش تھی۔ شانزے نے سخت بے کلی کے عالم میں رات گزاری تھی۔ شہیر کی وارننگ کے بعد وہ سنجیدگی سے اس کے متعلق سوچ رہی تھی۔ اگلے دن بھی وہ خود کو ٹٹولتی رہی۔ بار بار سیل فون ہاتھ میں لیتی اور اس کے نمبر پر لا کر چھوڑ دیتی۔

''نہیں وہ برا مان جائے گا۔'' اگلے دو دن وہ اسی عمل کو دہراتی رہی۔ اسے کسی کل چین نہیں آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کوئی اہم چیز اس سے چھن گئی ہے۔ وہ اپنی فیلنگز سے پریشان ہو گئی تھی۔

''کیا ہے کون سا وہ کسی ایس ایم ایس پر رسپانس دیتا تھا۔'' خود کو باور کراتے جانے کس جذبے کے تحت اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ پھر تو ایک سلسلہ چل نکلا۔ اپنی ناقدری پر وہ ضدی بچے کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر رو رہی تھی جیسے اس کا من پسند کھلونا کھو گیا ہو۔ آنسو صاف کر کے اس نے سیل فون اٹھایا اور شہیر کا نمبر ڈائل کیا۔ کال ریسیو نہیں ہوئی پھر تو اس پر ایک جنون طاری ہو گیا۔ وہ مسلسل کال کرنے لگی۔

شہیر واش روم سے آیا تو گیارہ کالز دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے نام چیک کیا۔

''شانزے۔'' نظریں اسکرین پر جمائے لب دانتوں تلے دبائے وہ حیران تھا۔ دو دن سے اس کا کوئی ایس ایم ایس نہیں آیا تھا۔ وہ پرسکون تھا کہ عقل آ گئی لیکن اب...... اسی لمحے کال پھر آنے لگی۔ اس نے ریسیو کی۔

''جی۔''

''مسٹر شہیر سفیان اگر کوئی کال کر رہا ہو تو کال ریسیو کرتے ہیں، یوں منہ نہیں چھپاتے۔'' شانزے کا لہجہ بہت تیز تھا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔''

''لیکن مجھے آپ کا جواب سننا ہے، میں دو دن سے آپ کی بات مان کر آپ کو ڈسٹرب نہیں کر رہی ہوں لیکن آپ سے اتنا نہ ہوا کہ آپ پلٹ کر پوچھ لیں کہ شانزے زندہ ہو یا مر گئی؟ نہیں آپ کو تو اپنی اکڑی گردن پر گھمنڈ ہے نا...... آپ کو کیا فرق پڑا ہو گا۔ بے وقوف تو میں ہوں جو دو دن سے دنیا تیاگ بیٹھی ہوں۔ یوں جیسے مجھ سے میرا اثاثہ چھن گیا ہو۔ جب سے آپ ملے ہیں زندگی گزارنا مشکل ہو گئی ہے۔ کیوں آئے تھے آپ میری نظروں کے سامنے؟ اور آئے بھی تھے تو کیا ضروری تھا کہ میں آپ کی محبت میں گرفتار ہو جاتی؟ مسٹر شہیر سفیان مجھے جنون ہو گیا ہے آپ کا۔ اگر آپ مجھے نہ ملے تو جانتے میں کیا کر گزاروں۔ مجھے شہیر سفیان چاہیے، ہر وقت ہر گھڑی، میں آپ کو سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔'' شانزے عالمِ جنون میں بولے جا رہی تھی۔

شہیر شاکڈ بیٹھا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا کچھ سننے کو ملے گا۔ شانزے بھی شاید سب کچھ کہہ چکی تھی۔ جنون کی داستان سنا کر اس نے فون بند کر دیا۔ شہیر یک ٹک فون کو دیکھے جا رہا تھا۔ یہ سرپھری لڑکی کیا کچھ کہہ گئی تھی۔ بلا کا پرسکون شہیر سفیان کے وجود کے اندر سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ وہ سخت مضطرب تھا۔

☆......☆

وہ سخت مضطرب تھی۔ یونیورسٹی جانا، آدرش علی خان کی فضول گوئی کو برداشت کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ صبح صارم اسے پک کرنے آیا تو اس نے خالہ اور ریان کی آمد کا بتا کر چھٹی کر لی۔ گزشتہ واقعے کی وجہ سے اس کا موڈ بھی نہیں تھا اور ان کی آمد نے موقع بھی فراہم کیا تھا۔

''میں بھی نہیں جا رہا۔ یونیورسٹی، خالہ سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں؟'' صارم سلام کرنے کے خیال سے پوچھنے لگا۔

''سو رہی ہیں۔'' ''ٹھیک ہے پھر میں شام کو امی کو ساتھ لے آؤں گا تب مل لوں گا۔'' وہ دروازے سے ہی پلٹ گیا۔

شام کو حنا صارم کے ساتھ آگئیں تو گھر میں رونق ہوگئی۔

''ادھر آ کے پاس بیٹھو، کتنے دنوں بعد دیکھ رہی ہوں صورت تمہاری۔'' اس پر جان دیتی تھیں۔ اب بھی اسے ساتھ لگائے بیٹھی تھیں۔

''بڑی محبت جتا رہی ہو ہونے والی بہو سے۔'' ثانیہ نے چھیڑا۔

''محبت...... جگر کا ٹکڑا ہے یہ۔ میں اور حیات بہت چھوٹے تھے جب ماں کی شفقت سے محروم ہوگئے۔ والد نے سوتیلی ماں کو ہم پر مسلط نہ کیا۔ اللہ انہیں جنت نصیب کرے۔ میں وقت سے زیادہ سمجھ دار ہوگئی تھی۔ حیات میں میری جان اٹکی رہتی تھی۔ شادی کے بعد بھی میں حیات کے لیے فکرمند رہا کرتی تھی۔ پھر شکیلہ نے میرے بھائی کی زندگی میں رنگ بھرے۔ حیات کے ناتے اس سے جڑا ہر رشتہ مجھے بے حد عزیز ہے۔'' حنا نے اسے مزید قریب کیا۔ سب ہی ان کی محبت کے گواہ تھے۔ شکیلہ اور ان کی آج تک تلخ کلامی تک نہ ہوئی تھی۔

''کب اتار رہی ہو یہ چاند اپنے آنگن میں؟'' ثانیہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ صارم ریان کے ساتھ باتوں میں لگا ہوا تھا مگر اس کی توجہ ان کی گفتگو کی طرف تھی۔ اسی وقت عروش نے نظریں اٹھائی تھیں۔ صارم اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً نظریں پھیر لیں۔ وہ مسکرا دیا۔

''انشاء اللہ بہت جلد، چند ماہ میں صارم کا ایم فل مکمل ہو جائے گا۔ خیر سے لیکچرار لگ جائے، سیٹ ہو جائے تو میں جلد ہی لے جاؤں گی اپنی بہو کو۔ اکیلے رہ کر بور ہوگئی ہوں۔'' حنا نے تفصیل سے کہا۔

حنا، ثانیہ، شکیلہ تینوں میں بہت اچھی دوستی تھی۔ ثانیہ اپنی چھوٹی نند صدف کی شادی اٹینڈ کرنے آئی تھیں۔ گو کہ ان کی شادی صرف دو سال رہی تھی۔ ذیشان کی حادثاتی موت کے بعد سسرالی چاہتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ رہیں مگر بوڑھے ماں، باپ کا احساس کر کے ثانیہ نے معذرت کر لی۔ یوں بھی جس شخص کی نسبت سے وہ اس گھر میں دلہن بن کر آئی تھیں جب وہ ہی نہ رہا تو وہ کس نسبت سے رہتیں۔ والدین، شکیلہ سب نے چاہا تھا کہ وہ دوسری شادی کر لیں مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اتنے سالوں بعد بھی سسرالیوں سے رابطے میں تھیں۔ ملنا جلنا ہوتا رہتا تھا۔ ابھی بھی وہ بطور خاص نند کی شادی اٹینڈ کرنے آئی تھیں۔

ثانیہ ہر عمل یہ سوچ کر کرتی تھیں کہ سسرالیوں کو ذیشان کی کمی محسوس نہ ہو۔ ثانیہ کے اصرار پر عروش بھی بارات اٹینڈ کرنے گئی تھی۔ ثانیہ کی ساس انہیں گلے لگائے ذیشان کو یاد کر کے رو رہی تھیں۔ وہ ثانیہ کی آمد پر بہت خوش تھیں۔ تقریب اچھی رہی تھی۔ ثانیہ کے صبر اور شادی نہ کرنے پر سسرالی آج بھی انہیں ذیشان کی بیوہ ہونے کے ناتے عزت دے رہے تھے۔ دو سالہ رفاقت کے صدقے انہوں نے پوری جوانی کاٹ دی تھی۔ عروش بے خودی انہیں دیکھ رہی تھی۔

☆......☆

بے خودی کے عالم میں وہ سب کچھ شہیر کو کہہ چکی تھی۔ رات بھر اس نے فون کو تکتے گزار دی کہ شاید وہ کمال

کرے۔ اس کی محبت کو تسلیم کرے، بھلے برا بھلا کہنے کے لیے کال کرے مگر ایسا کچھ نہ ہوا، کئی دنوں کی بے آرامی نے اسے بخار میں مبتلا کر دیا۔

نوکروں کی دوڑیں لگ رہی تھیں مگر وہ نہ کچھ کھا رہی تھی نہ دوا لے رہی تھی۔ شائستہ بیگم نے نوروز اور آدرش تک اس کی حالت کی خبر پہنچا دی تھی۔

نوروز اس کے کمرے میں موجود تھے۔ اس وقت وہ جاہ و جلال اور کروفر والے روپ سے الگ باپ کے روپ میں تھے۔ انہوں نے بہت منایا مگر شانزے بھی انہی کا خون تھی۔ اس نے انکار کر دیا۔

''جب تک میری خواہش پوری نہیں ہو گی میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔'' فیصلہ اٹل تھا۔

''اور کیا خواہش ہے میری گڑیا کی؟'' نوروز اس کا ہاتھ تھامے بیٹھے تھے۔ ذرا فاصلے پر آدرش بھی موجود تھا۔

''تم حکم تو کرو، سب تمہارے قدموں تلے لے آؤں گا۔'' آدرش نے جاننا چاہا۔ بلاشبہ وہ بہن کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

''مجھے شہیر سفیان چاہیے۔'' اس نے جیسے بم پھوڑا تھا۔ شائستہ بیگم منہ پر ہاتھ رکھے حیرانی سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

''شہیر سفیان......وہ ایس پی......؟'' آدرش کی تیز آواز گونجی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ نوروز اس کے چہرے پر نظریں گاڑے بیٹھے تھے۔

''زندہ یا مردہ؟'' آدرش کے استفسار پر شانزے جھٹکے سے اٹھی۔

''میں اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے اب کے میزائل دے مارا تھا۔ آدرش اور باقی سب کو سانپ سونگھ گیا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو؟ کیسے خواب دکھائے ہیں اس نے تمہیں۔ اسے تو میں زندہ گاڑ دوں گا۔'' آدرش غصے سے پاگل ہونے لگا۔

''خبردار! جو آپ نے اسے کچھ کہا۔ وہ تو مجھ سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرتا۔ ڈانٹ کر جان چھڑا لیتا ہے۔ مجھے اس سے شادی کرنی ہے اگر آپ نے اسے نقصان پہنچایا تو یاد رکھیے گا بھائی جس بہن سے آپ کو محبت ہے وہ بھی نہ رہے گی اور آپ جانتے ہیں میں جھوٹ نہیں بولتی۔ آپ کی طرح زبان کی پکی ہوں۔'' شانزے نے اچھی طرح اپنے عزائم بتا دیے تھے۔

''ڈیڈ آپ کچھ بولتے کیوں نہیں؟'' آدرش نے نوروز کی خاموشی پر سوال کیا۔ شانزے نے جو کچھ کہا تھا اس کے بعد اس کا جی چاہا شہیر سفیان کے جسم میں پوری پسٹل خالی کر دے۔

''ہماری بیٹی کی پسند اتنی بری بھی نہیں مجھے بھی اچھا لگا تھا بندہ، سوچا جا سکتا ہے۔'' نوروز کے جواب پر آدرش جل بھن گیا۔

''ڈیڈ......!''

''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ہوش میں رہ کر کہہ رہا ہوں۔ پرجوش جوان ہے اور ہمارا داماد بن گیا تو پولیس فورس ہمارے لیے مزید کارآمد ہو جائے گی۔ معمولی پوسٹ سے اسے کہاں پہنچانا ہے یہ ہمارا کام ہے تم چپ رہو ابھی تم نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔'' نوروز یقیناً اپنے عزائم کے لیے شہیر کو داماد بنا کر استعمال کر سکتے تھے۔ وہ بہت دور کی سوچ رہے تھے۔

"کھانا اور دوا ٹائم پر کھاؤ، سمجھو تمہیں شہیر مل گیا۔" شانزے کو گلے لگاتے وہ گویا تھے۔ شانزے خوش ہو گئی۔

☆......☆

عروش خوش خوش ثانیہ کے ساتھ شاپنگ پر آ گئی تھی۔ گزشتہ رات صدف کی ولیمے کی تقریب اٹینڈ کر کے ثانیہ واپس جانے کے لیے تیار تھیں۔ ثانیہ والدین کے لیے شاپنگ کرنا چاہ رہی تھیں۔ شکیلہ بھی سب کے لیے تحائف بھیجنا چاہ رہی تھیں۔ سو دونوں مہنگے مال میں موجود تھیں۔ ثانیہ اپنے لیے کاسمیٹکس دیکھ رہی تھیں۔

عروش مردوں کے سیکشن میں ریان کے لیے کپڑے پسند کر رہی تھی تاکہ اسے گفٹ کر سکے۔

"ہیلو اینجل!" اس کے کان کے قریب کوئی بولا تھا۔ وہ اچھل پڑی۔ آدرش علی خان اس کے بہت پاس کھڑا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" ناگواری کا اظہار کرتی وہ دور ہوئی۔ سیلز مین ان کی طرف متوجہ تھے۔

"کہاں غائب ہو یونیورسٹی نہیں آ رہیں؟" وہ یوں لگاوٹ سے پوچھ رہا تھا جیسے ان کے درمیان بہت اچھے تعلقات ہوں۔

"راستہ دیں۔" اس کی بات کا جواب دیے بغیر وہ یہاں سے ہٹنا چاہ رہی تھی۔ وہ راستہ روکے سامنے کھڑا تھا۔

"ہم نے آپ کو دل دے دیا آپ راستہ مانگ رہی ہیں۔ میں ہٹنے کے لیے کھڑا نہیں ہوا ہوں۔" وہ اسے زچ کر رہا تھا۔ اس کی فضول گوئی پر اس کا خون کھول اٹھا۔

"میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا مجھے تنگ نہ کریں۔" مارے غصے کے برا حال تھا۔ سب ان کی طرف متوجہ ہو رہے تھے۔

"تم پر آدرش علی خان کی نظر پڑ گئی ہے اور جس شے پر میری نظر پڑ جائے وہ میری ہو جاتی ہے۔" آدرش نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ عروش نے جھٹکے سے کلائی چھڑائی۔

"یہ بے غیرت شخص مجھے تنگ کر رہا ہے۔ بجائے اسے برا بھلا کہنے کے آپ سب تماشا دیکھ رہے ہیں۔" متوجہ ہونے والے لوگوں پر طائرانہ نگاہ ڈال کر چیخ کر بولی۔

"عرشی کیا ہوا؟" ثانیہ بھی آ گئیں۔

"کچھ نہیں پھپھو! کچھ لوگ ہر چیز کو اپنی باپ کی جاگیر سمجھنے لگتے ہیں۔ چیونٹی جتنی اوقات والے اپنی اصلیت بھول جاتے ہیں چلیں۔" اس سے پہلے کہ ثانیہ آدرش کو دیکھتیں یا اس کے متعلق جانتیں ان کا ہاتھ پکڑ کر وہ بھیڑ کو چیر کر نکل گئی۔

"سر پلیز! آپ سب ہمارے کنزیومر ہیں۔ سب کی ریسپکٹ ہم پر فرض ہے۔ آپ کیا کر رہے تھے؟" مال کا انچارج بھی آ چکا تھا۔ آدرش علی خان کا ہاتھ اٹھا تھا اور انچارج کی زبان چہرے کے ساتھ گھوم گئی تھی۔

"اپنی اوقات میں رہ کر بات کر، جانتا نہیں کہ میں کون ہوں؟" آدرش کی پھنکار پر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اس کے روئیں روئیں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ عروش نے ایک بار پھر اس کی انا کو ٹھیس پہنچایا تھا۔ مال میں سرسراہٹ دوڑ گئی۔ آدرش علی خان مال سے نکل گیا اسلحہ بردار گارڈز اس کی گاڑی میں منتظر تھے۔

☆......☆

مما اس کی منتظر تھیں۔ انہیں شہیر کے ساتھ کہیں جانا تھا جس کی وجہ سے وہ جلد آف کر کے آیا تھا۔ وہ راستے میں ہی تھا جب اشتیاق کی کال موصول ہوئی کہ نوروز صاحب اس کے گھر آرہے ہیں۔ وہ اس پیغام کا مقصد سوچ رہا تھا۔ ذہن میں شانزے کی کہی باتیں بھی چلنے لگی تھیں۔ وہ مما کو ان کی آمد سے متعلق بتانا چاہتا تھا مگر اسے موقع ہی نہ ملا۔

گاڑیوں کے سائرن بجاتے شور نے جلد ہی اس کے دروازے پر دستک دی۔ نوروز علی خان پورے کروفر سے لاؤنج میں موجود تھے۔ ڈیڈ ابھی وہیں موجود تھے۔ شہیر کو دیکھ کر انہوں نے گرم جوشی سے گلے لگایا تھا۔ افراتفری محسوس کر کے مما بھی چلی آئی تھیں۔ دو تین گارڈز فاصلے پر کھڑے تھے۔ ملازم فروٹس، مٹھائی، ڈرائی فروٹس کے ٹوکرے اندر رکھ رہے تھے۔

''میں نوروز علی خان ہوں۔'' تعارف کرانے پر ڈیڈ اور مما کو سمجھ آگئی کہ شکل جانی پہچانی کیوں لگ رہی تھی۔ ٹی وی کے ٹاک شوز میں اکثر نظر آتے رہتے تھے۔ اب تو ان کا بیٹا بھی سیاست میں قدم رکھنے والا تھا۔

اک معروف سیاسی بندہ ان کے گھر آیا تھا۔ خدا خیر کرے کہ مصداق مما شہیر کو فکر مندی سے دیکھ رہی تھیں کہ جانے کیا ہو گیا ہے۔

''آپ لوگ اتنے حیران کیوں ہیں بیٹھیں نا۔'' نوروز انہیں بے تکلف کرنا چاہ رہے تھے۔ جیسے وہ مہمان نہیں میزبان ہوں۔

''ان کا تعارف؟'' نوروز شہیر کو مسکراتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''یہ میرے ڈیڈ ہیں اور یہ مام۔'' شہیر سنجیدگی سے ان کے انداز ملاحظہ کر رہا تھا۔

''شہیر اکلوتی اولاد ہے آپ کی؟'' سوال ڈیڈ سے تھا۔

''جی نہیں ایک بیٹی بھی ہے۔ اندر پڑھ رہی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ آپ لوگ میری آمد پر حیران ہیں اس لیے پہلے مدعا کی طرف آتا ہوں۔ ہماری بیٹی کو شہیر بہت پسند آیا ہے اور اس کی خواہش ہے ہم شہیر کو داماد کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔'' نوروز کے جملوں پر مما اور ڈیڈ نے چونک کر شہیر کو دیکھا جو نوروز علی خان کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''یہ کچھ چیزیں لے کر آیا تھا۔ ہمارے ہاں بیٹی کے سسرال خالی ہاتھ نہیں جاتے۔ آپ لوگ بھی ہمارے گھر جلد آئیں۔ ہماری بیٹی سے مل لیں۔ پھر شادی کی تاریخ فکس کر لیں گے۔'' نوروز کا انداز ایسا تھا جیسے وہ بیٹی کے لیے ٹافی لینے نکلے ہوں۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''مجھے ایک میٹنگ میں پہنچنا تھا۔ چلتا ہوں۔'' وہ جس طرح آئے تھے اسی طرح چلے گئے۔ مما دل پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''شہیر یہ کیا قصہ ہے؟ کیوں آیا تھا یہ شخص؟''

''بتایا تو انہوں نے اپنی بیٹی کو آپ کی بہو بنانے کی آرزو لے کر آئے تھے۔'' شہیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم ملے ہو پہلے ان کی فیملی سے؟'' مما ایک سیاسی بندے کو شہیر کی طلب کرتے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ اپنے تعین وہ رشتہ طے کر چکے تھے۔ وہ رشتہ مانگنے نہیں انہیں اپنا فیصلہ سنانے آئے تھے۔ انداز تو ایسا ہی تھا۔

''جی ایک ماہ پہلے۔'' شہیر نے مختصراً بتایا۔

''تم ان کی بیٹی میں انوالو ہو؟'' ڈیڈ کے سوال پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
''ان کی بیٹی انوالو ہے۔''
''پھر......!'' مما کو بے چینی لگی ہوئی تھی۔
''کیا ہو گیا مما سیاسی بہو آنے کی خوشی نہیں ہو رہی آپ کو؟'' شہیر نے مذاق اڑایا۔ مما رونے والی ہو گئیں۔
''ایسے لوگوں سے کون رشتہ جوڑتا ہے۔ کم از کم ہم تو نہیں جوڑ سکتے۔''
''کیوں نہیں جوڑ سکتے اور ہم کون سا ان کے در پہ بھکاری بن کے گئے تھے۔ وہ خود آئے۔'' شہیر کے سمجھانے پر مما بے بسی سے اسے دیکھنے لگیں۔
''تم کیا چاہ رہے ہو؟'' مما اس کی حتمی رائے جاننا چاہ رہی تھیں۔
''شانزے سے شادی۔'' اس نے دوٹوک لہجے میں کہا اور سیل فون اٹھاتا اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

☆......☆

عروش نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ اس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ آدرش کی باتیں، نظریں، جسارت......اس کا جی چاہ رہا تھا دھاڑیں مار مار کر رو دے۔
''کون تھا وہ بندہ کیا ہوا تھا؟'' ثانیہ راستے بھر استفسار کر رہی تھیں۔
''آپ ٹینشن نہ لیں خالہ۔ تھا کوئی لوفر، فری ہو رہا تھا۔'' اس نے لاپروا نظر آنے کی کوشش کی۔ وہ اس کی مالی حیثیت اور رتبہ بتا کر انہیں خوفزدہ نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ درحقیقت وہ اندر سے منتشر ہو رہی تھی۔ اسے ڈر لگنے لگا تھا آدرش علی خان سے۔
''شکل تو نہ دیکھ پائی لیکن حلیے سے تو اونچی آسامی لگ رہا تھا۔'' ثانیہ کی نظریں بہت تیز تھیں۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
گھر آ کر ثانیہ شاپنگ دکھانے لگیں۔ صارم عباس بھی آیا ہوا تھا۔ اس کا دھیان بار بار مال والے واقعے کی طرف جا رہا تھا۔
''بھئی مال میں عرشی نے ایک بندے کو ٹھیک ٹھاک باتیں سنائیں۔'' شاپنگ کا ذکر کرتے ثانیہ اس واقعے کو بھی زیر بحث لے آئیں تو وہ سر پیٹ کر رہ گئی۔ صارم اور شکیلہ کی نظریں اس پر تھیں۔
''کون تھا، بدتمیزی تو نہیں کی؟'' صارم غصے سے استفسار کر رہا تھا۔
''روٹین کی بات ہے، اس سوسائٹی کے مرد جب تک عورتوں پر کمنٹ نہ کریں ان کی انا کو سکون تھوڑا ملتا ہے۔'' لہجے پر قابو پا کر اس نے گول مول جواب دیا۔
''جو بھی تھا لیکن تمہیں اس کے منہ لگنے کی کیا ضرورت تھی۔ معاشرے میں ایسے لوگ بھرے پڑے ہیں۔ اب کیا تم ہر کسی کو درس دیتی رہو گی؟'' شکیلہ عروش کو سرزنش کرنے لگیں۔
''جی آئندہ دھیان رکھوں گی۔'' اس نے بحث کو طول نہ دینے کے خیال سے کہا اور چیزیں سمیٹ کر اٹھنے لگی۔ وہ چائے بنانے کے خیال سے کچن میں آ گئی۔ جب صارم بھی اس کے پیچھے آیا۔
''عرش! کوئی بات ہے جو تم چھپا رہی ہو؟'' وہ اس کے چہرے سے پریشانی بھانپ گیا تھا۔ ''میں آپ سے بعد میں اس حوالے سے بات کروں گی۔ ابھی نہیں پلیز۔'' اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔ وہ یہ

باتیں صارم سے ڈسکس کرنا چاہ رہی تھی مگر شکیلہ اور حیات سن لیتے تو پریشان ہوتے۔

''او کے! صبح یونی چلنا ہے؟'' اس نے اصرار نہیں کیا۔ کل کے متعلق پوچھنے لگا۔

''کل تو خالہ جائیں گی، میں گھر پر ہی رہوں گی۔''

''بہت حرج ہو رہا ہوگا تمہارا۔'' صارم احساس دلا رہا تھا۔ احساس تو اسے بھی تھا۔ بہت شوق سے اس نے داخلہ لیا تھا مگر یونیورسٹی سے جو بلا اس کے پیچھے لگ گئی تھی۔ اس نے اس کا سکون غارت کر دیا تھا۔ کیا قدرت نے اس کی پاک دامنی کا یہ ہی انعام دیا تھا۔ ہر کچھ الٹ ہو رہا تھا۔

☆......☆

ہر کچھ شانزے کی مرضی سے ہوگا۔ نوروز نے اسے یقین دلایا تھا۔ جس پر وہ کھانے پینے لگی تھی۔ نوروز علی خان نے شہیر سے کوئی بات کی تھی یا نہیں اس کا اسے کوئی علم نہ تھا۔ اس نے اشتیاق کو پیغام دیا تھا کہ وہ جیسے گھر آئیں شانزے ان سے ملنا چاہتی ہے۔ اشتیاق نے پیغام رسانی کی یقین دہانی کرائی تھی۔

شانزے بےزاری ایل ای ڈی کا ریموٹ پکڑے چینل تبدیل کر رہی تھی۔ سیل فون بجنے پر اس نے گردن موڑ کر اسکرین پر نظر ڈالی اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ شہیر کی کال تھی۔ اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس نے جھٹ کال ریسیو کی۔

''ہیلو! شہیر!'' خوشی کے ساتھ ساتھ اس کی آواز میں بےقراری تھی جو شہیر سے چھپی نہ رہ سکی۔

''رشتہ مبارک ہو۔'' شہیر کی مسکراتی آواز پر شانزے نے حیرانی سے فون کو دیکھا۔

''آج آئے تھے آپ کے ڈیڈ، آپ کا پیغام لے کر، زبان کی بڑی پکی ہیں آپ جو آناً فاناً والد محترم کو بھیج بھی دیا۔'' شہیر کے انداز پر شانزے حیرت کے سمندر سے نکلی۔

''آپ راضی ہیں نا؟'' شانزے نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''میں کفرانِ نعمت نہیں کرتا۔ جب قسمت خود موقع دے رہی ہو تو کوئی بے وقوف ہی دامن جھٹکتا ہے۔'' شانزے کو حوصلہ ہوا۔

''شکر ہے، ورنہ میں ڈری ہوئی تھی کہ جانے آپ کیسا بی ہیو کریں، کب بات کی آپ سے ڈیڈ نے؟''

''کچھ دیر پہلے واپس روانہ ہوئے ہیں۔ بہت چہیتی ہیں آپ اپنے ڈیڈ کی۔''

''بہت زیادہ اگر میں اپنے ڈیڈ اور بھائی کو چاند تارے بھی لانے کا کہوں تو وہ لے آئیں گے۔'' لہجے میں باپ بھائی کی محبت کا غرور تھا۔

''آپ کے بھائی کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے، وہ مجھے پسند نہیں کرتے۔'' شہیر نے جیسے شکایت کی۔

''بھائی ہوتے ہی پوزیسیو ہیں۔ جب میں نے آپ کا نام لیا تو وہ آپ کو مارنے کی بات کر رہے تھے لیکن جب میں نے انہیں کہا کہ اگر شہیر کو کچھ ہوا تو میں خودکشی کرلوں گی تب مانے۔'' اس نے سچائی سے کہا۔ شہیر کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''دو مختصر سی ملاقات میں آپ کو مجھ سے اتنی شدید محبت کیسے ہوگی کہ آپ خودکشی تک پہنچ گئیں؟'' وہ جاننا چاہتا تھا ایسی کیا بات تھی۔

''پہلی ملاقات کے بعد تو آپ مجھے زہر سے بھی برے لگے تھے۔ میں نے اپنی گاڑی کا حشر کر دیا تھا۔ ڈیڈ ہوتے تو میں آپ کو بہت اچھا سبق سکھاتی۔ میرا ارادہ بھی تھا میں اپنا غصہ کم کرنے سی ویو گئی

تھی۔ جب آپ نے میری جان بچائی۔ اس ایک لمحے میں، میں نے سوچ لیا تھا باقی کی زندگی آپ کے ساتھ گزاروں گی۔" وہ معصومیت اور سچائی سے اپنے محسوسات بیان کر رہی تھی۔ شہیر اپنے لیے اس کا جنونی روپ دیکھ رہا تھا۔

"فائنلی آپ نے سوچا وقتی سبق سکھانے کا کیا فائدہ، بیوی بن کر زیادہ اچھا ٹارچر کر سکتی ہیں۔" شہیر کی حس مزاح اتنی اچھی ہوگی اسے اندازہ نہ تھا۔ شانزے کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"یہ ہی سمجھ لیں۔"

"شانزے! میں آپ کو ایک بات واضح کہنا چاہتا ہوں کہ بھلے آپ نے اپنے والد کو بھیجا ہو اور ہماری طرف سے ہاں بھی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ لیجیے گا کہ میں آپ کے والد یا بھائی سے خوفزدہ ہو کر شادی کر رہا ہوں۔ آپ کی پسندیدگی میں بھانپ چکا تھا۔ مجھے بھی آپ اچھی لگی تھیں۔ رہی محبت تو

محبت خود بتاتی ہے کہاں کس کا ٹھکانہ ہے
کسے آنکھوں میں رکھنا ہے کسے دل میں بسانا ہے
رہا کرنا ہے کس کو اور کسے زنجیر کرنا ہے
مٹانا ہے کسے دل سے کسے تحریر کرنا ہے
گھروندا کب گرانا ہے، کہاں تعمیر کرنا ہے
اسے معلوم ہوتا ہے سفر دشوار کتنا ہے
کسی کی چشم حیراں میں چھپا اقرار کتنا ہے
شجر جو گرنے والا ہے سایہ دار کتنا ہے
محبت خود بتاتی ہے کسی کو پیار کرنا ہے

شہیر کی گھمبیر آواز میں شانزے کھو گئی تھی۔

"شہیر! میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔" اس نے دلی خواہش بیان کی۔

"جب موڈ ہو گھر چلی آؤ۔ اسی بہانے مما اور ڈیڈ سے بھی ملاقات ہو جائے گی اور تم ہمارا گھر بھی دیکھ لو گی جو تمہارے والد کے گھر کی طرح لگژری تو نہیں لیکن بہت ویل لگے گا۔" شہیر کے دھیمے لہجے پر اسے پیار آ گیا۔

"ضرور شہیر! آپ ساری زندگی مجھ سے اسی لہجے میں بات کیجیے گا۔ میرے لیے لگژری نہیں آپ کی اہمیت ہے۔ آپ مجھے کانٹوں پر بھی رکھیں گے تو خوشی خوشی رہ لوں گی۔ محبت کی ہے آپ سے، کوئی دل لگی نہیں۔ میں آپ کے رنگ میں رنگ جاؤں گی۔ آپ کی مہینے بھر کی تنخواہ میں بجٹ بنا کر گزارا کروں گی۔" شہیر کا قہقہہ گونجا تھا۔

"بہت فلمی ہو۔" ہنسی روک کر کہا۔ شانزے بھی مسکرائی۔

"آپ کو لگ رہا ہو گا لیکن میں زبان کی پکی ہوں۔" وہ بضد تھی۔

"دلی کون سا دور ہے میڈم! یہ بھی دیکھ لیں گے۔" شہیر نے چڑایا۔

شہیر کے مام ڈیڈ سے ملنا تھا۔ شانزے کو بہت اچھا دکھنا تھا اس سلسلے میں وہ شاپنگ پلان کرنے لگی۔

(باقی آئندہ ماہ)

ناولٹ

مجھے اعتبار ہے

"ارے یہ اتنے پیارے پیارے بچے کس کے ہیں؟" ایمن اپنے بیڈروم میں داخل ہوئی تو بیڈ پر بیٹھے تین سالہ تومی اور ڈیڑھ سالہ صومی کو کھلونوں سے کھیلتے دیکھ کر حیرانگی سے بولتی ان کے پاس آبیٹھی۔



پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

"ماما، ماما"۔ نومی اور صومی ماما ماما پکارتے اس سے لپٹ گئے۔

"ارے رے میں آپ کی ماما نہیں ہوں، آپ کون ہیں اور یہاں کیسے آ گئے؟" اس نے حیران ہو کر سٹپٹا کر دونوں بچوں کو تھام کر کہا۔

"یہ نومی اور صومی ہیں ہمارے بچے ہیں یہ اور یہاں میں انہیں لایا ہوں"۔ ارسلان ہاتھوں میں شاپنگ بیگ اٹھائے اندر داخل ہوئے اور مسکراتے ہوئے بولے۔

"ہمارے بچے، کیا مطلب ہے آپ کا؟" اس نے بچوں کو فوراً خود سے الگ کر دیا اور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"مطلب یہ ہے ایمن کے یہ دونوں بچے میری پہلی بیوی سے ہیں، یہ میرے بچے ہیں"۔ ارسلان نے بیگ بیڈ پر رکھ کر اطمینان سے بتایا۔

"کیا؟" وہ چیخ اٹھی اس حیرت انگیز انکشاف پر۔

"ہاں ایمن! صومی کی پیدائش کے وقت میری بیوی نازیہ کا بی پی بہت ہائی ہو گیا تھا، بس اسی وجہ سے وہ دل کے ہاتھوں زندگی کی بازی ہار گئی تھی۔



میں نے بہت مشکلوں سے دونوں بچوں کو پالا ہے۔ صومی کو تو صائمہ آپا سنبھالتی رہی تھیں۔ میں اب بچوں کو مستقل تو ان کی نگرانی میں نہیں دے سکتا تھا ناں، ان کے اپنے بچے بھی ہیں، ان کی اپنی گھریلو ذمہ داریاں ہیں، اس لئے میں نے تم سے شادی کر لی ہے تاکہ میری اور میرے بچوں کی زندگی میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ پُر ہو سکے، جو کمی ہماری زندگیوں میں آ گئی ہے وہ تمہاری محبت سے دور ہو سکے"۔ ارسلان نے صومی کو گود میں بٹھا کر دھیرے دھیرے اس پر مزید انکشافات کیے۔

ابھی ایک ہفتہ ہی تو ہوا تھا ارسلان سے اس کی شادی کو اور یہ تلخ حقیقت اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اس کے سارے ارمان سارے جذبے یکدم راکھ ہو گئے تھے۔

"آپ مذاق کر رہے ہیں میرے ساتھ"۔ وہ بے جان آواز میں بولی۔

"نہیں ایمن! یہ سچ ہے اب یہ بچے میرے ہی نہیں تمہارے بھی ہیں"۔

"جی نہیں یہ بچے صرف آپ کے ہیں"۔ وہ غصے سے بولی۔

"ایمن...!" وہ تاسف سے اسے دیکھنے لگے۔

"اتنا بڑا دھوکا اتنا سنگین فریب دیا آپ نے مجھے، آپ پہلے سے شادی شدہ تھے دو بچوں کے باپ تھے اور آپ نے اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی"۔

"آئی ایم سوری ایمن!" وہ نادم ہو کر بولے تو اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں سوری میری ساری زندگی خراب کر کے کہہ رہے ہیں سوری"۔

"ایمن! تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو، اس بات سے تمہاری زندگی بھلا کیوں خراب ہونے لگی، تم بیوی ہو میری اور ظاہر ہے کہ اب میرے بچوں کی ماں بھی اب تم ہی ہو"۔ ارسلان نرمی سے بولے۔

"ماما! بھوک لگی ہے"۔ نومی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر معصومیت سے کہا۔

"مجھے کھا لو"۔ ایمن نے غصے سے کہا اور اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"پاپا..." نومی ارسلان کو دیکھ کر رو پڑا، اس نے بے قرار ہو کر اسے دیکھا مگر آگے نہیں بڑھی، بچے تو دونوں ہی اتنے پیارے تھے کہ ان پر بے اختیار پیار آنے لگے، مگر چونکہ یہ بچے اس کے شوہر کی پہلی بیوی کے تھے اور اس کو یہ حقیقت اب معلوم ہوئی تھی اس لئے اسے شدید دھچکا لگا تھا کہ اسے دھوکے میں رکھا گیا تھا۔

"ایمن! ایسے نہیں کرتے، بچے ہیں یہ"۔ ارسلان نے نرمی سے اس کو اپنے بازو میں لے لیا۔

"لیکن آپ تو بچے نہیں ہیں، آپ نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی، شادی کی رات ہی کیوں نہیں بتا دیا تھا"۔

"تم نئی نویلی دلہن تھیں، میں تمہارے جذبات اور احساسات کا خیال کیے بغیر بچوں کو پہلی ہی رات تمہارے سامنے کیسے لے آتا؟"

"تو اب بھی سامنے لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت تھی ایمن!" وہ نرمی سے بولے۔

"بچے بہت چھوٹے ہیں اور میں انہیں زیادہ دن خود سے دور نہیں رکھ سکتا۔ میں نے تو انہیں تمہاری تصویر دکھا کر تمہیں ان کی ماما کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا جبھی تو نومی نے تمہیں فوراً پہچان لیا، بہت ذہین ہیں میرے بچے"۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اس قدر دھوکے باز ہیں"۔ وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"ایمن! تم غلط سمجھ رہی ہو میں نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا"۔

"یہ دھوکا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟" اس نے بچوں

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
''یہ تو بچے ہیں ہمارے پیارے بچے''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔
''مجھے ابھی اور اسی وقت اپنے گھر جانا ہے، ابا اماں سے بات کروں گی''۔
''تمہارے اماں، ابا کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی، انہوں نے ہی مجھے منع کیا تھا کہ میں تم سے شادی سے پہلے یہ بات نہ کروں۔ میں تو چاہتا تھا کہ تم سے مل کر تمہیں اپنے اور اپنے بچوں کے متعلق ساری بات بتادوں، مگر تمہارے اماں ابا نے منع کر دیا کہ ہم خود ہی سمجھا دیں گے ایمن کو''۔ انہوں نے سنجیدگی سے ایک نیا انکشاف کیا۔
''کیوں، کیوں کیا انہوں نے ایسا؟'' وہ شاک کی سی کیفیت میں بولی۔
''یہ تو وہی بہتر جانتے ہیں''۔ وہ سنجیدہ اور نرم لہجے میں بولے۔
''انہیں میرے متعلق سب کچھ معلوم تھا پھر بھی انہوں نے تمہاری شادی مجھ سے کر دی، آخر کوئی سبب تو ہوگا ناں اس کا، تم میں اور مجھ میں انہوں نے کوئی خوبی تو دیکھی ہوگی جو اس شادی پر اعتراض نہیں کیا۔ وہ تمہارے والدین ہیں تمہاری فطرت سے، عادت سے بخوبی واقف ہیں، تمہارے مزاج کو سمجھتے ہیں، ان سب باتوں کو مدنظر رکھ کر ہی انہوں نے اتنا بڑا فیصلہ کیا ہوگا ناں''۔
''فیصلہ یا دھوکا؟'' وہ اپنا اعتبار ٹوٹنے پر دکھی ہو کر رونے لگی۔
''ایمن! والدین کبھی اپنے بچوں کو دھوکا نہیں دیتے اور والدین سے زیادہ کون چاہے گا کہ ان کی اولاد سکھی رہے مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرے''۔ وہ اسے پیار سے نرمی سے سمجھانے لگے۔ بچے حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔
''پھر انہوں نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔
''میں کیا انکار کر دیتی ان کے فیصلے سے جو اتنی بڑی بات انہوں نے مجھ سے چھپالی اور آپ نے بھی اچھا نہیں کیا میرے ساتھ، اس رشتے کی بنیاد ہی آپ نے دھوکے اور جھوٹ پر رکھی ہے''۔
''ایمن، ایمن ایسا نہیں ہے مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے اور نہ ہی میں نے تمہیں کوئی دھوکا دیا ہے۔ میں نے تو تمہیں بہت مخلص اور محبت والی لڑکی سمجھ کر تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میرے دل نے تمہاری آرزو کی تھی۔ بس ایک نظر ہی تو دیکھا تھا میں نے تمہیں اور تمہارا ہو گیا تھا۔ محبت میں جھوٹ اور دھوکا کہاں سے آ گیا۔ میری نیت نیک تھی، جذبہ صادق تھا جو تم میری شریک حیات بن گئیں۔ اب رہی بات بچوں کی تو یہ تم اپنے والدین سے پوچھو کہ انہوں نے تمہیں کیوں نہیں بتایا، میں عمر میں تم سے دس بارہ سال بڑا تھا، دو بچوں کا باپ تھا پھر انہوں نے میرا پرپوزل قبول کر لیا، آخر کوئی تو معقول وجہ ہوگی ناں اس کی''۔ وہ بہت نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔
''تو وہ وجہ مجھے نہیں بتا سکتے تھے وہ''۔ وہ روتے ہوئے بولی۔
''میں کیا کہہ سکتا ہوں؟''
''آپ کچھ مت کہیے''۔ وہ ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے انہیں چار پانچ سال کی بچی دکھائی دی۔ انہیں اس پر بے اختیار پیار آنے لگا، وہ مسکرانے لگے۔
''دھوکے باز کہیں کے، کتنی معصوم صورت ہے آپ کی، شکل سے تو ایسے نہیں لگتے''۔ وہ بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی تو وہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔
''میں شکل سے ایسا اس لیے نہیں لگتا کیونکہ میں

دل کا بھی ایسا نہیں ہوں۔ تم نے صحیح اندازہ لگایا ہے میری شکل جتنی معصوم ہے یقین کرو میرا دل بھی اتنا ہی معصوم ہے، میں دھوکے باز نہیں ہوں، ارے میں تو انتہائی بے ضرر اور محبت کرنے والا انسان ہوں۔ میری محبت کا اندازہ تو تمہیں اس ایک ہفتے میں ہو ہی گیا ہوگا"۔ وہ مسکراتے شوخ لہجے میں بولے تو وہ حیا سے سرخ پڑ گئی۔

واقعی اس ایک ہفتے میں محبت تو انہوں نے اسے بہت دی تھی اتنی کہ وہ خود پر رشک کر رہی تھی، وہ بہت نرم، میٹھے، مدہم اور محبت بھرے لہجے اور انداز کے مالک تھے۔ اس نے دل میں ان کی محبت کا اعتراف کیا مگر غصہ اپنی جگہ موجود تھا، ان کی صحیح باتیں بھی غلط سمجھ رہی تھی کچھ سننے اور سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھی وہ۔

"کیا خبر آپ کی یہ محبت بھی ایک دھوکا ہو فریب ہو، اپنے بچوں کے لئے آپ کو مجھ سے محبت کا ڈرامہ کرنا پڑا ہو؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"تم سے محبت کرنے کے لئے مجھے بچوں کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے"۔ ارسلان نے اس دھان پان سی لڑکی کو محبت سے دیکھتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں"۔ وہ بھرائی آواز میں بولی۔

"توبہ توبہ، میری یہ مجال"۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"میں ابھی اپنے گھر جا رہی ہوں، مجھے نہیں رہنا آپ کے ساتھ"۔

"رہنا تو تمہیں میرے ساتھ ہی ہے، اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم اچھی بچی بن کر رہنا پسند کرتی ہو یا گندی بچی بن کر۔ رہی بات گھر جانے کی تو ضرور جاؤ، میں تمہیں میکے جانے سے کبھی نہیں روکوں گا، ہاں مگر آج رہنے دو کیونکہ ابھی ہماری شادی کو ایک ہفتہ ہی ہوا ہے، تمہارے میکے میں بھی مہمان موجود ہوں گے، تم مکلاوہ کرنے کے بعد بھی جاؤ گی اتنی جلدی تو وہ لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے"۔ انہوں نے بچوں کو بٹھا کر اسے نرمی سے سمجھایا۔

"مجھے کسی کی پروا نہیں ہے"۔ اس نے تنک کر کہا۔

"بڑی بے پروا ہو"۔ انہوں نے ہنس کر اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"چھوڑیئے میرا ہاتھ"۔ وہ نروس ہو گئی۔

"تم ہاتھ کی بات کر رہی ہو ایمن ڈارلنگ! میں تو تمہارا ساتھ بھی مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا"۔ وہ مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھامے محبت سے بولے۔

"اور اگر میں آپ سے پہلے مر گئی تو تب تو چھوڑنا پڑے گا ناں آپ کو میرا ہاتھ"۔

"ہرگز نہیں، میں اپنی اور تمہاری قبر مشترکہ بنوانے کی وصیت کر کے مروں گا"۔

"پلیز مجھ سے ایسی باتیں مت کریں"۔ اس نے دل تھام کر سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"ڈر گئیں"۔ وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو کر ہنس پڑے۔

"انتہائی ڈھیٹ ہیں آپ"۔ وہ سٹپٹا کر بولی، وہ ہنستے چلے گئے۔ اس نے دروازے کی جانب دیکھا اور تیزی سے آگے بڑھی ہی تھی کہ نومی نے اس کے دوپٹے کا کنارہ پکڑ لیا۔

"ماما پیاری ماما! کہاں جا رہی ہیں؟" نومی نے بہت معصومیت سے پوچھا تو اس کا ازلی نرم خو دل بے قرار ہو کر مچل گیا۔ اسے ایسا لگا جیسے یہ پکار اس کے دل سے اٹھی ہو، نومی اسے اپنی ہی اولاد محسوس ہوا، اس کا دل تو جیسے باہر نکلنے کو مچلنے لگا، جس پر اس نے ہاتھ رکھ کر قابو میں رکھنے کی کوشش کی اور مڑ کر نومی کے معصوم چہرے کو دیکھا جو مسکراتے ہوئے اور

بھی پیارا لگ رہا تھا، اس کا دل چاہا کہ بڑھ کر اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لے مگر ارسلان کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر اسے غصہ آ گیا اور اس نے دوپٹہ آہستہ سے اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا، اس کے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگ اٹھا۔ وہ بے چین سی ہو کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی، ارسلان نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔

''اپنے میکے نہیں چلو گی''۔ ارسلان نے دلفریب انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلوں گی اور ابھی چلوں گی''۔ وہ ایکدم غصے میں آ کر بولی اور دروازے کی جانب بڑھ گئی، وہ جانے کس سوچ میں گھر کر مسکرا دیئے۔

''رُکو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں''۔ وہ بچوں کو آیا کے پاس چھوڑ کر اس کے پیچھے چلے آئے۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ انہوں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ایمن کی آنکھیں آنسو بہائے جا رہی تھیں۔ اسے اماں اور ابا سے ایسی توقع نہیں تھی اسے اپنا اعتبار ٹوٹنے کا رنج تھا۔ اتنی بڑی بات انہوں نے اس سے کیوں چھپائی؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''رم جھم رم جھم پڑے پھوار تیرا میرا نت کا پیار''۔ ارسلان اس کے آنسو دیکھ کر گنگنایا تو اس نے غصے سے انہیں گھورا۔

''یار رونا تو بند کرو، تمہارے اماں ابا سمجھیں گے کہ میں تمہیں مار پیٹ کر لایا ہوں''۔ وہ ہنس کر شوخی سے بولے۔

''آپ بات مت کریں مجھ سے''۔ اس نے دوپٹے سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں بھئی میرا کیا قصور ہے؟ میں نے تو تمہیں حقیقت بتائی ہے اور تم مجھ سے خفا ہو رہی ہو، جنہوں نے تم سے حقیقت چھپائی ہے ان سے ملنے کے لئے جا رہی ہو، دس از ناٹ فیئر مائی ڈیئر''۔ انہوں نے بہت محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بس انہیں دیکھے چلی گئی۔ محبت ہی محبت تھی اس کی آنکھوں میں ان کے لئے اور بس۔

''اب غصے میں بھی اس قدر پیار سے دیکھو گی تو کس کم بخت کا دل چاہے گا کہ تمہیں میکے چھوڑ آئے، اب اپنی نظروں کا انداز بدل لو ورنہ میں گاڑی واپس موڑنے لگا ہوں''۔ وہ اس کی نگاہوں کی تپش کو اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے محتاط انداز میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے بہت شوخ لہجے میں بولے تو وہ بری طرح شرمندہ ہو گئی، اپنی بے اختیاری اور وارفتگی پر اسے خوب غصہ آیا۔

''جی نہیں مجھے میکے جانا ہے ابھی''۔ اس نے نظریں جھکا کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تو پھر ایسے مت دیکھو، ایکسیڈنٹ کرا بیٹھوں گا میں''۔

''بہت خراب ہیں آپ''۔ وہ بلش ہو کر بولی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''اچھا تمہیں غصہ کس بات پر ہے، میرے شادی شدہ اور دو بچوں کے باپ ہونے پر یا یہ حقیقت تم سے چھپائے جانے پر؟'' انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''پتا نہیں''۔ اس نے تھک کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

''اچھا چلو تمہارے ابا کا گھر آ گیا ہے''۔ انہوں نے گاڑی اس کے گھر کے قریب روک کر نرمی سے کہا۔

''اور یہ بھی بتاؤ کہ میں تمہیں کتنی دیر بعد لینے آؤں؟''

''مجھے نہیں پتا''۔ وہ گاڑی سے اترنے لگی تو انہوں نے اس کی کلائی تھام لی۔

''تمہیں نہیں پتا تو مجھے بھی نہیں پتا، میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گا، اپنی واپسی کا وقت مجھے بتادو تاکہ میں تمہیں لینے آجاؤں''۔

''میں خود آجاؤں گی''۔ وہ نروس ہوتے ہوئے بولی۔

''یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کب آؤ گی؟''

''ارسلان...'' وہ تذبذب کے عالم میں انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

''جی جان ارسلان!'' وہ بے حد محبت اور شرارت سے بولے تو اس کے چہرے پر حیا کے سارے رنگ بکھر گئے، زبان تالو سے لگ گئی، اس نے منت بھری نظروں سے انہیں دیکھا تو انہیں اس کی حالت پر پیار کے ساتھ ساتھ رحم بھی آگیا۔

''او کے جاؤ مگر جلدی آنا، زیادہ انتظار مت کرانا''۔ انہوں نے اس کی کلائی چھوڑ کر محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خدا حافظ کہہ کر گاڑی سے اتر گئی۔

''ارسلان میاں نہیں آئے تمہارے ساتھ؟'' اماں ابا نے اس سے ملتے ہی پوچھا۔

''جی آئے تھے مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں''۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''کیا بات ہے ایمن بیٹا! ارسلان سے جھگڑا ہوا ہے کیا؟'' اماں نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

''جھگڑا تو اس سے کیا جاتا ہے جو جھگڑنا جانتا ہو، ارسلان کا تو مزاج ہی بہت دھیما اور نرم ہے''۔ اس نے دل سے ارسلان کی خوبی بیان کی۔

''اسی لئے تو ہم نے اس کا رشتہ قبول کر لیا تھا''۔ اماں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''مگر آپ نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ ارسلان پہلے سے شادی شدہ اور دو بچوں کے باپ ہیں؟''

''تو تمہیں پتا چل گئی یہ بات''۔ اماں اور ابا نے نظریں چرا کر کہا۔

''جی ہاں مجھے ارسلان نے خود بتایا ہے آپ لوگوں نے مجھ سے کیوں چھپایا؟''

''ایمن بیٹا! ہمیں خدشہ تھا کہ تم ارسلان کے بچوں کی وجہ سے اس رشتے سے انکار کر دو گی اس لئے ہم نے کسی سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا، حالانکہ ارسلان میاں تو کہہ رہے تھے کہ ایمن کو ان کے بچوں کے متعلق بتا دیا جائے''۔ ابا نے آہستگی سے کہا۔

''ابا! آپ اتنا ہی جانتے تھے مجھے''۔ وہ دکھی ہو کر بولی۔

''آپ مجھ سے بات تو کرتے میں کیا آپ کے فیصلے سے انکار کر دیتی، آپ نے میرا اعتبار توڑ دیا ہے، آپ کو مجھ پر اپنی بیٹی پر اعتبار نہیں تھا، اعتماد نہیں تھا مجھ پر''۔

''ایمن! بس کرو باپ سے اس طرح بات کرتے ہیں''۔ اماں نے اس کی بات کاٹ کر سخت لہجے میں کہا تو فوراً ابا بول پڑے۔

''کہنے دو اسے، سچ ہی تو کہہ رہی ہے یہ، ہم نے اس سے ارسلان میاں کی پہلی شادی اور بچوں والی بات چھپا کر اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے''۔

''جانے دیں عاصم کے ابا! آپ نے تو اپنی اولاد کو سر چڑھا رکھا ہے، خاص کر ایمن کو تو آپ بالکل ہی ننھی بچی سمجھ کر ٹریٹ کرتے ہیں، ارے ہم ماں باپ ہیں اس کے، اس کا برا تو نہیں سوچا ہوگا ناں ہم نے، آخر کیا کمی ہے ارسلان میاں میں، تعلیم یافتہ، سلجھے ہوئے مہذب، تمیز دار، وضع دار، شاندار اور کامیاب بزنس مین ہیں۔ بچے ہیں تو کیا ہوا کل کو ایمن کے اپنے بچے بھی تو ہوں گے اور اسے کون سا سارا وقت بچوں کو سنبھالتے رہنا ہے۔ ارسلان میاں نے بچوں کے لئے آیا رکھی ہوئی ہے، گھر میں

ملازمین کی کمی تھوڑی ہے، ذرا سی توجہ اور محبت یہ اگر ارسلان میاں کے بچوں کو بھی دے دے گی تو کون سی انہونی ہو جائے گی۔ ارے میں بھی تو طوبیٰ کی ماں بن کر رہی ہوں آپ کے ساتھ، میں نے تو کبھی آپ سے آپ کی مرحومہ بیوی کا تذکرہ نہیں کیا تھا، اس کی بچی کو اپنی بچی سمجھ کر سینے سے لگایا تھا اور آج ماشاءاللہ وہ اپنے گھر میں اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ خوشی خوشی زندگی گزار رہی ہے"۔ اماں نے ابا کی بات کے جواب میں تیزی سے کہا، وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں ابا نے ان سے دوسری شادی تھی، پہلی بیوی سے ان کی ایک ہی بیٹی تھی طوبیٰ۔ پہلی بیوی گردن توڑ بخار کی لپیٹ میں آ کر اللہ کو پیاری ہو گئی تھی اس کے بعد گھر والوں نے ابا کی شادی اماں سے کر دی، اماں نے انہیں گھر کا ہر سکھ دیا، چار بچے بھی اللہ نے انہیں عطا کیے۔ طوبیٰ کے علاوہ عاصم، قاسم جو پڑھائی مکمل ہونے کے بعد جاب کر رہے تھے، ایمن اور ثمن دونوں نے بی اے کا امتحان دیا تھا اور ایک ساتھ ہی شادی ہوئی تھی دونوں کی، طوبیٰ کی شادی چار سال پہلے ہو گئی تھی اور وہ اپنے گھر میں بہت خوش تھی۔

"تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے بیگم! لیکن اب دور بدل گیا ہے اس کے تقاضے بھی بدل گئے ہیں، یہاں ایک نہیں دو بچے ہیں اور ایمن کو جب ارسلان میاں نے اپنے بچوں سے متعارف کرایا ہوگا تو اسے یقیناً دکھ ہوا ہوگا"۔ ابا نے مسکرا کر کہا۔

"خیر اب تو جو ہونا تھا ہو گیا"۔ اماں نے پالک کے پتے توڑتے ہوئے کہا۔

"ایمن! ہم نے ارسلان میاں کے متعلق جس سے بھی معلوم کیا اس نے ان کی تعریف ہی کی تھی۔ وہ بہت مخلص اور نرم مزاج رکھنے والے انسان ہیں، تم انشاءاللہ ان کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔ گیارہ برس بڑے ہیں وہ تم سے لیکن ان کا دوستانہ رویہ اس فرق کو کبھی محسوس نہیں ہونے دے گا۔ بیٹی! ارسلان میاں سے تمہاری شادی کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تمہارے تایا اپنے بگڑے ہوئے بیٹے زبیر کے لئے تمہارا ہاتھ مانگنا چاہ رہے تھے اور میں تمہیں اس جہنم میں دھکیلنا نہیں چاہتا تھا، انکار کر کے بھائی جان سے ناراضی بھی مول نہیں لے سکتا تھا، اس لئے ان کے بات کرنے سے پہلے ہی ارسلان میاں کو ہاں کر دی تھی اور مجھے یقین تھا کہ تم ارسلان میاں کے بچوں کو اپنے بچے سمجھو گی اور انہیں ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دو گی۔ تمہاری ہر ایک سے محبت کرنے کی عادت نے ہی تو مجھے ارسلان میاں کا رشتہ منظور کرنے پر آمادہ کیا تھا، ان کے بچے بہت پیارے ہیں تم انہیں پیار دو گی، ماں کی ممتا کا احساس دو گی تو وہ بچے تمہارے ہی ہو جائیں گے۔ بچوں کو اپنا بنانا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا، بچے تو صرف توجہ اور پیار سے ہی اپنے ہو جاتے ہیں، تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات"۔ ابا نہایت سنجیدگی مگر نرمی سے اسے سمجھا رہے تھے۔

"جی ابا! لیکن میں نے جو ارسلان کو دھوکے باز اور نجانے کیا کچھ کہہ دیا تھا غصے میں اس کا کیا ہوگا؟" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"او میرے خدا! ارے تم چپ نہیں رہ سکتی تھیں"۔ اماں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"کمال کرتی ہو بیگم! یہ اتنی بڑی بات پر چپ کیسے رہ سکتی تھی، اسے پہلے سے نہ بتا کر ہم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ خیر ایمن بیٹی! تم فکر نہ کرو میں ارسلان میاں سے خود بات کروں گا، وہ ناراض نہیں ہوں گے"۔ ابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا اور اس نے بھیگتی آنکھوں کو صاف کر لیا۔

☆..........☆..........☆

تین دن گزر گئے نہ تو وہ ارسلان کی طرف گئی اور

نہ ہی وہ اسے لینے کے لئے آئے، یہاں تک کہ فون تک نہیں کیا۔ وہ بہت بے چین تھی۔ رات بھر نیند نہیں آتی تھی، دن بھر بے تابی سے کبھی دروازے اور کبھی ٹیلی فون کی طرف نگاہ اٹھ جاتی تھی۔ آج چوتھا دن تھا رات کو سونے کے لئے لیٹی تو نیند پھر اس سے روٹھ گئی۔ وہ بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ ارسلان اور نومی، صومی کی خوبصورت شکلیں اسے بے قرار کر رہی تھیں۔

''ماما، ماما بھوک لگی ہے''۔ نومی کی معصوم اور محبت بھری آواز اس کے کانوں میں گونجی تو وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھی۔ نومی کا دودھیا رنگت جیسا حسین گول مٹول چہرہ اس کی آنکھوں میں آسمایا۔ صومی اور نومی کی سیاہ چمکدار آنکھیں اسے اپنی طرف بہت محبت اور مان سے اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ دونوں بچے تھے ہی اتنے پیارے کہ ایمن کو بے اختیار ان پر پیار آنے لگا تھا مگر اپنی جذباتی، شدت پسند اور جلد بازی کی عادت کی وجہ سے ان سے دور بے چین و بے قرار بیٹھی تھی۔

''ایمن! آج سے یہ گھر اس کی ہر شے تمہاری ہے، میری جانب سے تمہیں کبھی کسی قسم کی کمی محسوس نہیں ہو گی نہ دولت کی نہ محبت کی۔ اور مجھے تم سے صرف پرخلوص چاہت اور عمر بھر کا ساتھ چاہئے۔ امید ہے کہ تم مجھے زندگی کے کسی موڑ پر تنہا نہیں چھوڑو گی، ہر قدم پر میری ہمدم بن کر میرے ساتھ ساتھ رہو گی''۔ ارسلان نے شادی کی رات اس سے کتنے مان، خلوص اور پیار سے یہ جملے کہے تھے اور اس نے بھی اُن کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی سماعتوں میں ارسلان کی شوخ و شریر سرگوشیاں گونجنے لگیں۔ وہ ان کی خوشبو میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ پَر لگا کر اڑ جائے اور ان کے پاس پہنچ جائے۔

''ارسلان نے مجھ پر اعتبار کیا تھا اپنے لئے اپنے بچوں کے لئے مجھے منتخب کیا تھا۔ انہیں میری صلاحیتوں پر میرے خلوص اور محبتوں پر یقین تھا، جبھی تو انہوں نے مجھ سے شادی کی ہے۔ کیا میں ان کا انتخاب غلط ثابت کروں گی اپنے اس رویئے سے؟ ان کا اعتبار اعتماد اور یقین توڑ دوں گی؟ مجھے دکھ پہنچا ہے کہ ابا اماں نے مجھ پر اعتماد نہیں کیا تو ارسلان کو تو زیادہ دکھ پہنچے گا، کیونکہ انہوں نے اماں ابا سے کچھ نہیں چھپایا تھا، چھوٹی چھوٹی باتیں کتنی بڑی بڑی پریشانیوں اور شرمندگیوں کا باعث بن جاتی ہیں۔ ان معصوم اور پیارے بچوں کا کیا قصور ہے؟ کیا میں انہیں ماں کا پیار نہیں دے سکتی؟ دے سکتی ہوں اور ضرور دوں گی، کسی کا اعتبار، اعتماد اور یقین نہیں توڑوں گی، اماں ابا نے میرا بھلا ہی سوچا ہو گا ناں، ارسلان نے تو جہیز کے نام پر ایک چیز بھی نہیں لی، ان کی محبت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو گا''۔ ایمن نے دل میں کہا اور بے چین ہو کر لاؤنج میں چلی آئی۔ ٹیلی فون سیٹ کی جانب دیکھا ریسیور اٹھایا اور پھر رات کے ساڑھے بارہ بجاتی وال کلاک پر نگاہ پڑی تو ریسیور کریڈل پر واپس رکھ دیا۔ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی، وہ ڈر کر اچھل پڑی۔

''ہیلو''۔ اس نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔

''السلام علیکم!'' دوسری جانب سے ارسلان کی نرم و شیریں آواز ابھری۔

''وعلیکم السلام! جی کون صاحب؟'' وہ ان کی آواز پہچان نہ سکی تھی۔

''ایمن ڈارلنگ! اپنے شوہر کی آواز بھی نہیں پہچانیں''۔ وہ مسکراتے لہجے میں بولے۔

''شوہر کا انداز پہچان لیا ہے یہ کیا کم ہے''۔ وہ خوشی سے ایکدم کھل اٹھی اور سنجیدگی سے بولی تو وہ ہنس کر بولے۔

"تمہارا غصہ کم نہیں ہوا ابھی تک؟"
"آپ سے کس نے کہا کہ میں غصے میں ہوں"۔
"تمہارے سنجیدہ لہجے نے، ویسے ابا بتا رہے تھے کہ ایمن کا غصہ چند منٹ کا ہوتا ہے گھر پہنچتے پہنچتے ختم بھی ہو گیا تھا، کیا صحیح کہہ رہے تھے وہ؟"
"میرے ابا صحیح کہتے ہیں ہمیشہ"۔
"تو جناب! یہ سزا اس ناچیز کو کس لئے دی جا رہی ہے۔ کہیں تمہیں اس بات پر غصہ تو نہیں ہے کہ تمہارے اماں ابا نے تمہاری شادی کسی کنوارے کے بجائے دو بچوں کے والد سے کیوں کر دی ہے؟" وہ دل کا خدشہ زبان پر لاتے ہوئے نرمی سے بولے۔
"جی نہیں"۔ وہ صاف گوئی سے بولی۔
"انہوں نے میرے لئے بہتر فیصلہ ہی کیا ہوگا اور آپ سے قدرت نے آپ کی بیوی واپس لے لی، اس میں آپ کا یا آپ کے بچوں کا تو کوئی قصور نہیں ہے اور کیا جن کی بیویاں مر جاتی ہیں وہ مرد دوسری شادی نہیں کرتے ہیں اور بچوں سے اگر ایک ماں کا سایہ چھن جائے تو بڑے دوسری ماں کا سایہ انہیں فراہم کرنے کی کوشش کیا ہی کرتے ہیں۔ کسی ایک فرد کے چلے جانے سے انسان ساری زندگی تنہا تو نہیں گزار سکتا ناں۔ بچوں اور بڑوں کو بھی کو ہمارے ساتھ اور محبت کی اپنائیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ نے اگر اس خیال سے دوسری شادی کر لی ہے تو کوئی جرم نہیں کیا، یہ آپ کا حق تھا اور قانون اور شرع بھی آپ کو اس کی اجازت دیتے ہیں پھر بھلا میں اس بات پر غصہ یا اعتراض کرنے والی کون ہوتی ہوں؟"
"تم میری بہت ہی پیاری اور سمجھدار بیوی ہوتی ہو"۔ وہ محبت سے خوشی سے لبریز لہجے میں بولے۔
"تمہارے خیالات جان کر مجھے اپنی پسند پر اپنی محبت پر رشک آ رہا ہے، تم واقعی بہت مختلف مزاج رکھنے والی لڑکی ہو ایسے ہی تو نہیں ہماری نظر الفت نظر انتخاب آپ پر ٹھہری تھی، اب یہ بتاؤ گھر کب آ رہی ہو؟"
"جب میرا دل چاہے گا"۔ وہ خوشی سے شوخ ہو کر بولی۔
"اپنے دل سے کہو ایسے ظالمانہ اور انتظار سے بھرپور فیصلے نہ کرے۔ ایمان سے چار دن اور چار راتیں تمہارے بغیر گزارنا کسی عذاب سے کم نہیں رہا"۔
"آپ سوئے کیوں نہیں اب تک؟" اس نے ہنس کر پوچھا۔
"تیری قربت میں جو گزری تھیں راتیں میری
ان کی یادیں او ستمگر مجھے سونے نہیں دیتیں"
انہوں نے بہت جذب سے یہ شعر پڑھا تو وہ شرما کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"یہ ہنسی کے جلترنگ یہ حیا کے سارے رنگ تمہیں بٹھا کے اپنے سنگ میں سننا اور دیکھنا چاہتا ہوں، اس لئے آ رہا ہوں تمہیں لینے کے لئے تیار ہو جاؤ"۔ وہ دیوانگی کی حد کو چھو رہے تھے، لہجے میں اس سے ملنے کی تڑپ مچل رہی تھی، جذبات سے مغلوب آواز میں بولے تو حیا سے اس کا چہرہ اور بھی حسین ہو گیا۔
"نہیں ارسلان! ابھی نہیں پلیز گھر والے کیا سوچیں گے رات کا ایک بج رہا ہے"۔ اس نے گھبرا کر کہا تو وہ نرمی سے بولے۔
"مجھے رات کے ایک سے اور تمہارے گھر والوں سے نہیں تم سے مطلب ہے"۔
"ارسلان پلیز! میری بات مان لیں ناں"۔ اس نے پیار سے کہا۔
"او کے مائی ڈیئر، گھر آؤ گی تو بدلہ لوں گا اس ستم ظریفی کا بے جرم سزا دے رہی ہو مجھے"۔

انہوں نے ہار مان کر کہا تو وہ خوشدلی سے شرارت سے ہنس دی۔

''بائی دی وے یہ آپ اس وقت تک کیوں جاگ رہی ہیں کہیں آپ بھی تو ہمارے سنگ گزرے رنجگوں کے حصار میں قید تو نہیں ہیں''۔ انہوں نے شوخ لہجے میں پوچھا تو وہ حیا سے مسکرانے لگی، بات تو ایسی ہی تھی اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا، جیسے وہ اسے دیکھ ہی تو رہے ہوں گے۔

''ایمن... '' وہ خاموشی سے تنگ آکر بولے۔

''جی''۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

''شکر ہے موجود ہو میں سمجھا فون بند کر دیا ہے، تو آپ شرما رہی ہیں، ہیں ناں؟''

''میں فون بند کر رہی ہوں''۔ اس نے حجاب آمیز لہجے میں کہا۔

''خبردار جو فون بند کیا، کم از کم رات تو کچھ چین سے گزرنے دو آفت لڑکی''۔ وہ تیزی سے بولے تو اس نے ہنس کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ انہوں نے ناراض نظروں سے ریسیور کو دیکھا اور کریڈل پر پٹخ دیا اور وہ ان سے بات کر کے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔

☆............☆............☆

اگلے دن ثمن اپنے میاں کے ساتھ آ گئی تھی اس لئے وہ گھر نہ جا سکی۔ اگلی صبح وہ ناشتے سے فارغ ہو کر جانا چاہ رہی تھی کہ اماں نے ہی اسے ڈانٹ دیا۔

''ایمن! آخر تم چاہتی کیا ہو، یوں کب تک میکے بیٹھی رہو گی، آنے جانے والے سو طرح کے سوال پوچھتے ہیں کہ بیٹی ایک ہفتے سے گھر بیٹھی کیا کر رہی ہے، شادی کے ایک ہفتے بعد ہی لڑ جھگڑ کر آ گئی ہے کیا، ایمن! لڑکی شادی کے بعد میکے میں بیٹھی اچھی نہیں لگتی، اپنے شوہر کے گھر ہی بجتی ہے''۔

''اماں! لگتا ہے کہ آپ تو مجھے بوجھ ہی سمجھ رہی تھیں، شادی کے بعد اس گھر پر اگر میرا حق ختم ہو گیا ہے تو ٹھیک ہے نہیں آؤں گی آئندہ آپ کے گھر''۔ وہ ایکدم سے غصے میں آ کر بولی اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔

''بیگم صاحبہ! کیوں آپ بچی کو تنگ کر رہی ہیں، دو چار دن رہنے دیں اسے یہاں، چلی جائے گی اپنے گھر، اس طرح مت ڈانٹیں سب سے چھوٹی بیٹی ہے وہ ہماری''۔ ابا نے اخبار سے نظریں ہٹا کر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''مگر بہت جذباتی ہے دیکھا آپ نے ذرا سی بات پر اٹھ کر چلی گئی''۔ اماں نے کہا۔

''آپ بھی تو یہی چاہتی تھیں کہ وہ چلی جائے''۔ ابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ اپنے کمرے میں گئی ہے اپنے گھر نہیں گئی''۔

''وہ اپنے گھر ہی گئی ہے ہماری بے خبر زوجہ محترمہ''۔ ابا نے ہنس کر کہا۔

تو وہ اس کے کمرے کی طرف گئیں، وہ واقعی پچھلے دروازے سے جا چکی تھی۔ اب انہیں اس کے ناراض ہو کر جانے پر دکھ ہونے لگا۔ آخر ماں جو تھیں۔

''چلو گھر جا کر منا لوں گی، میاں کے گھر خیر سے پہنچ جائے''۔ انہوں نے دل میں کہا۔

☆............☆............☆

پانچ دن بعد اس نے ارسلان ولا میں قدم رکھا تھا۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اندر کا منظر اسے تاؤ دلانے کے لئے کافی تھا۔ ایک تو وہ پہلے ہی غصے میں بھری ہوئی آئی تھی، اوپر سے یہاں جو نمک حلالی ہو رہی تھی وہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ بچوں کی آیا ڈش پر انڈین فلم دیکھ رہی تھی اور بچے رو رہے تھے۔ صومی منہ سے بار بار فیڈر نکال کر پھینک رہی تھی، نومی آیا کو روتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جو اس کے چھینے کے سبب اور کیلے ہڑپ کر رہی تھی اور ساتھ

ساتھ فلم دیکھ رہی تھی۔
''ایمن...'' ارسلان جو بچوں کے خیال سے آفس سے آئے تھے اسے دروازے میں کھڑا دیکھ کر زیرلب پکارا پھر کچھ سوچ کر ایک سائیڈ پر کھڑے ہو گئے۔
''یہ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے تم نے؟'' ایمن غصے سے بولتی اندر داخل ہوئی تو آیا کے ہاتھ سے سیب چھوٹ کر گر گیا اور وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔
''س س سلام بیگم صاحبہ!'' اس نے بوکھلاتے ہوئے سلام جھاڑا۔
''وعلیکم السلام! نسرین بی بی یہ سب کیا ہو رہا ہے، بچے رو رہے ہیں بھوک سے بلک رہے ہیں اور تم مزے سے کھانے پینے اور فلم دیکھنے میں مگن ہو''۔
''نن نہیں بیگم صاحبہ جی! میں تو بچوں کو کھلا رہی تھی''۔ آیا نے ہکلا کر کہا۔
''کھلا رہی تھیں یا رُلا رہی تھیں''۔ ایمن غصے سے دھاڑی، وہ نادم ہو گئی۔
''ماما!'' تومی روتا ہوا اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔
''تومی میرا بیٹا!'' ایمن نے تڑپ کر بے قرار ہو کر اسے اٹھایا اور اس کا گلابی گال چوم لیا۔
''صومی آجاؤ جانی ماما کے پاس''۔ اس نے صومی کو بھی اپنی گود میں اٹھایا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ دونوں کے آنسو صاف کیے، انہیں خوب پیار کیا اور دروازے کی اوٹ میں کھڑے ارسلان کی حیرت اور خوشی اپنے عروج پر تھی، انہیں ایمن پر ٹوٹ کر پیار آیا۔
''ماما بھوک لگی ہے، آیا خود دودھ پی گئی ہمیں نہیں دیا''۔ تومی نے ہچکی لے کر بتایا۔
''کیوں آیا بی بی! تمہیں یہاں بچوں کی دیکھ بھال کے لئے رکھا گیا ہے یا ان کے منہ سے نوالہ چھیننے کے لئے''۔ ایمن نے غصیلے لہجے میں کہا۔
''وہ جی جی!''
''کیا وہ جی وہ جی کی رٹ لگا رکھی ہے، یہ فیڈر دیکھ رہی ہو دودھ الگ اور پانی الگ ہے، خراب دودھ تم بچی کو زبردستی پلانے پر تلی ہوئی تھیں، یہ بھی شاید رات سے فیڈر میں بنا کر رکھا ہوگا، اب تک خراب ہو چکا ہے مگر تمہیں فلم دیکھنے سے فرصت ملے تو فیڈر کو دیکھو ناں، تمہیں تنخواہ کس بات کی ملتی ہے بچوں کو رُلانے اور بھوکا پیاسا رکھنے کی، شرم نہیں آتی تمہیں چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کے حصے کا دودھ تک پی جاتی ہو اور یہ خراب دودھ یہ پی کر دکھاؤ ذرا''۔ ایمن نے فیڈر اٹھا کر آیا کی طرف پھینک دیا، اس نے سٹپٹا کر فیڈر پکڑا ورنہ اس کے منہ پر لگ جاتا، ایمن کا غصہ انتہا پر تھا۔
''یہ تو جی ابھی خراب ہوا ہے''۔ وہ مسکین صورت بنا کر بولی۔
''تو تم کس مرض کی دوا ہو، بدل نہیں سکتی تھیں، خراب دودھ پینے سے کیسی کیسی بیماریاں لگ سکتی ہیں بچوں کو کچھ احساس ہے تمہیں، اپنے بچوں کو یہ دودھ پلاؤ تم، پیو یہ دودھ کھولو فیڈر پیو یہ دودھ اور پلاؤ اپنے بچوں کو''۔
''جی بیگم صاحبہ! معاف کر دیں جی''۔ آیا نے پریشانی سے گھبراہٹ سے کہا۔
''تم سمجھ رہی ہو گی کہ یہاں کوئی تمہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے تو تم اپنی مرضی سے جو چاہو گی کرو گی، بہت عیش کر لئے نسرین بی بی! اب یہ نمک حرامی نہیں چلے گی یہاں، سمجھیں تم''۔ ایمن نے غصیلے اور سخت لہجے میں کہا، بچے اس سے لپٹے ہوئے تھے۔
''جی بیگم صاحبہ!''
''نیا فیڈر بنا کر لاؤ اور بند کرو یہ ٹی وی، اس قسم کی بیہودہ چیزیں دیکھنا ہوں تو اپنے گھر میں اپنے بچوں کو پاس بٹھا کر دیکھنا، اپنے ساتھ ساتھ ان کا اخلاق اور احساس بھی ختم کرنا، میں

کچھ نہیں کہوں گی مگر آئندہ میرے گھر میں میرے بچوں کے سامنے ایسی بے ہودہ فلمیں چلانے کی غلطی مت کرنا"۔

"فلمیں دیکھنے کے لئے ہی تو چلاتے ہیں جی وہ لوگ اور یہ تو نومی صاحب نے ضد کر کے چلوائی تھی"۔ آپا نسرین نے ڈھٹائی سے کہا تو ایمن کو مزید غصہ آ گیا۔

"جھوٹ مت بولو نسرین"۔ وہ غصے سے چلائی۔

"نومی صاحب اتنے بڑے ہو گئے کہ تم سے ایسی فلمیں چلانے کی فرمائش کریں گے، شرم کرو معصوم بچوں پر الزام لگا رہی ہو، یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تمہارا اپنا دل چاہ رہا تھا یہ بے ہودگی دیکھنے کو، تمہاری اپنی سمجھ بوجھ ختم ہو گئی ہے ورنہ ڈش پر دیکھنے کے مناسب اور شائستہ پروگرام بھی ہیں، اپنی یہ خواہش اور شوق اپنے گھر کی حدود میں پورے کیا کرو، آئندہ اگر میں نے تمہیں یہ اخلاق سوز پروگرام اس اہتمام سے دیکھتے پایا تو اچھا نہیں ہوگا، اپنے بچوں کا بہت خیال ہے تمہیں دوسروں کے بچوں کی صحت اور اخلاق بگاڑنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے تم نے اور تم جیسوں نے، بچے پیدا ہوئے اور بٹھا دیا ڈش کے سامنے یہ تربیت کی جا رہی ہے نئی نسل کی، بند کرو یہ بکواس اور دفع ہو جاؤ یہاں سے"۔

"بیگم صاحبہ! معاف کر دیں جی آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی"۔ نسرین نے کانپتی آواز میں کہا، اسے اپنی ملازمت جاتی نظر آ رہی تھی۔

"آئندہ میں تمہیں ایسی غلطی کرنے بھی نہیں دوں گی، یہاں کام کرنا ہے تو ایمانداری سے نیک نیتی سے کرو ورنہ اپنا راستہ ناپو، تمہارے لئے نوکریاں بہت ہمارے لئے ملازم بہت، مگر نمک حرام ملازم کی کوئی جگہ نہیں ہے اس گھر میں"۔

"جی بیگم صاحبہ!" وہ شرمساری کچن کی طرف بھاگ گئی۔

"ملازم ملنا اتنا آسان نہیں ہے ایمن بی بی جتنا آسان تم سمجھ رہی ہو"۔ یہ ارسلان کی پھپھو تھیں جو مہینہ بھر سے ان کے گھر ٹھہری ہوئی تھیں، نسرین کے جاتے ہی اس کے سامنے طنزیہ انداز میں بولیں تو ایمن نے کیلا چھیل کر صومی کو کھلاتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔

"اتنا مشکل بھی نہیں ہے اور میں خود اپنے بچوں کے کام کر سکتی ہوں"۔

"تم تو ارسلان سے جھگڑ کر چلی گئی تھیں، اب کیوں چلی آئیں اور آتے ہی ملازم پر رعب جھاڑنا شروع کر دیا جیسے تم ہی تو مالکن ہو اس گھر کی"۔

"ہاں تو کیا نہیں ہوں میں مالکن اس گھر کی"۔ اس نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ... مالکن، ارے تم جیسی ہزار ملازمائیں خرید سکتا ہے ارسلان"۔ پھپھو نے طنز سے کہا۔

"مجھے اس گھر کی چاکری بھی قبول ہے کہ یہ میرے شوہر کا گھر ہے"۔

ایمن کے اس جواب نے دروازے کے قریب کھڑے ارسلان کی روح تک کو سرشار کر دیا۔

"بشیر، بشیر بچوں کے لئے دودھ اور فرنی لے کر آؤ"۔ ایمن نے خانساماں کو آواز دے کر کہا اور بچوں کو پیار کرنے لگی، بشیر فوراً ہی دودھ کا کپ اور فرنی لے آیا۔

"ماما! آپا مجھے کسٹرڈ نہیں کھلاتی خود کھا جاتی ہے سارا"۔ نومی نے بتایا۔

"بہت بری ہے آپا، ابھی آپ یہ کھائیں شام کو میں خود اپنے بیٹے کے لئے کسٹرڈ بناؤں گی، اس میں کیک اور کیلے مکس کر کے اپنے بچوں کو کھلاؤں گی"۔ اس نے نومی کا ماتھا چوم کر پیار سے کہا تو وہ خوش ہو کر بولا۔

"سچ ماما..."

"جی ماما کی جان!" اس نے اس کے سر پر بوسہ

دیا، وہ خوشی خوشی فرنی کھانے لگا، صومی کو وہ اپنے ہاتھ سے کھلانے لگی۔

''نومی اور صومی تمہارے بچے کب سے ہو گئے؟'' پھپھو نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

''تب سے جب سے ان کے پاپا نے مجھ سے شادی کی ہے''۔ اس کا اطمینان دیدنی تھا۔

''تم کیا سمجھ رہی ہو کہ بچوں سے محبت جتا کر تم ارسلان کے دل میں جگہ بنا لو گی، اگر ایسا ہے تو اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو ارسلان تم سے محبت نہیں کر سکتا، اسے صرف اپنے بچوں کے لئے پڑھی لکھی آیا چاہئے تھی، جو کہ مل گئی ہے۔ ان بچوں کی وجہ سے ہی تم جھگڑ کر اپنے اماں باوا کے گھر چلی گئی تھیں ناں اب کیوں لوٹ آئیں؟ کہیں ارسلان کے ذریعے ہاتھ آئی دولت کے جانے کے ڈر سے تو نہیں لوٹ آئیں؟''

''صومی کو نیند آ رہی ہے، سو جائیں''۔ اس نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ صومی کو اپنے ساتھ لپٹا کر تھپکنے لگی۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا''۔ پھپھو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''فضول باتوں کا جواب دینا مجھے پسند نہیں ہے دوسرا یہ کہ میں اپنے غصے سے اچھی طرح واقف ہوں، جانتی ہوں کہ میرا غصہ آپ کے حق میں بہتر نہیں ہو گا۔ رہی بات جھگڑے کی تو ارسلان سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ آپ بھی تو یہاں مہینے بھر سے بیٹھی ہیں آپ کے گھر والے بیزار تو نہیں ہو گئے آپ سے''۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''میرے منہ مت لگو لڑکی! جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اس گھر میں آئے اور لگی ہو حق جتانے۔ ارے دیکھوں گی میں کہ کیسے بستی ہو تم اس گھر میں، بڑی آئیں بچوں کی ماں بن کر۔ میں سب سمجھتی ہوں یہ سارا چکر تم ارسلان کی دولت ہتھیانے کے لئے چلا رہی ہو، نجانے کہاں مل گئی تھیں اسے''۔ پھپھو کا زہریلا لہجہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہو رہا تھا، وہ بچوں کو لے کر بیڈ روم میں چلی گئی۔

ارسلان کو پھپھو کے رویئے پر شدید صدمہ پہنچا انہوں نے اُن کی بیٹی سے شادی سے انکار کر دیا تھا، پھپھو اسی کا بدلہ لے رہی تھیں ان سے۔ انہیں ایمن کا یہ روپ یہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔ آیا کی لاپرواہی اور بے حسی پر غصہ بھی آیا مگر ایمن نے جس انداز میں آیا کو لتاڑا تھا ان کا غصہ دور ہو گیا تھا۔ انہیں بہت خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ انہیں اچھی بیوی اور ان کے بچوں کو سمجھدار اور محبت کرنے والی ماں مل گئی ہے۔ وہ ایمن کے شکر گزار تھے، ایمن کو انہوں نے بک فیئر میں اپیا کی نند کے ساتھ دیکھا تھا۔ اپیا کی نند ایمن کی بیسٹ فرینڈ تھی، اسی کے ذریعے انہوں نے ایمن کا ایڈریس معلوم کیا تھا اور اپیا کو پرپوزل دے کر بھیجا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی، پھپھو اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں، ارسلان خود ہی اندر چلے آئے اور فون ریسیو کیا۔ دوسری جانب ایمن کی اماں بول رہی تھیں۔

''السلام علیکم اماں! کیسی ہیں آپ؟ جی ارے نہیں اماں ایمن خیریت سے یہاں پہنچ گئی ہے اور بچوں کو سلا رہی ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ جی، میں سمجھتا ہوں اس کا غصہ پل بھر کا ہوتا ہے۔ جی اماں! نہیں اماں! میں کیوں ناراض ہوؤں گا اس سے بلکہ میں تو اس کا شکر گزار ہوں کہ اس نے میرے گھر کو صحیح معنوں میں گھر بنانے کا ثبوت پیش کر دیا ہے۔ جی میں لاؤں گا اسے بچوں کے ساتھ۔ ارے نہیں میری بات وہ مان لے گی وہ ناراض ہونے والی تو نہیں ہے ناں، او کے اللہ حافظ''۔ ارسلان نے فون بند کر دیا اور

بیڈروم کے بند دروازے کی جانب دیکھ کر مسکرا دیئے۔

''ارسلان بیٹا تم کب آئے؟'' پھپھو سیب کھاتی ہوئی کمرے سے نکلیں تو انہیں دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹک گئیں مگر فوراً ہی سنبھل کر پوچھا۔

''ابھی آیا ہوں''۔ وہ ٹائی کی ناٹ کھولتے ہوئے بولے۔

''وہ بھی آ گئی ہے''۔ پھپھو کا اشارہ ایمن کی طرف تھا، وہ سمجھ کر بھی انجان بن گئے۔

''وہ کون پھپھو؟''

''وہی ایمن بی بی! تمہاری دولت کا چکر ہے سب تومی اور صومی سے ایسے پیار جتا رہی تھی جیسے وہ اسی کے بچے ہوں۔ ارسلان بیٹا! ایسی لڑکیوں کا کچھ بھروسہ نہیں ہوتا انہیں صرف دولت سے غرض ہوتی ہے۔ اب دیکھو ناں تمہارے بچوں کے ہونے کا انکشاف ہوتے ہی کیسے لڑ جھگڑ کر میکے جا بیٹھی تھی۔ اب خود ہی بے شرموں کی طرح چلی آئی۔ اماں ابا نے کہا ہوگا کہ اس طرح تو ارسلان سے شادی کرنے کا مقصد پورا نہیں ہوگا تمہیں مٹھی میں کرنے کے لئے تمہارے بچوں پر ممتا نچھاور کر رہی تھی۔ تم ہرگز ہرگز ایمن کا اعتبار مت کرنا اور پیار کے قابل تو وہ ہے ہی نہیں۔ بچوں کو بھی اس سے دور رکھنا، بچے تو پیار کو ترسے ہوئے ہیں ذرا سا پیار ملنے پر اس کی طرف ہو جائیں گے اور وہ اول درجے کی چالباز ہے محبت کا فریب دے کر تمہارا سب کچھ ہتھیا لے گی''۔

''میرا سب کچھ تو وہ پہلے ہی ہتھیا چکی ہے''۔ وہ معنی خیز لہجے میں بولے۔

''آئے ہائے کیا کچھ ہتھیا لیا تم فوراً بہانے سے واپس اپنے نام کرالو''۔ پھپھو نے حیران ہو کر نہ سمجھتے ہوئے تیزی سے کہا۔

''آپ بے فکر رہیں پھپھو! میں کوئی بچہ نہیں ہوں کہ اس چھوٹی سی بچی کی باتوں میں آ جاؤں گا، میں سمجھتا ہوں اس کے مزاج کو''۔ ارسلان نے سنجیدہ لہجے میں کہا، اچانک ہی ان کی نگاہ پردے پر پڑی نیچے سے انہیں ایمن کے پاؤں دکھائی دیئے تھے، وہ فوراً ہی واپس پلٹ گئی۔ انہیں بے حد دکھ ہوا کہ پھپھو نے اس کے خلاف جو باتیں کہیں وہ اس نے سن لی ہیں۔

''اچھا میں چلتی ہوں تمہاری بیوی کو میرا یہاں رہنا کھٹک رہا ہے اور بیٹا! اپنی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے، وہ تو آتے ہی جھاڑ کی طرح نسرین کے سر ہو گئی اور پھر مجھے اس گھر سے نکل جانے کا آرڈر کر دیا۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہارے لئے کوئی پریشانی کھڑی ہو جائے، بس تم اس سے ہوشیار رہنا یہ کم عمر لڑکیاں اداؤں سے دل جیتنے کی کرتی ہیں''۔ پھپھو نے چادر اوڑھ کر تیزی سے کہا تو وہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولے۔

''پھپھو! میں کون سا بوڑھا ہو گیا ہوں، اکتیس برس کا ہوں اور ایمن میری بیوی ہے اس کا حق ہے مجھ پر اس گھر پر، اور میں اس کے ساتھ ہی گھر آیا تھا آپ نے اس سے جو کچھ کہا میں نے بہت صبر اور تحمل سے سنا ہے، پلیز آئندہ مجھے میری بیوی سے بدگمان کرنے کی کوشش مت کیجئے گا''۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ان کے تو پسینے چھوٹ گئے ان کی بات سن کر۔

''صحیح کہہ رہا ہوں آپ غلط کہہ رہی تھیں میں امن پسند اور صلح جو قسم کا بندہ ہوں، ایسی سازشوں سے مرعوب ہونے والا نہیں ہوں۔ بہتر ہوگا کہ آپ میرے ضبط اور ظرف کو نہ آزمائیں، میں رشتوں کا احترام برقرار رکھنا چاہتا ہوں اور آپ سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں، آپ بڑی ہیں اس لئے آپ کو زیادہ بڑے پن کا مظاہرہ کرنا چاہئے نہ کہ... میرا خیال ہے کہ آپ میری بات کا مطلب سمجھ گئی

ہیں''۔ ارسلان نے نرم لہجے میں کہا تو وہ بغلیں جھانکنے لگیں اور چند لمحوں بعد جانے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔

''اچھا اللہ حافظ''۔

''اللہ حافظ''۔ ارسلان نے سنجیدگی سے جواب دیا، وہ ان سے نظریں ملانے کی پوزیشن میں نہیں تھیں فوراً باہر نکل گئیں۔

''پھپھو! آپ ایک فتنہ پرداز خاتون ہیں میرے گھر میں بھی بدگمانی کی چنگاریاں پھینک کر جا رہی تھیں مگر صد شکر ہے کہ یہاں سوکھی گھاس نہیں ہے محبت اور اعتبار کی شبنم میں بھیگے گلاب جذبے ہیں، جن کی مہک ہمیشہ پھیلتی رہے گی''۔ ارسلان نے دل میں کہا اور گہرا سانس لے کر بیڈ روم میں چلے آئے۔

دونوں بچے بیڈ پر محو خواب تھے اور ایمن دریچے کا پردہ ہٹائے دریچے کے پٹ سے سر ٹکائے باہر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ ارسلان نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور بچوں کو پیار کر کے ٹائی اتار کر بیڈ پر رکھ دی۔ ایمن آہٹ محسوس ہونے پر بھی پشت موڑے کھڑی رہی وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب چلے آئے اور مسکراتے لہجے میں بولے۔

''ایمن ڈیئر! آنے سے پہلے فون ہی کر دیا ہوتا میں خود تمہارے استقبال کے لئے پھولوں کے ہاتھ لئے گیٹ پر موجود رہتا، یوں اچانک چلی آئیں''۔

''میں اچانک ہی تو چلی آئی تھی آپ کی زندگی میں''۔ اس نے اسی پوزیشن میں رہتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں اور اچانک رونما ہونے والی تبدیلی بھی کبھی کبھی کتنی خوشگوار ہوتی ہے، ہے ناں''۔

''ارے اتنی بے یقینی کیوں بھئی؟ ادھر جناب نے یہ رخ زیبا کیوں چھپا رکھا ہے ہم سے پانچ دن کم نہیں ہیں کیا نظروں سے اوجھل رہنے کو، ہوں، ادھر دیکھو، ارے... ''ارسلان نے محبت سے نرمی سے کہا اور آگے بڑھ کر اسے شانوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا تو اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔

''ایمن... یہ آنسو''۔ انہوں نے اس کے آنسو انگلیوں پر چنے۔

''یہ آنسو تو نہیں ہیں''۔ اس نے جلدی سے بچوں کی طرح رخسار صاف کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں یہ تو امرت دھارے ہیں؟'' وہ بہت بے چین ہو کر قدرے خفگی سے بولے۔

''یہ لے لیجئے''۔ ایمن نے ہاتھ میں پکڑی فائل انہیں دیتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا، یہ تو وہی فائل ہے جس میں اس بنگلے کے کاغذات موجود ہیں جو میں نے تمہیں رونمائی میں گفٹ کئے تھے، مجھے کیوں دے رہی ہو؟''

''مجھے نہیں چاہئے یہ بنگلہ''۔

''کیوں پسند نہیں آیا؟''

''ایسی بات نہیں ہے، تحفہ ناپسند تو نہیں کیا جاتا''۔ اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''مگر تحفہ واپس بھی تو نہیں کیا جاتا''۔ انہوں نے فائل میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''مگر میں اس تحفے کے لائق نہیں ہوں''۔

''کس نے کہا تم سے، ہاں؟'' انہوں نے اسے شانوں سے تھام کر پوچھا۔

''مجھے پتا ہے''۔

''کسی بات کا صحیح پتا بھی ہے تمہیں''۔ انہوں نے اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور تم اماں کو خدا حافظ کہے بغیر یہاں چلی

آئیں، وہ پریشان ہو رہی تھیں"۔
"کیوں میں میکے سے میاں کے گھر آئی ہوں اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے اور پلیز آپ مجھ سے ابھی بات مت کریں کیونکہ مجھے شدید غصہ آ رہا ہے، غصے میں کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نکل گئی تو آپ ہی کہیں گے کہ کیسی بدتمیز اور سر پھری لڑکی سے شادی کرلی ہے"۔
"یہ تو میں اب بھی کہتا ہوں"۔ وہ شرارت سے بولے۔
"کیا؟" وہ چیخ اٹھی۔
"میں بدتمیز ہوں"۔
"میں نے کب کہا تم خود ہی اپنی خوبیاں گنوا رہی ہو"۔ وہ ہنستے ہوئے بولے۔
"آپ اتنی جلدی گھر کیسے آگئے؟" اس نے رخ پھیر کر اپنے آنسو چھپاتے ہوئے پوچھا۔
"بچوں کے خیال سے اور تمہیں گھر لانے کے خیال سے"۔
"مجھے گھر لانے کا خیال اب آیا ہے آپ کو جب میں خود ہی گھر آگئی ہوں"۔ وہ خفگی سے بولی۔
"تم نے خود گھر آکر میرا دل جیت لیا ہے، مجھے بہت خوشی ہے ایمن! کہ میرا انتخاب بہت بہترین ہی نہیں دلنشین بھی ہے، اور تم جب گھر آئی تھیں میں بھی اسی وقت آگیا تھا، تمہارا بچوں کے ساتھ حسن سلوک اور آیا کے ساتھ درشت رویہ دیکھ کر یقین کرو میں تو خوشی سے پاگل ہونے والا تھا"۔ وہ مسکراتے ہوئے بتا رہے تھے۔
"تو ہو گئے ہوتے پاگل"۔ اس نے خفگی سے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔
"اوہ آپ تو واقعی ہو گئے"۔ اس نے کمال معصومیت سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔
"ایمن! یوناٹی گرل، کم ہیئر"۔ انہوں نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب کیا۔
"ناراض تو مجھے تم سے ہونا چاہئے تھا، تم میرا قصور نہ ہونے کے باوجود مجھ سے خفا ہو کر میکے چلی گئیں اور فون بھی نہیں کیا اور جب میں نے فون کیا اور رات بات کرنے اور فون بند نہ کرنے کا کہا تو تم نے فون بند کر دیا، اگلے دن میں تمہارے آنے کا تمہارے فون کا انتظار کرتا رہا مگر منہ کی کھانا پڑی، اب جب آگئی ہو تو یوں اجنبی بن رہی ہو کہ تم کو سزا دینے کو دل چاہ رہا ہے"۔
"تو دے لیں سزا مجھے"۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی۔
"شاباش لڑکی! سزا میں نے دینی تھی مگر الٹا تم مجھے سزا دے رہی ہو"۔ انہوں نے بے قراری سے اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے تو اس نے روتے ہوئے آنکھوں میں حیرت لئے انہیں دیکھا، کتنی محبت اور اپنائیت تھی ان کی آنکھوں میں لہجے میں انداز میں۔
"یہ کاغذات سنبھال کر رکھو میں تو اپنی ایک فیکٹری بھی تمہارے نام کرنے والا ہوں، تمام ضروری کارروائی ہو چکی ہے صرف تمہارے سائن ہونا باقی ہیں"۔ انہوں نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں کہا تو وہ روتے ہوئے بولی۔
"مجھے نہیں کرنے سائن اور نہ ہی آپ کی فیکٹری چاہئے"۔
"تم لاکھ نہ نہ کرو مگر میرا یہ سب کچھ تمہارا بھی ہے، سمجھیں"۔
"نہیں مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہئے"۔
"کچھ بھی نہیں"۔ انہوں نے حیرانگی سے اس کے چہرے کو دیکھا، وہ سمجھ تو رہے تھے کہ پھپھو کی باتوں نے اسے ہرٹ کیا ہے مگر وہ اپنی محبت کا یقین اسے دینا چاہتے تھے۔
"صرف آپ کا اعتبار چاہئے"۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔

"صرف اعتبار اور پیار، وہ نہیں چاہئے کیا؟"
انہوں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر پوچھا۔
"میں تو شاید آپ کے اعتبار اور پیار دونوں کے قابل نہیں ہوں"۔ اسے پھپھو کی بات اندر ہی اندر کاٹ رہی تھی، وہ تاسف سے سر ہلا کر بولے۔
"کس نے کہا یہ تم سے؟"
"بس مجھے معلوم ہے"۔
"اپنی معلومات درست کرلو لڑکی!" انہوں نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی تو اس نے حیران ہو کر ان کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تو انہوں نے اسے صوفے پر بٹھا کر نرمی سے کہا۔
"ایمن! مجھے معلوم ہے کہ تمہیں پھپھو کی باتوں نے بہت ہرٹ کیا ہے، میں نے ان کی بیٹی سے شادی نہیں کی ناں اس لئے وہ اس قسم کی باتیں کر رہی تھیں، تم دل پر نہ لو۔ میں نے انہیں سمجھا دیا ہے آئندہ وہ کچھ کہنے سے پہلے سوچیں گی ضرور اور رہی بات اعتبار اور پیار کی تو اس کی حقدار تو تم اسی لمحے ٹھہر گئیں جس لمحے تم نے میری آنکھوں کے ذریعے سے دل پر قبضہ جمایا تھا، مجھے تم پر مکمل بھروسہ اور اعتبار ہے"۔
"اور وہ آپ کی پھپھو؟"
"ارے ان سے ہمیں کیا لینا دینا"۔ انہوں نے اس کے گرد اپنے بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔
"ایمن! ایک بات اپنے ذہن میں نقش کرلو کہ میرا اعتبار تم ہو، اعتبار کے بغیر یہ رشتہ پائیدار نہیں ہو سکتا، ہمیں ایک دوسرے پر اعتبار کرنا ہے کوئی کیا کہتا ہے اس سے ہمیں بدگمان ہونے یا ایک دوسرے سے ناراض ہونے کی حماقت نہیں کرنی، اگر کوئی بات ہمارے لئے پریشانی کا باعث بن بھی جائے تو ہمیں ایک دوسرے سے بات کر کے کلیئر کرنی ہے، دل میں شک کا بیج نہیں بونا، تمہیں مجھ پر اعتبار کرنا ہوگا اور مجھے تم پر اور میری جان! محبت کے لئے اعتبار پہلی شرط ہوتا ہے"۔
"کون سی محبت کے لئے؟" وہ شرارت سے بولی۔
"بتاؤں کون سی محبت کے لئے؟" وہ پیار سے اس دیکھتے ہوئے شرارت سے بولے۔
"نہیں مجھے پتا ہے سب معلوم ہے مجھے"۔ وہ ان کی پیش قدمی سے نروس ہو کر اٹھتے ہوئے بولی تو انہوں نے فوراً اپنی گرفت مضبوط کر کے اسے بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔
"نہیں تمہیں کچھ نہیں پتا، کچھ معلوم نہیں ہے تمہیں، تمہاری معلومات انتہائی ناقص ہیں"۔
"کیا مطلب؟" اس نے اُن کے چہرے کو دیکھا اور فوراً نظریں جھکالیں وہ دیکھ ہی اتنی شریر نظروں سے رہے تھے کہ اس کا دل اتھل پتھل ہونے لگا۔
"مطلب ہی تو سمجھانا چاہ رہا ہوں تمہیں تاکہ تمہیں آئندہ کوئی شک نہ رہے کہ تم میرے پیار اور اعتبار کے قابل نہیں ہو"۔
"میں سمجھ گئی ہوں"۔ اس نے پھر بھاگنے کی کوشش کی مگر راہ محبت میں فرار ممکن نہیں ہوتا، سو وہ بھی ان کی محبت کے حصار میں پھنس کر رہ گئی۔
"اب بھاگ کر کہاں جاؤ گی چاروں جانب میری محبت کا میرے پیار اور اعتبار کا حصار بچھا ہے، جال بچھا ہے، اب بھی یقین نہیں کرو گی"۔ ارسلان نے محبت اور شرارت سے اس کے گرد گھیر اتنگ کرتے ہوئے کہا تو اس نے شرما کر ان کے سینے میں منہ چھپا لیا، اس کے یقین اور اعتبار کے اس خوبصورت اعتراف پر خوشدلی سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ ان کی روح تو سرشار و شاداں تھی ہی ایمن بھی ان کے پیار اور اعتبار کے حصار میں کھو کر سرشار ہوگئی تھی۔

☆............☆............☆

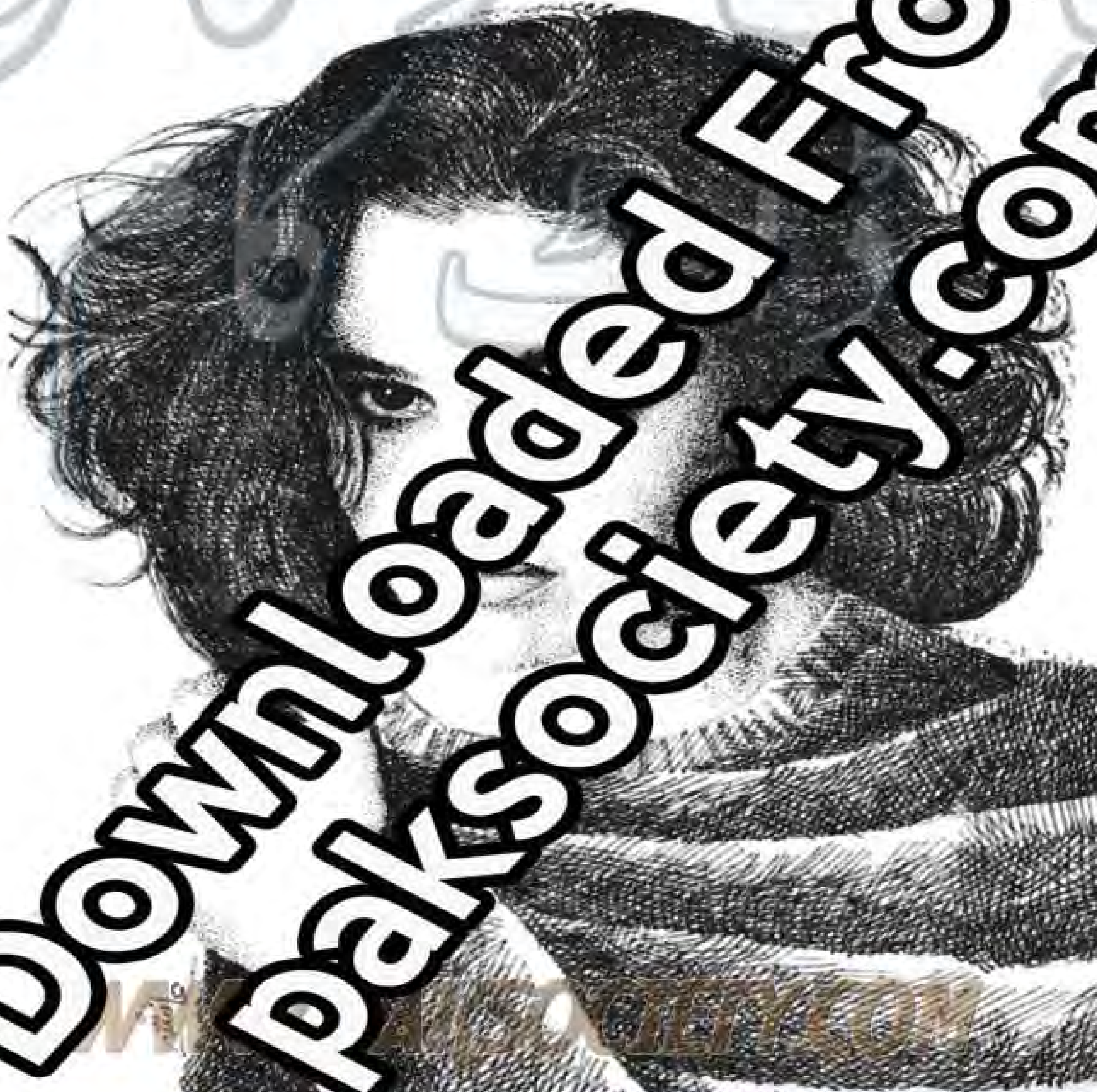
شمائلہ ذلعباد

افسانہ

بکھرنے سے پہلے

”جان پلیز! فون نہ بند کرنا تمہیں تمہاری خوب صورتی کی قسم۔“

وہ اس کی وارفتگی سے گھبرا کر بولی۔ ”وقت دیکھو رات کے دو بج رہے ہیں۔ صبح کیسے اٹھو گے آفس،



پاس اور جاب...... سوچ لو میں تو صبح کالج سے چھٹی کرلوں گی مگر تم تو روز روز آفس آف نہیں کر سکتے ناں۔"

"شفق پلیز یار! نو لیکچر، باہر دیکھو دسمبر کی بھیگی رات اپنے عروج پر ہے تمہیں رومینس کی بجائے لیکچر سوجھ رہے ہیں۔" اب کے عاشر بھی چڑ کر بولا تو شفق فوراً دھیمی پڑ گئی وہ اس کی ناراضی سے ایسے ہی ڈر جاتی تھی۔

گزشتہ چھ ماہ سے ان کا ٹیلی فونک رابطہ تھا۔ وہ تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ کالج بھی گھر سے واکنگ ڈسٹنس پر تھا سو پیدل ہی جاتی تھی اور لڑکیاں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ وہ اپنی کسی کزن کو ڈراپ کرنے آیا کرتا تھا۔ وہیں سے اس کے پیچھے پڑ گیا۔ پہلے چھ ماہ تو وہ مسلسل نظر انداز کرتی رہی مگر وہ بھی ایک ڈھیٹ تھا، کسی نہ کسی طرح اپنی مسلسل کوشش سے کامیاب ہو گیا۔ وہ اکثر سوچتی۔ "وہ تو اتنا ڈیشنگ ہے میں عام سی لڑکی مگر پتا نہیں مجھ سے محبت کے دعوے کیسے کرنے لگا ہے مگر اگر کو چھوڑ، وہ اتنا امیر ہو کر بھی تجھ جیسی عام گھر کی لڑکی پر مرمٹا ہے تو اس کی قدر کر، ویسے بھی آج کل اچھے رشتے ملتے کہاں ہیں تیری



قسمت ساتھ دے رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔"

اس قسم کی مسلسل گفتگو اس کی فرینڈز اس کے گوش گزار کرتی رہتی تھیں۔ چنانچہ اس نے بھی خود کو خوش قسمت تصور کر کے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اب تو اکثر لیٹ نائٹ بات چلتی تھی اور چیٹنگ تو ہر وقت کا مشغلہ تھا۔ جب سے دسمبر اسٹارٹ ہوا تھا عاشر نے بھی اپنا رنگ ڈھنگ بدل لیا تھا۔ وہ بولڈ تو پہلے بھی تھا مگر آج کل اس کی بے باکیاں عروج پر تھیں اور ملاقات کا اصرار تو اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ اس کا فون سننے سے گھبرانے لگی مگر اس سے بات کیے بغیر اسے چین بھی نہ آتا تھا۔ لت ہی ایسی لگ گئی تھی سو وہ اس مسئلے کا کوئی سنجیدہ حل سوچنا چاہ رہی تھی۔

☆......☆

گزر جاتا ہے سارا سال یوں تو
نہیں کٹتا مگر تنہا دسمبر
بھلا بارش سے کیا سیراب ہو گا
تمہارے وصل کا پیاسا دسمبر

صبح سے اسے وہ اسی قسم کی شاعری واٹس اپ کیے جا رہا تھا۔ وہ پڑھ پڑھ کر مسکراتی رہی اور خود پر فخر کرتی رہی۔

"مجھ میں ہے کیا؟ وہ اتنا کیوں مجھے چاہتا ہے۔" آئینہ بھی کچھ بتا کر نہ دے رہا تھا۔ سارا دن دسمبر کن من کن من برستا رہا۔ وہ محبت کی سرخوشی میں مورنی بنی پھرتی رہی۔ چاہے جانے کا احساس اس قدر جان لیوا ہوتا ہے وہ اب سمجھتی جا رہی تھی۔ وہ سیل ہاتھ میں لیے ٹی وی دیکھتی چلغوزے کھا رہی تھی۔ جب اماں چائے کے کپوں کے ساتھ اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"شفق! یہ تصویر دیکھ، بتا تو تجھے لڑکا کیسا لگا۔" اس نے ایک نظر ڈال کر واپس اماں کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

"اچھا ہے۔" وہ اس سے زیادہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔

وہ تین بہن بھائی تھے۔ بڑے بھیا جاب کے لیے اسلام آباد رہتے تھے۔ مقدم یونیورسٹی میں تھا، ابا واپڈا سے عنقریب ریٹائرمنٹ لینے والے تھے۔ وہ ان پیسوں سے شفق کی شادی بہت دھوم دھام سے کرنا چاہتے تھے۔ اماں کے بھی اس کی شادی کو لے کر بہت خواب تھے کیونکہ یہ بات تو طے تھی کہ بی اے کے فوراً بعد اس کی شادی ہے۔ سب بہت پیار کرتے تھے کہیں کوئی کمی نہ تھی۔ مقدم تو اسے بہن سے زیادہ دوست سمجھتا تھا۔ وہ ہر بات اس سے فرض سمجھ کر شیئر کرتا تھا۔ وہ بھی سب سے بہت پیار کرتی تھی مگر بیچ میں عاشر والا چکر اسے گھر میں ہی چور بنے رہنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اب بھی اسے صورت حال کی نزاکت سمجھ آ رہی تھی۔ اماں یقیناً ہاں کرنا چاہ رہی تھیں۔ تبھی اس کا سیل وائبریٹ ہوا۔

"کوئی چارہ کوئی اسم محبت تو دے جاؤ
وسوسہ ہے کہ دسمبر جان لے لے گا"

عاشر ابھی تک ملنے کی ضد پر اٹکا تھا۔ اس نے سوچا۔ "میں ایک بار اس سے مل ہی لوں تو بہتر ہے۔ سارے حالات بتا کر بول دوں گی پرپوزل بھیجے۔" اس سے ملنے کا سوچ کر اس کے دل میں کھد بد مچ گئی۔

"پتا نہیں اس کا ردعمل کیسا ہو گا وہ تو خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔ میں اور اس کے سامنے......! ہائے اللہ وہ تو باتیں اتنی بولڈ کرتا ہے پاس ہوئی تو پتا نہیں کیا کہے گا۔" وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔

"اگر کسی جاننے والے نے دیکھ لیا تو کیا ہو گا۔ ابو کی بنی بنائی عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔"

ابو اس پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ اس کی اماں بھی سیدھی سادی تھیں اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی تو اس آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھانا اسے گراں گزر رہا تھا مگر عاشر سے ملاقات بھی اسے ضروری کام لگ رہا تھا۔ بس یہ پہلی اور آخری بار ہو گا۔ اس نے فیصلہ کیا اور عاشر کو میسج کر دیا۔

وہ حسب توقع پھیل گیا۔ ایسے آنا یہ کلر پہننا وہ لپ

اسٹک لگانا، ایسا کرنا ویسا کرنا، اس نے فرمائشی پروگرام بند کرا کے وقت اور جگہ طے کی اور مطمئن ہو کر باہر لان میں نکل آئی۔ سرد ہوا گلے لگی تو اس نے شال کو مزید کس کر لپیٹ لیا۔ وہ ٹہل ٹہل کر مقدم کا ویٹ کرنے لگی۔ وہ آج پھر لیٹ تھا اگر ابا کو پتا چل جاتا تو اس کی درگت لازمی بن جاتی۔ سو وہ بھائی کو بچانے کا سوچ کر خود گیٹ کے آس پاس لان میں ٹہلتی رہی۔ دل ویسے بھی اس کے فیصلے پر خاص خوش نہ تھا۔ دماغ تو مسلسل انکاری تھا۔ ضمیر بھی ابا کے اعتماد کے قتل پر راضی نہ ہو رہا تھا۔ وہ ہاں کر کے بھی پریشان تھی نہ کر کے بھی اس نے پریشان رہنا تھا۔ اسی کشمکش و پیچ میں مقدم آ گیا۔

"شرم نہیں آتی اتنا لیٹ......؟" وہ غرائی۔

"یار فرینڈ نے کے ایف سی میں پارٹی دی تو وہیں لیٹ ہوا۔"

"اس نے پارٹی کس خوشی میں دی ٹاپ کر لیا ہے کیا؟"

"ہا ہا ہا......ٹاپ؟" مقدم بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔

"یار وہ چھ ماہ سے بچی کے پیچھے پڑا تھا۔ وہ تھی کہ ہاتھ آ کر نہ دے رہی تھی۔ تھوڑے دن پہلے سیٹ ہوئی تھی اور صبح وہ اس کو لے کر ڈیٹ پر جا رہا ہے۔ اس خوشی میں ٹریٹ تھی۔" وہ بہن، بھائی اب کچن میں کھڑے چائے بنا رہے تھے۔

"بڑی گل اے سیٹنگ ہونے پر۔ کے ایف سی میں ٹریٹ شادی ہونے پر تو پتا نہیں سیرینا بھی لے کر جائے گا تم لوگوں کو۔"

وہ اب کپ میں چائے نکال رہی تھی۔ اس کی بات سن کر پانی پیتے مقدم کو اچھو لگ گیا۔

"شادی اور وہ بھی اس لڑکی سے...... پاگل ہو گئی ہو کیا، وہ تو جسٹ ٹائم پاس ہے اور ڈیٹ چھ ماہ کے دوران ہونے والا خرچہ وصول کرنے کے لیے مار رہا ہے۔ وہ دو تین سیلفیاں بنائے گا پھر اسے واٹس اپ کر کے بول دے گا۔ ففٹی تھاؤزنڈ دے دو ورنہ سوشل میڈیا زندہ باد۔ اس الو کی پٹھی کو دینا پڑے گا کیسے بھی ورنہ سوشل میڈیا اسے کہانی گھر گھر کی بنا دے گا۔" مقدم اب چائے کے سپ لے رہا تھا۔ شفق اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی حواس یکجا کر کے بولی۔

"نومی تم اس لڑکی کو انفارم کر دو پلیز کسی کی زندگی کا سوال ہے۔"

"اس کو کس نے ٹائم پاس بننے کا بولا ہے، بھگتنے دو۔" وہ اس کے بال کھینچ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆

شفق کو یہ صبح ہمیشہ کی نسبت زیادہ روشن اور پاکیزہ لگی۔ نماز پڑھ کر تلاوت کی۔ رب سے معافی مانگی اور اب لان میں چلی آئی۔ تبھی امی نے اسے سیل تھما دیا۔

"کب سے بج رہا ہے اسے تو سن لو۔" اس نے دیکھا عاشر کا نمبر تھا۔ تیم اس لیے نہ آ رہا تھا کہ رات کو وہ ڈیلیٹ کر کے اور اہم فیصلہ کر کے سوئی تھی۔

"عورت کی عزت تو پھول جیسی ہوتی ہے ایک بار پھول بکھر جائے تو پتی پتی جوڑنا کہاں ممکن رہتا ہے۔"

مقدم کو گھر میں گھستے دیکھ کر اس نے سیل اس کے ہاتھ میں رکھ دیا یہ رانگ نمبر کب سے تنگ کر رہا ہے۔ اس لیے یہ سیل بھی تم رکھ لو خود ہی نمٹ لینا۔" وہ جاگنگ سے لوٹا تھا۔ اسے سر سے پیر تک دیکھ کر رہ گیا۔

"اگر وہ مخلص ہو گا تو رشتہ آ جائے گا گھر میں۔" ورنہ آج کے بعد سیل تو اس نے یوز نہیں کرنا تھا وہ مطمئن سی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆

ایقان علی

افسانہ

شکر الحمدللہ

جو گزرا ہے وہ صرف ایک سال نہیں تھا۔ جنجال تھا۔ وبال تھا۔ جنہوں نے کاٹا ہے۔ ان سے پوچھو کہ یہ سال تھا کیا؟ عذاب در عذاب، بلائیں ہی بلائیں، مصائب اور مصائب، ارے کس کس شے کا گلہ کریں؟

آغاز سے شروع کر لیتے ہیں۔

اُف توبہ! ایسا کڑا کے دار جاڑا، ٹھنڈ ہی ٹھنڈ ایسی ٹھنڈ کہ رگوں میں بہتا لہو بھی جم جائے۔ برفیلی ہوائیں، دھند ہی دھند اور کیا بتاؤں کیسی دھند، باریک پسی ہوئی برف ہو جیسے اُف نہ دن کا پتا نہ رات کا، ایک سا دھندلا اندھیرا چوبیس گھنٹے، وقت ہمہ وقت رات کا جیسے نا سورج کی روشنی نا چاند تاروں کی۔ جوڑ دیئے جوڑ جوڑ اس منحوس جاڑے نے۔ سارا دن ساری رات پڑے رہو لحافوں میں۔ مفلوج زندگی نہ کچھ کر سکیں نہ کچھ ہو، بس پوستی نیستی کے مارے سے پڑے رہو۔ اف پودے جل گئے۔ جانور حالوں بے حال، ہفتوں پرندے دکھائی نہیں دیتے۔ قدرت کو بھی کیا سوجھی ایسی ٹھنڈ میں ٹھنڈے مالٹے، دو پھانکیں جو غلطی سے چکھ لو تو چھینکیں شروع، کھار کھار کھانسی، شوں شوں بہتی ناک، اف ہم تو گرمی میں ہی بھلے۔

ہمیں پتا ہے کیسے نکالے دو مہینے ایسی کپکپاتی سردی میں۔ حال سے بدحال، حال سے بے حال، پک گئے مٹر کھا کھا کر، دو دن آلو مٹر اور چار دن مٹر آلو۔ شکر ہے یہ جاڑا دفعان ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

اب سورج نکلنے لگا ہے۔ روز ہی نکل آتا ہے۔ ہاں صبح ہی صبح اچھی خاصی روشنی ہوتی ہے۔ ساری رات ویسے بھی عجیب عجیب حالت میں گزرتی ہے۔ رضائی اوڑھو تو جی رُلتا ہے۔ سانس بند ہوتی ہے۔ لحاف لو تو بدن اکڑ جاتا ہے۔ ہائے ہم کریں کیا، اوپر سے مچھر ساری رات بھیں بھیں...... ویسے یہ بہار کس زاویے سے ہے؟ نا کچھ کھانے کو نہ پینے کو۔ عجیب پھیکے مالٹے ہیں۔ عجیب و غریب سے پیلے پڑ چکے مٹر۔ عجیب بدذائقہ گوبھی۔ کیا کھائیں۔ دالیں کب تک؟ پھول بوٹوں پر شگوفے پھوٹ رہے ہیں تو بھیا ہم کیا کریں؟ ہم پر تو عجیب سوگواریت چھائی ہے۔ مردنی سی ہر طرف خاموشی پیلی سی دھوپ، نیلا آسمان، وحشت زدہ سا موسم بہار ہونہہ۔

اب ذرا موسم بدلا ہے مگر ہائے ہائے یہ مٹی بھری آندھیاں گرد و غبار کے مرغولے، مٹی مٹی آخ آخ رات کو سونا دوبھر اور دن کو جاگنا۔ ایسی ڈراؤنی آندھیاں لال آسمان، جھکڑ، مرغولے، ایسے ایسے کہ جیسے کوئی سب تہس نہس کر دینے پر تلا ہوا ہے۔ مٹی مٹی اور قطرہ بارش کا نہیں اُف......

اور کھانے کو بھی بس مٹی ذرا جو ذائقہ بدلنا چاہو تو پھیکے خربوزے پھیکی خوبانیاں اور کڑوے آڑو۔ کھٹے آلو بخارے اور بس سورج۔

”ارے بھائی! تجھے کاہے کی گرمی چڑھ گئی؟ جاڑے کے دو ماہ چھپا رہا تو کیا ہمارا قصور۔ کیوں



پگھلتا جا رہا ہے اور پگھلاتا جا رہا ہے۔ گرم سے گرم سے گرم...... جل جائیں گے بھائی ہم۔ تیرے جیسے چاند تارے تھوڑی ناں ہیں ہم۔"

پر ناں جی، جتنے مرضی ہاتھ پاؤں جوڑ لو۔ منتیں فریادیں کرلو۔ جو مرضی کرلو کوسنے دے لو۔ بددعائیں پر یہ نہیں رکنے والا۔ ہر صبح موجود...... ماردوں گا کا نعرہ مارے گا اور جب تک مر نہ جائیں گے سر پر موجود رہے گا۔ اف بھٹیاں سلگ گئیں ہوں جیسے۔ چولہے میں رہنے لگے ہیں ہم جیسے دن گرم، راتیں گرم، حبس، سانسیں بند...... اف...!

ایسے میں چنگھاڑتی کوئل، کالی صورت، منہ میں آواز، سن !!! لگ گیا بور، پتا چل گیا کہ آگئی گرمیاں، پر آم پکنے تک کیا کھائیں تُو تو کھا گئی ہمارا دماغ ہم کیا کھائیں۔

کدو، ٹینڈے، بینگن، توری، مرچیں، کریلے، الا بلا۔ ایک سے ذائقے کی۔ ایک سی شکل وصورت کی درجنوں سبزیاں۔ کیا کھائیں؟ سورج تو ہی رحم کرلے۔

کیا کہا پک گئے آم، ہاں ہاں کھا لیے...... کھا لیے...... کھا لیے...... اب بس یہی کھاتے رہیں۔ گرمی میں گرما گرم آم، گرم پانی، گرم آم، گرم آندھیاں، گرم بارشیں بلکہ تیزابی بارشیں، حبس، مچھر، ڈینگی...... کس کس سے بچیں۔

کالے بادل تو اب روز آجاتے ہیں، بارش بس بارش، پانی ہی پانی، جل تھل، کیچڑ، مینڈک، سانپ، اے ہائے بہہ گیا سب۔ سیلاب آگئے حال بے حال بدحال بس کر جاؤ بادلو۔ جاؤ افریقہ بہاؤ ٹمبکٹو کو۔ ہم پر رحم کرو۔ سورج تو بس کر جا۔ کوئی پرسان حال نہیں۔ باہر بارش یہ بارش اندر دم گھوٹ، حبس، کہاں رہیں؟ کہاں مریں؟ بس آم رہ گئے ہیں آم...... اوں ہوں سیون اپ ملے آم۔

اب ذرا موسم بدلا تو بارشوں سے جان چھٹی پر سورج کو کون سمجھائے۔ جا چلا جا۔ تیرا دل نہیں بھرا ابھی۔ جل جل خاک ہو گئے اب تو ہم۔ سیاہ ہو گئی صورتیں اور راکھ ہو گئے کلیجے۔ جا میرا بھائی! نہیں جائے گا؟ سردیاں، کہاں ہیں کب آئیں گی؟

خیر غرور بھی ٹوٹ گیا خدا خدا کرکے۔ سورج میاں گئے تو نہیں پر چلے گئے۔ نکال لیے لحاف۔ پہن لیے سوئیٹر، ٹھیک ہے پر کھائیں کیا؟ نہ آم نہ مالٹے، کڑوے کسیلے گریپ فروٹ، کچی ممیاں، سوکھی سڑی کیا کھائیں۔

آسمان نیلا نیلا، پیلے پتے یہاں وہاں عجیب وحشت سی۔ ٹھنڈی ہوا، چھینکیں، بخار، کھانسی۔

سورج کہاں گیا؟ دھوپ کہاں گئی؟ ہائے جڑ گئے اتنی ٹھنڈ دسمبر میں، دھند...... یہ دھند ہے ناں؟ ژالہ باری، اولے، بارش برفیلا پانی، کھائیں کیا؟

پھر سے مٹر...... مٹر......

کیسے جھیلیں ایسا موسم؟ آغاز سے اختتام تک ایک سا۔

☆......☆

جو گزرا ہے وہ صرف ایک سال نہیں تھا۔ انعام تھا، اکرام تھا، نعمتوں کا قیام تھا۔ جنہوں نے گزارا ہے ان سے پوچھو یہ سال تھا کیا۔ عطا در عطا، نعمت پر نعمت، راحت در راحت، ارے کس کس شے کا شکر کریں؟

چلو آغاز سے شروع کر لیتے ہیں۔

سردیاں ایک لفظ لیکن تصور، خوشگوار، بھاپ اڑاتے وجود۔ نرم گرم بستر، گرم رضائیاں اور ٹھنڈ بھی۔ سردی سی اندر تک اترتی جس سے بچنے کے لیے ہے گرما گرم چائے۔ ساتھ مونگ پھلی۔ میوے، کشمش، کھوپرا، پستہ...... آہا ٹھنڈی ٹھار ٹھنڈ اور ٹھنڈی ٹھار آئس کریم۔ ایسا لطف اور کہاں۔ پھر جو نرم گرم سی دھوپ نکلے تو نمک لگا لگا کر ٹھنڈے کھٹے مالٹے۔ چھیلتے جاؤ، کھاتے جاؤ۔ کاٹتے جاؤ، چوستے جاؤ اور بارش...... سرما کی بارش۔ سہانا منظر،

اس فصل کے لیے سونا جو ہر مرد و زن کی ضرورت ہے۔

پھر سورج کی تپش میں قدرے اضافہ۔ گندم بھی تو پکنی ہے آخر۔ نیلا آسمان دور تلک۔ پیلی سی دھوپ، بہاروں سنگ جھومتی بہار۔ گلابی شگوفوں سے لدے خوبانی آڑو کے پیڑ، ٹخنوں سے قدرے اوپر لمبی لمبی گندم کے پودوں کے لہلہاتے کھیت۔ گلابی، میرون، سیاہ توت سجے اونچے اونچے درخت۔ لدی ہوئی بیریاں، ان گنت پھول، سرخ کلیوں سے ڈھکے انار اور کوئل کی کوک، لو آ گئی بہار۔ ہاں آ گئی۔ خاموش دن۔ ہاں یاس بھرے دن بھی پر یاسیت مٹانے کو فطرت ہے ناں۔ فطرت کے رنگا رنگ مناظر ہیں ناں۔ ہر صبح گول زرد طلوع ہوتا سورج، چوں چوں کرتے پرندے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا۔ پھر جو تپش اور بڑھی تو معلوم ہوا گندم تیار ہے۔ آموں کے درختوں پر لگا بور ننھی منی کیریوں میں بدل چکا ہے۔ ہرے ہرے پتوں اور بیلوں میں ڈھکے تربوز جوبن پر ہیں۔ کھٹے کھٹے آلو بخارے بھی اور فضا میں ہر سو اڑتی مائی بڑھیالی۔ بہار تو اب آئی ہے جیسے، کچی امبیاں نمک مرچ لگا کر کھائی ہیں کبھی؟ اگر کھالیں تو پھر کچھ اور نہیں مانگو گے کبھی۔ کٹائی ہو رہی ہے، سونے کی بالیاں، گندم کے ڈھیر اور آندھیوں کا موسم، جب حبس بڑھ جائے تو آندھی، موسم خوشگوار مٹی مٹی ہر طرف۔ بشر تو مٹی ہے ناں۔ اور وہ بارش، گرما کی پہلی بارش، کھانسی نزلے سے آرام دیتی، سکون دیتی۔ گرمی...... ہلکی گرمی، شدید گرمی۔ ہر قسم کی گرمی۔ میں نے سوچا کئی بار کیوں آتی ہے گرمیاں۔ جواب سادہ اور آسان ہے۔ تاکہ سائے کی قدر ہو سکے۔ نہاؤ...... پیو، جیو۔

آم...... بہت سے آم پیلے پیلے ریشہ دار، قصیدے تو کئی لکھے جا چکے۔ آم کاٹ لو، چوس لو، نچوڑ لو، پی لو، شک لو، جو مرضی کرو آپ کے ہی ہیں۔ گرمیاں خوشی خوشی گزارنے کا کیا حیلہ کر دیا فطرت نے۔ گرمی بڑھتی جاتی ہے، آم بھی بڑھتے جاتے ہیں۔

ترکاری کی بات رہ گئی۔ سردی کے مٹر اوہ مٹر، مٹر والے چاول۔ رائیتے کے ساتھ پھر گوبھی، شلجم، گاجر مولی، پراٹھے مولی کے، مکھن کے ساتھ اور ساگ، ہاں...... کب آئیں گی سردیاں۔ موسم بدلے تو کچنار، پھر بدلے تو کدو، قیمہ کریلے۔ بھنڈی، فبای علی ربکما تکذبان۔ تو بات تھی گرمی کی۔ بارشوں والی گرمی کی، ساون، چھم چھم...... پکوڑے گلگلے آم کھاؤ پھر سے نہالو، پھر سے کھالو، جھومتی برسات جھومتے ہم بارش تلخی کم ہوئی۔ ہری ہری بیلیں انگوروں سے ڈھک گئیں۔ گنا جوبن پر اور مکئی بھنے بھٹے وقت کا اچھا مصرف ہاہاہا۔

اب بس موسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ پیلے پتے خزاں، ایک سبق یہاں بھی ماضی کے پیلے پتے خود سے جدا کرو گے تو مستقبل میں نئے شگوفے ملیں گے۔ سمجھ گئے ناں۔

ٹھنڈا موسم، مسمی، گریپ فروٹ، ہرے ہرے مالٹے جواب پیلے ہونے لگے ہیں اور نج بھی ہو ہی جائیں گے۔ سردی، دھند، بارش۔ پھر سے وہی چکر۔

کیسے شکر ادا ہو اس موسم کا۔ آغاز سے اختتام تک عطا ہی عطا۔

"شکر الحمدللہ۔" تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔ گزرے سال کی نعمتوں کا شکر ادا کیسے ہو۔ ہم اور کریں بھی کیا۔ ہمیں یہی سکھایا گیا ہے اور اسی ننھے لفظ کو بڑی بڑی قوی ہیکل عبادتوں سے بڑا کہا گیا ہے تو 365 دنوں کے لیے 365 دنوں کی ہر ہر نعمت کے لیے شکر الحمدللہ۔"

......☆......

مہرین کنول

افسانہ

چندا دسمبر کی

"برف کے شہر میں لے کر جا رہی ہوں تمہیں۔ کچھ سوئیٹر اور گرم شالیں خریدی تھیں تمہارے لیے۔ سو اپنی پیکنگ میں انہیں بھی ساتھ رکھ لینا۔" عفیفہ نے زنیرا کی طرف شاپرز رکھ کر اس کو تلقین کی اور





کمرے سے چلی گئیں اور زنیرا اپنی مختلف ایئر رنگز، ٹاپس، بندے پیک کر رہی تھی۔ ماں کے کہنے پر شاپرز کھول کر سویٹرز اور شال دیکھنے لگی تھی۔

فون کی بپ پر اس نے موبائل آن کیا تھا۔ دوسری طرف اس کی کزن جیا تھی۔ ''زنیرا! میں نے بہت سی شاپنگ کی ہے گرم پہناوؤں کی آئی ایم ایکسائیٹڈ۔ دسمبر کے یہ دن ہم مری میں بتائیں گے۔ وہ چہک رہی تھی۔ زنیرا اس کی دیوانگی پر قہقہہ لگانے لگی تھی۔

''ارے ابھی سے پاگل ہوئے جا رہی ہو تم۔ جب مری پہنچیں گے۔ تب کیا کرو گی۔'' زنیرا نے اسے کہا۔

''یہ تو تب ہی دیکھنا۔ ویسے میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ ہم چار بجے تک جائیں گے۔ عفیفہ خالہ کو بتا دینا اوکے بائے۔'' زنیرا نے موبائل کو منہ چڑایا اور اپنا خوب صورت سا اسکرٹ اور شرٹ پہن کر ہم رنگ چوڑیاں اور ایئر رنگ پہن کر تیار ہوگئی۔ بالوں کو ہمیشہ کی طرح کھلا چھوڑ دیا تھا۔ آتشی لپ اسٹک لگا کر اس نے کاجل لگایا تھا گھنیری پلکوں والی کالی آنکھیں خوشی سے جگمگا رہی تھیں۔

☆......☆

وہ ڈیپارچر سے نکلتا ہوا آ رہا تھا۔ لندن سے اسلام آباد تک کا سفر طے کیا تھا۔ اس نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ وہ یوں اپنی ماں کے کہنے پر پاکستان آئے گا۔ اس نے اپنی ماں سے دوٹوک لہجے میں کہہ دیا تھا کہ وہ پاکستان نہیں آئے گا۔ وہیں اپنی زندگی بتائے گا۔ کبھی کبھی ان سے ملنے کو دل چاہا تو اسکائپ پر بات کرلے گا۔ مگر ایک دو سال اپنا بزنس اسٹیبلش کرنے کے بعد اس کا دل ماں سے ملنے کو مچلنے لگا تھا۔ اسکائپ پر بات کرنے پر بھی اس کا دل ان کے پیار بھرے لمس کو ترس رہا تھا سو وہ آ گیا تھا۔ فائقہ جانتی تھیں بیٹے کی فطرت کو اس لیے مسکرا کر اسے لندن کے لیے منع نہیں کیا تھا۔ بلکہ ''بیسٹ آف لک'' کہا تھا۔ انہوں نے مری ہی میں قیام کیا ہوا تھا کہ دسمبر کی رت انہیں مری میں رک کر بھلی لگتی تھی۔ تسواں ناک، گوری رنگت، لمبا، چوڑا، بلیک آئیز وجیہہ پرسنالٹی۔

''واؤ کتنا ڈیشنگ ہے تمہارا ہونے والا منگیتر۔'' سمن ہمایوں پر واری جا رہی تھی۔ سبرینہ تفاخر سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میرا تو دل چاہتا ہے یہ تمہارے بجائے میرا ہو جائے۔''

''چٹاخ......'' سمن کے فدا کن انداز سے بولنے پر سبرینہ نے اس کو تھپڑ مارا تھا۔

''بے وقوف، جب بھی بولتی ہے الٹا بولتی ہے۔ اگر ایسا سوچ بھی رہی ہے تو یاد رکھ۔ سبرینہ کی چاہت کوئی اس سے چھین نہیں سکتا۔ میں نے ہمیشہ جو بھی چاہا ہے وہ مجھے ملا ہے۔ چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی مجھے پسند آئی میں نے وہ حاصل کرلی ہے۔'' سبرینہ غصے سے پھنکاری۔

''آئی ایم سوری۔'' دل میں برا بھلا کہتی سمن نے سبرینہ سے معافی مانگی تھی۔

''اٹس اوکے! لیکن خود سے اندازہ لگالو۔ تمہیں میں نے اپنا دوست بنایا حالانکہ تم میری صرف کزن تھیں۔ مگر میرے ساتھ تمہیں میں نے اسی لیے رکھا ہے کیونکہ تم میری پسند ہو۔'' سبرینہ نے سمن کا موڈ بحال کیا تھا۔ ہمایوں ان کے قریب آچکا تھا۔

''ہائے گرلز! کیسی ہو۔ بائی دا وے سمن! یہ تمہارے گال پر لال رنگ کا نشان کیسا؟'' وہ پوچھنے لگا تو سمن سٹپٹا کر سبرینہ کو دیکھنے لگی۔ سبرینہ کے چہرے پر کوئی تاثر نہ ابھرا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ کیا ہمایوں! آتے ہی ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ تم میری طرف دیکھو

گے میرے لباس کی تعریف کرو گے۔''

''دیکھو میں نے تمہارا من پسند کلر پہنا ہے۔''

وہ وائٹ کلر کی پینٹ شرٹ پہنے میک اپ کرتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کر گئی تھی۔''اس نے اس کے انداز پر اپنی مسکراہٹ دبالی۔ وہ اس کی خوش فہمی غلط فہمی نہ بن جائے۔ اس لیے اس سے زیادہ فری ہونے سے گریز کرتا تھا۔

''ویسے سمن! پنک کلر کے اس ڈریس میں کافی خوب صورت لگ رہی ہو۔'' ہمایوں نے سمن کو پیار سے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا تو سبرینہ جل بھن ہی تو گئی۔ وہ اس کے خفت زدہ چہرے کو دیکھنے لگا۔ تو اگلے ہی لمحے وہ مسکرانے لگی تھی۔ مبادا ہمایوں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ ایک بار اسے پانا جو تھا۔ اس نے مکاری سے سوچا تھا۔

☆......☆

کمرے سے باہر غیر معمولی شور سن کر زنیرا کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور جیا اور خالہ امبرین کو دیکھ کر خوشگوار ماحول میں شامل ہونے کے لیے اس طرف چلی آئی۔

''بیٹا! اپنا بیگ بھی لے آتیں اب بس چلنے کی کرو۔'' امبرین نے اس سے ملتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ہاں بیٹا جاؤ جلدی اپنے بیگز لے آؤ۔'' عفیفہ نے اسے کہا جب کہ جیا اس کے ساتھ ساتھ جانے لگی تو امبرین نے اس کو ٹوکا تھا۔

''تم کہاں چلیں؟ جہاں تم دونوں مل جاتی ہو۔ بیٹھ کر گپیں ہانکنے لگتی ہو۔ ہمیں دیر نہیں کرنی ہے۔'' زنیرا فوراً بیگز اٹھا لائی تھی عفیفہ بھی کچن سے کچھ ٹفن اور باسکٹ اٹھا لائی تھی۔ ساتھ میں منرل واٹر اور سافٹ ڈرنک کی بوتلیں بھی رکھ دی تھیں۔ یوں یہ قافلہ کراچی سے پنڈی کی ٹرین میں روانہ ہوا تھا۔

''کتنے خوب صورت سبزہ زار کھیت کھلیان کے نظارے دیکھنے کو ملے ہیں۔'' کھاتے پیتے جیا نے انجوائے کرتے ہوئے زنیرا کو کہا۔

''ہاں واقعی ٹرین کے سفر میں مزہ آتا ہے۔'' زنیرا نے اس کی تائید کی رات ہوئی تو سردی کچھ بڑھ گئی تھی۔

''ارے بیٹا کھڑکیاں بند کر دو۔ بہت ٹھنڈی ہوائیں آرہی ہیں اب صبح نظارے کر لینا۔ سو جاؤ۔'' عفیفہ نے دونوں کو رضائی دیتے ہوئے تاکید کی اور بینچ پر لیٹ گئی۔ ان دونوں نے کھسر پھسر کرنا شروع کر دی تھی۔ یہ لڑکیاں حسب عادت باتوں میں مصروف رہیں مگر جلد ہی سردی میں نیند کی دیوی مہربان ہو گئی اور وہ دونوں خواب خرگوش کے مزے لینے لگیں۔ پنڈی پہنچے تو گرم گرم سوئیٹر پہنے یہ لوگ ٹرین سے اترے تھے۔ اور باہر کی طرف رخ کیا۔ نازنین اپنی بیٹی شرمین کے ساتھ کھڑی ان کو دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگیں تو وہ ان کی طرف چلی آئیں۔

''کتنے دنوں بعد ملی ہو تم لوگ۔'' نازنین بہت کھلے دل سے خوش ہو کر ان سے ملی تھیں عفیفہ اور زنیرا کو گلے لگاتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ وہ تھی ہی ان کی جان سے پیاری کزن کبھی بہن کی کمی نہیں ہونے دی تھی۔ نازنین اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد جو تھی۔

''تم دونوں کو یہاں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ ہم تینوں مل کر خوب مستی کریں گے۔ میں تم دونوں کو مری بھی گھماؤں گی۔'' شرمین زنیرا اور جیا سے گلے لگ کر کہنے لگی تھی۔ یہ لوگ کار میں بیٹھ کر اسلام آباد سے ہوتے ہوئے مری پہنچے تھے۔ نازنین ان کو اپنے گھر لے آئیں تھیں اور ان کا سامان انہوں نے اپنے ملازم سے ان کے کمروں میں رکھوا دیا تھا گرم گرم کافی ان لوگوں کی خدمت میں حاضر ہو چکی تھی۔ وہ لوگ اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر ہی بیٹھے تھے۔ بند شیشے کے دروازے اور کھڑکیوں سے باہر کا برف سے اٹا شہر نظر آرہا تھا۔

''کتنا خوب صورت اور دلفریب منظر ہے واؤ......'' زنیرا اور جیا ایک ساتھ بولیں تھیں۔

''میں تو روز ہی یہ منظر دیکھتی ہوں مجھے تو عادت ہے مگر میں تم دونوں کو کل ہی باہر گھمانے لے جاؤں گی۔'' شرمین نے اترا کر بولا پھر آخری الفاظ میں دوستانہ رویہ اختیار کیا۔

''او کے تم صرف ان دونوں کو گھماؤ گی اپنی خالہ وغیرہ کو نہیں گھماؤ گی اتنی دور سے آئیں ہیں کے شرمین ہمیں مری کی سیر کرائے گی۔'' نازنین نے بیٹی کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

''آف کورس ممی! آپ بھی ناں الفاظ پکڑتی ہیں۔'' شرمین خجل سی ہو کر بولی تو سب ہنس دیے۔

☆......☆

ہمایوں نے اسلام آباد کے دلفریب منظر پر نظر ڈالی ہوا کے سرد تھپیڑے اس کے چہرے پر پڑے تو سبرینہ نے اس کے سائیڈ کا دروازے کا شیشہ اوپر چڑھا دیا۔

''تھینک یو!'' ہمایوں نے اسے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''تم تھینک یو کیوں کہتے ہو۔ میں تمہیں سرد تھپڑوں اور گرم دھوپ سے زندگی بھر بچاؤں گی۔'' وہ اس کی معنی خیز باتوں کو خاطر میں نہ لایا۔

''اچھا مما کا بنگلہ تو پیچھے ہی رہ گیا ہے کہاں جا رہی ہو؟'' اس نے اسلام آباد سے گزر کر مری کی طرف بڑھتی کار کا رخ دیکھا تو اس کو سبرینہ کی ذہنی کیفیت پر شک ہوا۔

''اوہ ڈونٹ وری ہنی اینڈ آئی ایم سوری میں بتانا بھول گئی۔ فائقہ آنٹی مری میں آپ کے اور ان کے مشترکہ بنگلے میں قیام پذیر ہیں۔'' انہیں چند دن وہاں گزارنے تھے ہمیشہ کی طرح۔'' وہ بنگلے کی طرف کا راستہ اختیار کر چکی تھی۔

''اوہ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ مما مری میں ہوں گی۔ انہوں نے فون پر بتایا تو تھا۔'' ہمایوں اس سفر سے عاجز آ گیا تھا۔ جلدی سے وقت کے کٹنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے دل میں دعا کی تھی کے فوراً ''ہمایوں پیلس'' آ گیا تھا وہ فوراً گاڑی سے اترا اور لمحہ نہ لگایا۔ گیٹ عبور کر کے بنگلے میں داخل ہوا تھا۔

''ہمایوں مائی ڈیئر!'' فائقہ نے سرعت سے آگے بڑھ کر ہمایوں کو گلے لگایا تھا۔

''مما میں تو ترس گیا تھا آپ کے پیار کے لیے مگر یہاں آ کر وہی ازلی گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔ بس آپ کی موجودگی سے دل میں طمانیت کا احساس جاگا ہے۔'' وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوا تھا۔

''ارے آتے ہی بوریت کا احساس ہونے لگا ہے میں نے اسی لیے سبرینہ کو تمہیں لینے کے لیے بھیجا تھا۔ ملے تم اس سے؟'' فائقہ نے پاس ہی کھڑی سبرینہ اور ثمن کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''اوہ مما! میں ان سے پہلے مل چکا ہوں۔ جب یہاں سے گیا تھا تو ایک پارٹی میں یہاں سے جانے سے پہلے ملاقات ہوگئی تھی اور یہ کچھ زیادہ ہی فرینڈلی ہو گئیں تھیں مجھ سے۔'' وہ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے بولا تھا۔ سبرینہ کو اس کی ناگواریت بری طرح کھٹکی تھی۔ مگر چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا آنکھوں سے سب عیاں تھا۔

''دیکھو سبرینہ! برا مان گئی ہے۔'' فائقہ نے اس کی آنکھیں پڑھتے ہوئے کہا۔ ''اوہ مما! اب یہ مت کہیے گا کے میں سوری بولوں۔''

''کوئی بات نہیں آنٹی! یہ تھک گئے ہوں گے اسی لیے جو منہ میں آ رہا ہے کہہ رہے ہیں ہم کل آ جائیں گے بہتر ہوگا۔ یہ آرام کر لیں۔'' سبرینہ نے فائقہ سے اجازت لی اور ثمن کے ساتھ واپسی کی راہ لی۔

''ایسا کیوں کیا بیٹا؟ سبرینہ کیا سوچتی ہوگی۔'' فائقہ کو فکر لاحق ہوئی تھی۔

"آپ کو اس کی سوچ کی کب سے پرواہ ہونے لگی۔" وہ جھنجلا گیا تھا۔
"جب سے اس کے پاپا نے تمہارے پاپا کے ساتھ بزنس ڈیلنگ کی ہے خیر چھوڑو وقت آنے پر تمہیں سب کچھ پتہ چل جائے گا۔ منہ ہاتھ دھو اور فریش ہو جاؤ۔" کمرے میں تمہارے لئے اور سرپرائز بھی پہنچ جائیں گے۔ یقیناً تم بہت خوش ہو گے۔" وہ متحیر رہ گیا۔
"الجھو مت جاؤ اپنے کمرے میں۔" انہوں نے اس کو اس کے کمرے میں بھیج دیا۔ اپنے کمرے میں جا کر سکون بھرا احساس ہوا تھا اسے۔ ہر چیز ویسے ہی نفاست سے رکھی ہوئی تھی جیسے اسے پسند تھی۔ وہ مطلوبہ کپڑے الماری سے نکال کر باتھ روم میں گھس گیا۔ شاور لینے کے بعد باہر آیا تاول سے سر کے بال خشک کرنے کے بعد ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا برش اٹھا کر بال سنوارنے لگا۔ اور پھر اس کی سوچ ابھری تھی۔
"آخر کمرے میں ایسا کیا سرپرائز ہے میرے لیے یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ بڑبڑایا بھی کمرے میں دو نفوس داخل ہوئے۔ سعد اور ابرار اس کے سامنے ایک دم آئے تھے۔
"ہائے برو۔ ہم ہیں تمہارے لیے سرپرائز۔" وہ دونوں ایک ساتھ بولے اور ہمایوں سے بغلگیر ہوئے۔
"واٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔ تم دونوں تو کینیڈا میں تھے ناں؟ یہاں کب اور کیسے آئے؟" ہمایوں نے ایک ساتھ اتنے سارے سوال کر ڈالے۔
"فائقہ آنٹی نے ہی ایک ہفتے پہلے بلایا تھا۔ ویسے بھی وقتاً فوقتاً ہم یہاں آتے جاتے رہے ہیں تم تو کٹھور بن گئے تھے۔ ایسے گئے تھے لگتا تھا واپس ہی نہیں آؤ گے۔" سعد نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔
"یہ سگریٹ کب سے پینا شروع کر دی؟" ہمایوں دونوں کو دیکھ کر خوش ہوا تھا۔ بچپن سے ایک ساتھ گزرا ہر دن ان کزنز کی یاد دل میں لیے کنڈ ذہن میں گھومتا تھا۔ جہاں یہ تینوں ملتے کچھ نہ کچھ مستی پارٹی ضرور ہوتی تھی۔ ہمایوں کی بوریت دور ہو گئی تھی۔ ایک دوسرے کو کشن پھینکتے اور شور وغل کر کے انہیں وقت کا احساس نہ ہوا۔ فائقہ ہی اس کے کمرے میں غیر معمولی شور سن کر آئی تھیں۔
"لو آتے ہی شروع ہو گئے۔ اور یہ کمرے کی کیا حالت بنا ڈالی ہے؟" فائقہ نے بکھرا بکھرا کمرے کو دیکھ کر کہا۔
"اوہ مائی ڈیئر مما! یو آر گریٹ مجھے آپ کا سرپرائز پسند آیا ہے۔" ہمایوں نے فائقہ کو گود میں اٹھا لیا تھا۔
"بے شرم اتار مجھے۔ آف یہ لڑکا اب سدھرے گا نہیں۔ جلدی سے گھر میں بہو لانا پڑے گی تب ہی سدھرے گا۔" فائقہ کو ہمایوں نے نیچے اتارا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں اور ایک بار پھر وہ تینوں شروع ہو گئے تھے۔

☆......☆

"ہمایوں مائی ہنی! چلو میں تمہیں لینے آئی ہوں میرے فرینڈ کی پارٹی ہے۔" وہ ثمن کے ساتھ اٹھلاتی، اتراتی بلیک ٹائیٹ اور ستارہ لگی شرٹ میں ملبوس کھلے بالوں میں بلاشبہ حسن کا شاہکار معلوم ہوتی اس کی طرف چلی آئی تھی۔ سعد اور ابرار نے ہنکارا بھرا تھا جو ہمایوں کو اپنے ساتھ لینے کے لیے اس کے تیار ہونے کا انتظار کر رہے تھے وہ اسے باہر کہیں لے کر جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور اب کباب میں ہڈی بن کر یہ چڑیل آ گئی تھی۔ "دیکھو ابرار اور سعد بھی مجھے اپنے ساتھ لینے آئے ہیں۔" ہمایوں نے کہا۔

''تو ٹھیک ہے میں پارٹی میں جانا کینسل کرتی ہوں۔ تم لوگ جہاں جا رہے ہو وہاں میں بھی چلتی ہوں۔'' سبرینہ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو ہمایوں ایک دم گڑبڑا گیا اور فوراً سنبھلا تھا۔

''ارے یہ دونوں لینے آئے ہیں مگر میں نہیں جا رہا میں تھوڑا آرام چاہتا ہوں۔ تھوڑی تنہائی چاہتا ہوں۔'' ہمایوں نے فوراً بات بنائی۔

''او کے ہنی! پھر کل شام کو کہیں چلیں گے تیار رہنا میں بالکل نہیں سنوں گی تمہیں کل میرے ساتھ آنا ہی ہوگا۔'' سبرینہ نے اسے تنبیہہ کرتے انداز میں کہا۔

''او کے او کے جیسا تم کہو۔'' سبرینہ اور سمن کے جانے کے بعد اس نے شکر ادا کیا اور پھر تینوں بن ٹھن کے نک سک سے تیار باہر نکل پڑے۔

☆......☆

کالی گھنیری زلفوں کو جھٹکتی ہوئی وہ لڑکی کسی بات پر اپنے ساتھ کھڑی لڑکیوں کو کچھ کہہ کر مسکرا رہی تھی۔ اب وہ ایک جیولری شاپ پر کھڑی تھی وہ اسی طرف نکل آیا تھا اور سعد اور ابرار بھی اس کے ساتھ ہو لیے تھے۔

''یہ دیکھو جیا! شرمین یہ بندے کتنے حسین ہیں۔'' زنیرا نے ایک خوب صورت سیٹ دکھایا جس میں سلور نگینے جڑے ہوئے تھے۔

''ارے بھائی! یہ پیک کر دیجیے۔'' ہمایوں نے اس خوب صورت کالی آنکھوں والی حسین لڑکی کو دیکھتے ہوئے دکاندار سے کہا۔

''دیکھیں بھائی صاحب! یہ پہلے ہم نے پسند کیے تھے۔'' زنیرا نے دکاندار کو کہا اور ہمایوں اس کو پسندیدگی سے دیکھ رہا تھا دکاندار نے وہ پیکٹ ہمایوں کی طرف بڑھا دیا تھا ہمایوں نے والٹ سے ایک بڑا نوٹ اس دکاندار کی طرف بڑھا دیا۔ زنیرا کو یہ لڑکا کچھ عجیب لگا تھا۔

''شاید امیری اس کے اندر تفاخر پیدا کر گئی ہے۔'' اس نے سوچا پھر سر جھٹک کر وہ تینوں ایک جگہ گرم شالز کے اسٹال پر چلی گئیں۔

''ابے یار! لگتا ہے تجھے یہ لڑکی پسند آ گئی ہے۔'' سعد نے اس کی دلچسپ نگاہوں کے زیر اثر اس لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔'' ہمایوں ان کو لے کر انہی کی طرف چلا آ رہا تھا۔

''دیکھو زنیرا! وہ لڑکا پھر سے آ رہا ہے یہیں۔'' شرمین نے ان کو بتایا۔

''ارے کتنا ہینڈسم ہے۔'' جیا نے جذباتی انداز میں کہا۔

''مجھے یہ کوئی بگڑا ہوا رئیس زادہ معلوم ہوتا ہے۔'' زنیرا نے کہا اور شالز پسند کرنے لگی۔

''ارے اس کے ساتھ تو دو لڑکے اور بھی ہیں کتنی ڈیشنگ پرسنیلٹی ہے ان کی پڑھے لکھے بردبار۔'' ایک بار اور جیا نے کہا تو زنیرا نے سر پر ہاتھ مارا۔

''اب تمہیں یہ لوفر بردبار نظر آ رہے ہیں۔'' زنیرا کو بھی یہ لڑکے مہذب لگ رہے تھے ہمایوں کی نظر میں اپنے لیے اسے نظر آ رہی تھی مگر وہ مشرقی لڑکی تھی اس لیے اسے نظر لوفر کہہ کر چھٹکارا حاصل کرنا چاہا کے ذہن و دل میں عجیب سی کشش میں مبتلا ہو گئی تھی وہ۔ وہ اسے اپنا آئیڈیل لگ رہا تھا۔

''ایکسکیوزمی انکل! یہ شال پیک کر دیجیے۔'' زنیرا کے سامنے وہ اچانک آیا تھا اور وہ اس کو دیکھتی رہ گئی تھی اپنی پسند کی شال اس کے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ جسے ہمایوں دکاندار سے اشارے سے خرید چکا تھا۔ وہ چونک کر اپنے خیالوں سے باہر آئی تھی۔

''ایکسکیوزمی! آپ کے پاس بہت پیسے ہیں تو خریدیے شوق سے خریدیے لیکن آپ وہی چیز کیوں خرید رہے ہیں جسے میں پسند کر رہی ہوں؟'' زنیرا اس سے لڑنا چاہ رہی تھی اسے غصہ جو آ گیا تھا۔ ہمایوں کی اس بے تکی حرکت پر۔

"ناراض کیوں ہوتی ہیں یہ چیزیں آپ ہی کے لیے ہی تو خریدی ہیں۔" ہمایوں نے دونوں پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ آپ ہیں کون؟ میں اجنبیوں سے کوئی چیز لینا پسند نہیں کرتی۔ اور مجھے ایسی ویسی لڑکی مت سمجھنا۔" وہ بپھری تھی۔

"ایسی ویسی لڑکی نہیں سمجھ رہا جبھی آپ کی پسند میری پسند بن گئی ہے۔ جیسے آپ مجھے پسند آ گئی ہیں۔" ہمایوں کے انکشاف پر وہ اس کو تعجب سے دیکھنے لگی تھی۔

"شٹ اپ! اور ہٹو میرے راستے سے۔" وہ اب آگے بڑھ گئی تھی۔ شرمین اور جیا پیچھے رہ گئیں تھیں جو ہمایوں اور اس کے دوستوں پر اپنی پسندیدگی انہیں دلچسپی سے دیکھنے پر ظاہر کر چکی تھیں۔ زنیرا نے ان دونوں کو آواز دی تو شرمین وہاں سے سرعت سے نکلتی چلی گئی۔ جیا جب کہ جانے کے لیے مڑی تھی مگر پلٹ کر ہمایوں کے اشارے سے اس کے پاس چلی آئی تھی۔

"واؤ! آپ تو بہت خوب صورت ہیں۔" ہمایوں اور سعد نے اس کی تعریف کی۔

"تھینک یو۔" جیا اترائی تھی۔

"بائی داوے وہ بلیو اسکرٹ والی نک چڑھی کون تھی؟"

"وہ میری کزن زنیرا۔" جیا نے بتایا۔

"اچھا زنیرا! اینڈ یو؟"

"آئی ایم جیا۔"

"واؤ واٹ اے نائس نیم جیا یہ پیکٹس زنیرا کو دے دینا۔" جیا نے وہ پیکٹس رکھ لیے۔ اور واپس جانے لگی۔

"او کے جیا ایک منٹ وہ زنیرا کا نمبر؟" جیا ہونقوں کی طرح ہمایوں کو دیکھنے لگی۔

"جی نمبر کیوں بتاؤں۔" جیا نے اس سے پوچھا۔

"وہ میں پوچھوں گا کہ......؟ آئی مین میں اسے پیکٹس قبول کرنے کے لیے تھینکس کہوں گا۔"

"او کے!" جیا نے اسے اس کا سیل نمبر بتایا اور وہاں سے چلی گئی۔ زنیرا اور شرمین گاڑی میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ انہیں وہ بازار میں گھمانے کی غرض سے لائی تھی۔ اب گھر جانے کا ارادہ تھا۔ جیا گاڑی میں ایک دم آ کر بیٹھ گئی تھی۔ شرمین نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

"یہ تمہارے ہاتھوں میں کیا ہے؟ اور ایسے ہنس کیوں رہی ہو؟" زنیرا نے پیچھے بیٹھی جیا کی طرف بغور دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"اور ہاں...... یہ تمہارے پیکٹس۔" جیا نے اس کی طرف وہ پیکٹس بڑھا دیے۔

"واٹ...... یہ تو وہی پیکٹ ہیں جو اس لوفر نے خریدے تھے۔ تمہارے پاس کیسے آئے؟" زنیرا نے اس سے پوچھا۔

"زنیرا! وہ کوئی لوفر نہیں ہے اچھا خاصا ڈیسینٹ لڑکا ہے۔" جیا بولی تو وہ تپ گئی۔

"ہاں زنیرا! مجھے وہ بھلا مانس انسان بلکہ ڈیشنگ لڑکا لگا۔" شرمین بھی ہنس رہی تھی اس لڑکے کے قصیدے سن سن کر وہ گھر پہنچی تھی کافی متاثر ہوئی تھیں جیا اور شرمین۔ متاثر تو وہ بھی ہوئی تھی۔ مگر ایک مشرقی لڑکی کی یہ حرکات نہیں ہوتیں کہ وہ کسی اجنبی سے اس طرح بے تکلف ہو جائے اسے اپنی ماں کی فکر تھی۔ ان کی تربیت کی فکر تھی۔ اس لیے گاڑی سے اتر کر جیا کی طرف اس نے وہ پیکٹس اچھالے تھے۔

"کیا حرکت ہے زنیرا؟" عفیفہ جو گاڑی کی آواز پر باہر آئیں تھیں جیا کے ساتھ بدتمیزی کرتے دیکھ کر وہ غصہ ہوئی تھیں۔

"سوری مما وہ میں......" زنیرا سے کوئی بات

بن نہیں پا رہی تھی۔
"کیا......وہ میں، تم تو شاپنگ کرنے گئیں تھیں۔" عفیفہ نے کہا تو جیا نے ہمت کی تھی۔ ہاں آنٹی! وہ یہ خریدے ہیں۔" جیا نے بتایا۔
"یہ کیسے پیکٹس ہیں؟" عفیفہ نے پوچھا۔
"وہ اس میں ایک جیولری کا سیٹ ہے۔ اور ایک گرم شال کا پیکٹ ہے مگر اب زنیرا لینے سے انکار کر رہی ہے۔" جیا نے بولا۔
"اس میں انکار کرنے والی کون سی بات ہے۔" عفیفہ نے پیکٹ کھول کر دیکھے اور زنیرا سے پوچھا جو سر جھکائے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔
"وہ بس اب میرا دل نہیں چاہ رہا۔ بہت سی شالز ہیں اور جیولری میرے پاس ہیں۔" زنیرا نے بات بنانی چاہی۔
"تو کیا ہوا بیٹا! میں نے تم سے ہمیشہ کہا ہے اپنا دل کبھی مت مارو جو پسند آئے وہ لے لیا کرو۔ ورنہ کوئی دوسرا چھین لے گا۔" عفیفہ کی بات پر وہ سوچنے لگی تھی۔ جیا چٹکی بجا کر اسے خیالوں سے واپس لے آئی۔ عفیفہ نے ان تینوں کو گھر کے اندر چلنے کو کہا تھا۔

☆......☆

سرد ہوائیں جو چل رہی تھیں کچھ سردی سی لگ رہی تھی۔ وہ تینوں اپنے کمروں میں آ گئیں تھیں۔
رہ رہ کر وہ پیکٹ کو دیکھ رہی تھی جو بیڈ کے ایک طرف پڑے ہوئے تھے۔ وہ اسے یاد آ رہا تھا نہ جانے کیا بات تھی اس اجنبی میں کچھ اپنا سا لگا تھا اور پیکٹس میں موجود چیزیں اسی کی پسند کی تھیں جو اس شخص نے اسے خرید کر دی تھیں۔ اس کی یہ حرکت اسے کچھ اچھی نہ لگی تھی۔ اس نے پیکٹ کو تکیے کے نیچے رکھ دیا کہ یہ آنکھوں سے اوجھل ہوں تو وہ لڑکا اس کے خیالوں میں اس بہانے نہ آئے۔ مگر اس کی یہ کوشش ناکام ہو گئی تھی۔ فون رات کے اس پہر بج رہا تھا۔ اس نے بنا دیکھے کان پر فون لگایا تھا۔

"جی آپ کو یقیناً میری یاد ستا رہی ہو گی۔" مردانہ آواز پر وہ کچھ غصے میں آئی تھی۔
"کون صاحب بول رہے ہیں۔" وہ کچھ سختی سے بولی۔
"ارے میں وہی جو آج بازار میں ملا تھا۔ پیکٹس قبول کرنے کا شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا تھا۔" ہمایوں نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تو وہ متحیر رہ گئی۔
"آپ کے گھر ایک دن آپ کو لینے آنا ہے۔ تو فون نمبر کا پتہ لگانے میں کوئی دقت کیسے ہوگی۔" ہمایوں نے اپنے دل کی بات واضح کری تھی وہ چپ ہی تو گئی تھی۔
"اتنی خوش فہمی ہے آپ کو آئندہ مجھے فون کرنے کی جرأت نہ کیجیے گا سمجھے۔" وہ نخوت سے موبائل آف کر گئی تھی۔ موبائل کی طرف دیکھ کر ہمایوں کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔
"کوئی بات نہیں۔
"کبھی تو تم میرے دل کی بات سمجھو گی۔" وہ پر یقین انداز میں زنیرا کے خیالوں میں گم اس سے کہہ رہا تھا۔

☆......☆

اگلی شام میں سردی کی لہر کچھ زیادہ ہی عروج پر تھی۔ موسم بہت خوب صورت ہو رہا تھا۔ ایسے میں کھڑکی کے پٹ کھول کر باہر کا نظارہ کر رہا تھا۔
"اب اس سے کب ملاقات ہوگی، کہاں ہوگی بس موبائل نمبر ہی ہے۔ لیکن وہ تو فون آف رکھ رہی ہے۔ ڈیم اٹ!" اس نے سوچتے ہوئے دیوار پر ہاتھ مارا تھا۔ عقب سے کوئی اس کے پاس اچانک چلا آیا تھا۔
"او ہائے بہنی! چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ آج تم کو میں یہاں کے مشہور ریسٹورینٹ لے کر جاؤں گی وہاں بہت مزے کے تکے اور بجی ملتی ہے اس سرد موسم

میں ایسے کھانے کھا کر بہت مزہ آتا ہے۔'' وہ کچھ زیادہ ہی خود پر خوش گمان تھی۔

کیا سوچ کر یہ لڑکی میرے پاس اس طرح آجاتی ہے۔'' وہ اس کے الفاظ و گفتار پر سوچ گیا۔ کیا سوچا ہنی! تم یہیں ہو؟'' سبرینہ نے اس کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ تو وہ ایک دم سیدھا ہوا تھا۔ وہ میں سوچ رہا تھا ثمن نہیں آئی تمہارے ساتھ۔'' ہمایوں اس پر سے نظریں ہٹا کر وارڈ روب سے کپڑے چوائس کرنے لگا۔

''ارے وہ کچھ سردی میں طبیعت بگاڑ بیٹھی ہے۔ آئی مین ٹو سے فلو ہوگیا ہے اسے۔'' اس نے اس کی تصویر کو ڈریسنگ سے اٹھایا اور بغور دیکھتے ہوئے بولی۔ اوہ بیچاری۔'' وہ بولا کچھ دیر میں ہمایوں تک سک سے تیار ہوا تھا اور وہ اس پر نظریں ٹکائی اسی کو دیکھے جارہی تھی۔ ''اب ایسے دیکھ دیکھ کر نظر لگاؤ گی یا چلو گی بھی؟'' وہ اس کے ساتھ جانے کے لیے نہ جانے کیوں راضی ہوا تھا وہ سمجھ نہ پایا تھا۔ خیر سے اس کی دوست ہونے کی دعویدار تھی۔ وہ اس کے ساتھ مقامی ریسٹورینٹ میں موجود تھا۔ ایک طرف کی ٹیبل جو پہلے ہی سے اس کے نام بک تھی وہاں آکر وہ سبرینہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''اوہ ہنی! کہاں دیکھ رہے ہو؟'' ہمایوں سبرینہ کے بیک سائیڈ پر دیکھ کر چونکا تھا۔ سبرینہ نے ایک ٹک دیکھتے ہمایوں کی نظروں کیتعاقب پر دیکھا تو وہاں زنیرا تو اٹھ کر کہیں گئی تھی سو وہاں کچھ لوگوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ ''ہنی! میں تمہارے لیے کیا آرڈر کروں۔'' وہ ویٹر کے دیے گئے مینیو کارڈ پڑھتی اس سے پوچھ رہی تھی۔

''اوہ ہنی! دیکھو ہنی۔ یہ لڑکی جو مسلسل کسی کو ہنی کہے جارہی ہے اس لڑکی کی آواز جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔'' زنیرا نے لڑکی کی طرف دیکھا تو ہمایوں کو کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا دیکھا دیکھ کر وہ دررنگ رہ

گئی تھی اور اپنے ماضی اپنے کالج لائف کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

☆......☆

''آج کتنا اچھا میلہ لگا ہے۔'' زنیرا اور جیا کے ساتھ ہی پڑھتی تھیں ایں لیے اس سے کہا تھا جو کالج میں اس کی دوست بھی تھی اور دوست اس کے ہوتے بھی کیسے سبرینہ نے جو دولت کا ایسا جال بنا تھا کے اس کا کوئی بھی دوست نہ رہا تھا۔

ایک بار سبرینہ نے اسے اپنا دوست بنایا تھا۔ مگر وہ اس پر اپنا ہر حکم بجالانے کو کہتی تھی۔

''کلاس بنک کرو۔ میرے اسائنمنٹ مکمل کرو۔'' اس سے ایسی حرکات برداشت نہ ہوتیں تھیں۔ سو دوستی تو ٹوٹنی ہی تھی۔

''چند دن کی دوستی کو تم نے دشمنی میں بدل ڈالا ہے۔ زنیرا! تم جانتی نہیں یہ دشمنی تمہیں بہت بھاری پڑنے والی ہے۔'' سبرینہ نے کہا۔ زنیرا اس کو نظر انداز کر کے ایک طرف ہوگئی تھی اور اب میلے میں ایک طرح جنگ ہی ہوگئی تھی۔ ہر طرف مختلف اشیاء کے اسٹالز ہی اسٹالز تھے۔ جیا نے اس کو چمکتی آنکھوں کے ساتھ بتایا جو کافی خوش نظر آرہی تھی ان رنگینیوں کو دیکھ کر۔

''چلو مہندی لگواتے ہیں۔'' زنیرا نے مہندی کے اسٹال پر رک کر کہا تھا۔

''زنیرا! تمہارے ہاتھ تو بہت خوب صورت ہیں مہندی لگاؤ گی تو اور بھی خوب صورت لگیں گے۔'' جیا نے اس کی تائید کی۔ اور مہندی لگانے والی لڑکی نے اچانک مہندی لگانے سے انکار کردیا۔ انکار کی وجہ دوگنے پیسے دینے والی سبرینہ تھی۔ وہ خفت سے اس اسٹال کو چھوڑ کر اگلے اسٹال کی طرف بڑھ گئی۔ یہ اسٹال جیولری کا تھا جہاں مختلف ڈیزائنز کی جیولری تھی۔ ایک سیٹ زنیرا نے پسند کیا تھا اس نے لڑکی کو پیسے بھی دے دیے تھے اور پیک کروانے

کے لیے جیولری کو اس کے حوالے کیے تھا مگر اسی اثناء میں سبرینہ کے ایک اشارے پر اس لڑکی نے زنیرا کے پیسے واپس کر دیے اور دوگنی رقم لے کر وہ سبرینہ کو دے دیا۔

''یو نیس می سبرینہ۔'' زنیرا اب اس کے آمنے سامنے ہو کر بولی۔

''یس آئی ڈو۔'' سبرینہ نے کہا۔

''تمہاری یہ دولت تمہارے کسی دن کام نہیں آئے گی تم میری چھوٹی چھوٹی چاہت سے بہت کھیل چکی ہو۔ لیکن جب تمہاری چاہت کی باری آئے گی تو دولت تمہاری تمہارے لیے وبال جان بن جائے گی۔ کوئی کام نہ آئے گی۔ تمہاری چند دن کی دوستی میرے لیے یہیں تک وبال جان تھی مگر ایک دن میرا بھی آئے گا۔'' شرمین نے زنیرا کے سامنے ہاتھ ہلایا تو وہ خیالی دنیا سے واپس آئی تھی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

''یہ تمہاری آنکھوں میں آنسو کیسے؟'' شرمین سمجھ نہ پائی تھی۔

''کنٹرول یور سیلف زنیرا! سبرینہ کو اس ڈیشنگ لڑکے کے ساتھ دیکھ کر تمہارے دل میں کیا بیت رہی ہے۔ آئی نو۔ لیکن لوگوں کے سامنے اپنا موڈ ٹھیک رکھو۔'' جیا نے اس کے سرگوشی کی۔

''جانتی ہوں اور میں ٹھیک ہوں۔ وہ آنکھوں میں شاید دھواں اور مصالحہ اڑ کر آ گیا ہے شاید۔'' زنیرا نے کہا تو جیا اس کو واش روم لے گئی جہاں ہمایوں بہانے سے اس کی طرف آیا تھا۔ سبرینہ ٹیبل پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''ہائے زنیرا!'' ابھی زنیرا نے پانی سے منہ دھویا تھا اور آئینے میں دیکھا تو ہمایوں کا عکس وہاں ابھرا ہوا تھا۔ وہ پیچھے مڑی تھی۔

''یو فلرٹ جب تم ایک لڑکی کے ساتھ آئے ہو، تو مجھ میں کیوں انٹرسٹ لے رہے ہو۔ مجھے تم جیسے لوگوں کا ٹائم پاس بننے کا شوق نہیں ہے۔'' وہ بھڑک ہی تو اٹھی تھی۔

''اوہ تم جیلس فیل کر رہی ہو۔'' ہمایوں اسے کن انکھیوں سے دیکھنے لگا۔

''مسٹر......!'' اس سے آگے وہ کچھ بولنے والی تھی مگر ہمایوں نے ہی اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

''ہمایوں......'' اس نے اپنا نام بتایا تھا۔

''تو مسٹر ہمایوں مجھے اجنبیوں کے ساتھ کسی لڑکی کو دیکھ کر جیلسی فیل نہیں ہوتی۔''

اس بار وہ قہقہہ لگا رہا تھا۔ ''جیسا تم سمجھ رہی ہو ویسا بالکل بھی نہیں ہے۔ وہ میری جسٹ فرینڈ ہے۔'' ہمایوں نے کہا۔

''کیا مطلب جسٹ فرینڈ؟'' زنیرا الجھی تھی۔

''یہ کہ جو جگہ میری زندگی میں تمہارے لیے میں سوچتا ہوں وہ سبرینہ کے لیے بالکل بھی نہیں سوچ سکتا۔''

اب وہ قدرے نارمل ہوئی تھی اور پھر وہ جانے لگی تو اس کا ہاتھ ہمایوں کی گرفت میں آ گیا تھا۔

''چھوڑو ہمایوں! یو ہرٹ می۔'' اسے برا لگا تھا ہمایوں کا اس طرح اس کا ہاتھ پکڑنا۔

''سوری۔'' ہمایوں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

''سنو...... میں......'' ہمایوں نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ وہاں سے جیا کو لے کر چلی گئی۔

''یہ یہاں مری میں کیا کر رہی ہے؟'' سبرینہ ریسٹورنٹ کا گیٹ عبور کر کے باہر جانے والی زنیرا کو دیکھ کر چونکی اور خود سے کہا۔

''زنیرا......'' پیچھے سے ہمایوں کو اس کا نام لیتے سنا جو دونوں ہاتھ سر پر پیچھے کی سائیڈ پر رکھے ہوئے تھا۔

''ہمایوں کیسے جانتا ہے زنیرا کو مجھے جلد ہی کچھ کرنا پڑے گا کہیں ہمایوں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔''

☆......☆

صبح ہی سے وہ اکیلا باہر مری کی وادیوں میں گھوم رہا تھا۔ گھر سے نکلتے وقت فائقہ نے اسے شام سے پہلے گھر آنے کو کہا تھا۔ انہیں اس سے ضروری کام تھا۔ کیا ضروری کام تھا اس بات پر ہمایوں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی بس ضروری کام تھا اس کی ماں کو۔ تو وہ جلدی گھر آنے کا کہہ گیا تھا۔ ہلکی ہلکی برف نیچے گر رہی تھی۔ وہ اس موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا مگر خیالوں میں زنیرا کا چہرہ آجاتا تو اس حسین موسم میں اس کے ساتھ کی شدت سے طلب اٹھی تھی۔

جب اس کا خیال ہی اس موسم کو حسین تر کر گیا ہے تو اس کا ساتھ تو ہر موسم کو کتنا حسین کر دے گا۔'' اس کے دل کا موسم جو اس کے حسین خیال سے خوشنما ہوا تھا۔

جب زندگی کی حقیقت میں وہ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے گی تو زندگی کی کٹھن راہیں دشوار محسوس نہیں ہوں گی۔'' وہ اسی کے خیالوں میں گم موسم کی دلفریبیوں سے محظوظ ہوتا رہا اسے وقت کا پتا ہی نہ چلا۔ اچانک گھڑی پر نظر پڑی تھی اور بھوک بھی بہت لگ رہی تھی۔ اس وقت ماں کے ہاتھ کا بنا کھانا کھانے کا دل کیا تھا۔ وہ سیدھا ساڑھے پانچ بجاتی گھڑی کو ایک بار پھر دیکھ کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا تھا۔ گھر کو دیکھا تو چکا چوند گھر لائٹوں سے سجا ہوا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوا تھا۔ چند مہمان کی صورت شناسا لوگ اس کو مبارک باد دے رہے تھے وہ متحیر و متجسس سا فائقہ کو تلاش کرنے اِدھر سے اُدھر گھر میں دیکھ رہا تھا کہ آخر گھر میں ایسا کیا ہو رہا ہے اور لوگ اسے مبارک باد کیوں دے رہے ہیں۔ وہ سوچ ہی رہا تھا تو پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ فائقہ بلیک ساڑھی پہنی ہوئی نفاست سے تیار کھڑی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

''مما! یہ سب کیا ہے؟ کیا گھر میں کوئی پارٹی ہے؟'' ہمایوں نے پوچھا۔

''ہاں پارٹی ہے مگر تمہارے لیے سرپرائز پارٹی ہے۔ جس کے بارے میں جان کر تمہیں یقیناً خوشی ہو گی۔'' فائقہ نے کہا تو وہ کچھ الجھ ہی تو گیا۔

''مما! جب سے میں یہاں آیا ہوں آپ مجھے کوئی نہ کوئی سرپرائز دے رہی ہیں۔ اب مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوگا۔'' وہ کچھ انہیں خفا سا لگا تھا۔

''خفا کیوں ہوتے ہو۔ وہ اپنے پیچھے دیکھو تمہارا سرپرائز۔'' ہمایوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سبرینہ آنٹی اور گولڈن کام کا نفیس ہم رنگ جوڑا پہنے کسی دلہن کی طرح بجی سمن کے ساتھ چلی آرہی تھی۔ اس وقت وہ ایک الگ لڑکی لگ رہی تھی جس کے چہرے پر کئی جھلمل کرتے رنگ نظر آرہے تھے۔ وہ اس کو دیکھ کر چونکا تھا وہ سوالیہ نظروں سے فائقہ کو دیکھ رہا تھا۔

''بیٹا! اب میں تمہیں بتائے دیتی ہوں۔ تمہاری آج منگنی ہے سبرینہ کے ساتھ۔'' گویا فائقہ نے اس کے سامنے بم پھوڑا تھا۔

''یہ کیا بیٹا تمہارے چہرے پر خوشی کے رنگوں کے بجائے یہ الجھن کیسی کیا تم خوش نہیں ہو اس فیصلے سے؟'' فائقہ ہمایوں کے چہرے کا ایک رنگ جاتا ایک رنگ آتا دیکھ کر کہنے لگیں۔

''مما مجھے یہ منگنی نہیں کرنی۔'' ہمایوں اپنے کمرے میں آیا تھا تو فائقہ بھی اس کے پیچھے آگئی تھیں۔ اس نے منگنی نہ کرنے سے انکار کیا تھا۔

''لیکن تم انکار کیوں کر رہے ہو جانتے ہو سبرینہ کے پاپا مسٹر عمیر عرفان کامیاب بزنس ٹائیکون ہیں اور تمہارے پاپا کے ساتھ انہوں نے کروڑوں کی ڈیل کی ہے تمہارے انکار سے ہمیں کروڑوں کا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔'' فائقہ کی بات

پر ہمایوں انہیں تعجب سے دیکھنے لگا تھا کہ فائقہ کی نگاہیں خود بخود شرمندگی سے نیچے جھک گئی تھیں۔

''مما! میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں مجھے لگتا ہے آپ کو میری خوشی کروڑوں روپوں سے زیادہ عزیز نہیں۔'' ہمایوں نے کہا تو وہ تڑپ اٹھی تھیں اور باہر چلی گئی تھیں۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے سب مہمانوں سے معذرت کرلی تھی جب کہ سبرینہ سے انہوں نے کہا تھا کہ وہ ان کی پسند ضرور ہے مگر ہمایوں کی خوشی سے زیادہ انہیں کچھ بھی عزیز نہیں ہے۔

فائقہ کی بات پر سبرینہ نے انہیں اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کا کہا تھا اور وہاں مزید نہیں رکی تھی واپس چلی گئی تھی۔

☆......☆

''بیٹا! وہ لڑکی کدھر رہتی ہے اس کا گھر کہاں ہے کچھ تو بتاؤ مجھے۔'' فائقہ اس سے ناشتہ کی ٹیبل پر بیٹھی پوچھ رہی تھیں۔

''مما زنیرا کی کزن جیا سے پتا چلا ہے۔ وہ آج شام مسز وقار زنیرا کی مما کی دوست کے گھر پارٹی میں آئیں گی۔ وہیں جانے کا ارادہ ہے میرا آپ کو ساتھ لے کر۔'' ہمایوں نے بتایا۔

''یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے اتفاق سے مسز وقار نے مجھے بھی اپنی پارٹی میں بلایا تھا۔ تمہیں اور سبرینہ کو بھی انہوں نے دعوت نامہ دینے کو کہا تھا۔ سبرینہ کو تو پتا ہے وہ وہاں جائیں گی مجھے تو ڈر ہے تمہیں زنیرا کے ساتھ دیکھ کر وہ اپنے آپے سے باہر نہ ہو جائے۔'' فائقہ کو تشویش لاحق ہوئی تھی۔

''آپ مت گھبرائیں مما! میں بہت خوش ہوں پاپا بھی آپ کی طرح میرے ساتھ ہیں آج وہ سبرینہ کے پاپا سے سبرینہ سے شادی کی بات سے انکار کردیں گے۔'' ہمایوں بولا تھا۔

☆......☆

ہمایوں اور فائقہ مسز وقار کی پارٹی میں پہنچے تھے۔ مسز وقار بڑی خوش اسلوبی سے ان سے ملی تھیں اور مہمانوں سے ملواتے وہ عفیفہ اور زنیرا کی طرف آئی تھیں سبرینہ دور کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔

''عفیفہ تم یہاں کیسے، کتنے سالوں بعد ملی ہو۔'' فائقہ نے اپنی بچپن کی سہیلی کو دیکھ کر انہیں پہچان کر فرطِ محبت سے کہا۔

''فائقہ! مجھے لگا تھا تم اتنے دولت مند آدمی کے ساتھ شادی کر کے مجھے بھول چکی ہوں گی۔'' ہمایوں ان کے اس رشتے سے بہت خوش ہوا تھا۔

مما زنیرا انہی کی بیٹی ہے۔'' ہمایوں نے فائقہ کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ کتنی میٹھی لگی تھی انہیں یہ سرگوشی۔

''عفیفہ میں تمہاری بیٹی زنیرا کا رشتہ اپنے بیٹے ہمایوں کے لیے مانگتی ہوں، پلیز انکار مت کرنا۔'' عفیفہ کو سامنے کھڑا وجیہہ سالڑکا ہمایوں زنیرا کے لیے بہت بھایا تھا۔ زنیرا کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ دسمبر کے یہ چند دن اس کے لیے کتنے باعثِ مسرت ثابت ہوئے تھے۔ سبرینہ یہ سب دیکھ کر جل بھن گئی تھی۔

''تمہاری چند دن کی دوستی میرے لیے یہیں تک وبال جان تھی مگر ایک دن میرا بھی آئے گا۔'' زنیرا کے کہے گئے الفاظ اس کے خیالوں میں گونجے تھے۔

وہ یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلی گئی کہ یہاں مری میں بتائے چند دن دسمبر کے اس کے لیے وبال جان جو بن گئے تھے۔ زنیرا ہمایوں کا ساتھ پا کر بہت خوش تھی۔ باہر برف کے گالے گر رہے تھے۔ بہت ٹھنڈ بڑھ گئی تھی اور وہ دسمبر کے ان یادگار لمحوں کو سیلفی میں مقید کر گئے تھے اور زنیرا کی مسکراتی سیلفی ہمایوں کے موبائل میں قید ہو گئی تھی۔ دسمبر کے یہ چند دن اس کو بہت خوشی دیں گے اسے آج پتا چلا تھا۔ یہ سوچ کر وہ برفباری کو مسکرا کر دیکھنے لگا تھا۔

☆......☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



زندگی تنویر خلیل

افسانہ

وہ رت وہ موسم جو روٹھ گیا

''نہیں یار محبت نے کب، کیسے اور کیوں؟ میرے احساسات کے دریچے کے اندر جھانکا تھا۔ مجھے شاید صحیح طرح یاد نہیں ہاں اسے کالے شلوار قمیص میں دیکھا تھا یا پھر عید کے روز مگر مجھے اس سے محبت تھی۔

کاش کہ جیسے دور کہیں سنسان جزیرے میں نو آموز بچے کو مضبوط اماں مل جائے۔ بالکل اسی طرح مجھے بھی چاہیے کہ یہ آسیب محبت مجھے نہ ڈرائے۔ مقدس رتوں میں شب کے دم توڑتے پہروں میں اور خاموش ٹھہری ملیالی دوپہر میں بھی جب میں آزاد ہوتی تھی۔ سوچوں کے وسیع بیاباں میں بھٹکنے کے لیے۔

میں انہی سوچوں میں غلطاں چمن کو سیراب کر رہی تھی۔ پائپ ہاتھوں میں تھامے یوں کھڑی تھی کہ جیسے مشرق کی ہواؤں کا درشن بس چند لمحوں میں کیا ہو اور ان لمحوں میں مقید حقیقتوں کا ادراک ہوا ہو۔ گہرے گھٹاؤں نے جیسے آسمان کو جا ہی لیا ہو لیکن نہیں یہ سر شام کی بھٹکتی روح کی مانند ایک یاد تھی جس نے مجھے جھنجھوڑ دیا تھا۔

میری ڈائری میں وہ گلاب کب کا سوکھ چکا تھا۔

رات کو خوب جم کے بارش ہوئی تھی یوں جیسے برسوں بعد بارش کو حریت ملی ہو۔ سارے گلاب سرحد چمن پر کھل چکے تھے۔ سارے سبزے یوں رکھتے تھے کہ جیسے کسی نے کینوس پر رنگ بکھیر دیے ہوں۔

گلاب کے پھول یوں بہت چھوٹے سے تھے مگر ان کے درمیان ایک بہت بڑا گلاب سر اٹھائے کھڑا تھا اور آنے والے کو یوں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے پر مجبور کرتا کہ جیسے آٹھواں عجوبہ ہو۔

آوارہ شام فرحت عباس شاہ کا شام کے بعد کی کھلی تفسیر تھی۔ گلابی اوڑھنی اوڑھے ہوئی تھی۔

''عروش!'' اس نے چمن کے سینے پر قدم دھرے تھے۔ میں نے رخ موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ سر کے بال چھوٹے چھوٹے سے تھے۔ تازہ شیو کی نیلاہٹ بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ میں نے مسکرا کر خوش آمدید کہا۔

وہ میرے پاس ہی چمن پر بیٹھا اور پاؤں کے گرد بازو حمائل کیے اردگرد نہیں، قطبین سے بنفشے کے پتے اڑ کر اس کے قدموں میں بکھر گئے تھے۔

''عروش کیا حال ہے، کیسی ہو؟'' اس نے مجھ سے ایسے دھیمے لہجے میں کہا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی میرا پاگل دل دھڑکا تھا۔

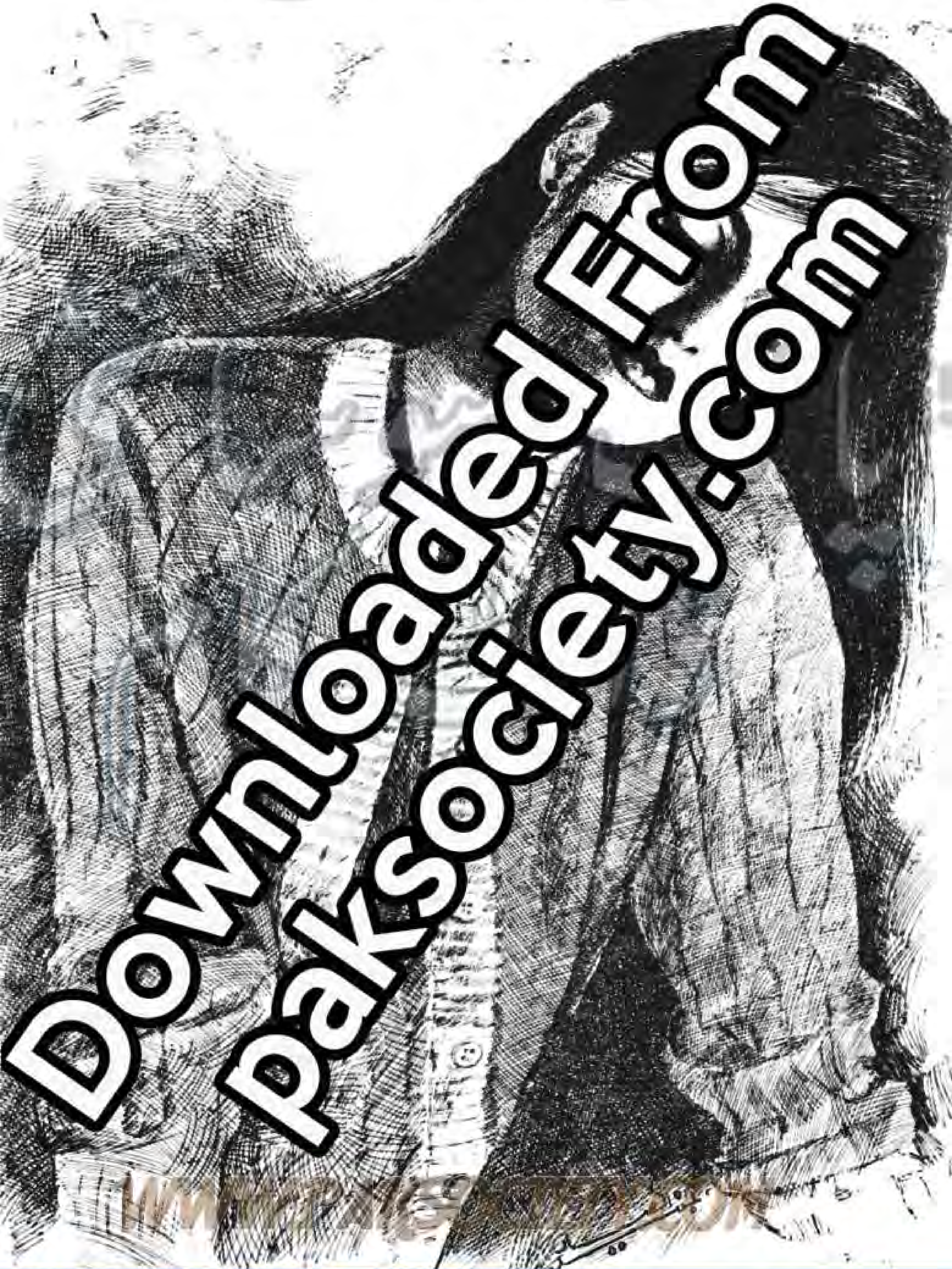
''ہمیں کیا ہونا ہے جو ہونا تھا وہ تو تم نے کر ہی دیا ہے مسٹر!'' اس کے ماتھے پر شام ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔

''ہم نے؟'' حیرت واستعجاب کا کورس ہوا تھا۔

''ہم نے کب آپ کی ذات پر کچھ کیا ہے؟''

''بہت ظالم سماج ہے آج کل تو ظلم کرتے ہیں اور مظلوم بن جاتے ہیں۔'' میں نے پائپ پاؤں پر پھینکی تھی اس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔

''چہ خوب! آپ پر ہم نے ظلم کیا ہے؟'' وہ یوں پوچھ رہا تھا کہ جیسے اسے پتا نہیں تھا مگر یہ سچ تھا کہ اسے



پتا بھی نہیں تھا یا وہ انجان بن رہا تھا۔ خدا ہی جانے۔

''سوچوں پر قابض ہو جانے کے بعد پوچھتے ہو۔ سانسوں کو مٹھی میں قید کرنے کے بعد پوچھتے ہو۔ پیار تو ازل سے امر ہے کیا ہونے والا ہے۔ کیا ہوا؟ ہمیں پتا نہیں مگر تم نے جو دل پر سلطنت قائم کی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ ظلم کا لفظ تو بہت چھوٹا پڑ جایا کرتا ہے۔'' وہ ہنسا تھا۔ شاید میری باتوں پر یا پھر میرے پاگل پن پر۔ وہ دھیرے سے اٹھا اور چلتا ہوا گلاب توڑ لایا۔ میرے ریشمی بال میرے رخسار پر لپٹنے لگے تھے۔

وہ میرے پاس آیا اور میرے بالوں کو سمیٹا، گلاب میرے بالوں میں سجا دیا تھا۔

''یہ چاہتیں، یہ قربتیں، یہ دوریاں سب تمہاری دین ہے۔ عروش! نہ تم فرحت کو اپنے ساتھ لاتی اور نہ ہی میں اس سے یوں پیار کرنے لگتا۔''

اس کی سانس میرے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ہوائیں رکی تھیں بنفشے کے پتے اڑے اور بکھرتے چلے گئے۔

محبوب کے دہن سے یہ سننا کہ ''مجھے وہ پسند ہے۔'' کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کاتب تقدیر اتنا ظالم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ظلم...... ظلم'' لکھتے لکھتے خود بھی اس قدر ظالم بن جاتا ہے اور ظلم کی سیاہی سے تقدیر کے اوراق سیاہ کر جاتا ہے۔

میرا محبوب مجھ سے یہ کہہ کر یہ جا وہ جا ہوا تھا۔ میں ہونق بنی بس حق دق سامنے گلاب کی پتیوں کو دیکھ رہی تھی۔ فرحت میرے مدرسے میں ہی پڑھتی تھی۔ میں چونکہ حفظ کرتی تھی اور وہ تفسیر کرتی تھی۔ ایک دن اتفاق سے اس نے مجھ سے کہا تھا کہ عروش مجھے چند کتابیں چاہئیں۔ میں نے ہامی بھر لی تھی اور اسے ساتھ لے کر گھر آئی مگر مجھے کیا پتا تھا کہ آج عدن وقار آیا ہوگا۔ میں شاید یہ غلطی کبھی نہ کرتی۔ اس نے دوپٹے کا کونہ پکڑ کر چہرے کا نقاب بنایا اور اس کے پاس سے گزرتے ہوئے ہلکے سے آداب کہا تھا۔ اچھا یاد آیا تو عدن اس لیے مسکرایا تھا اور اب مجھ سے یہ کہہ کر گیا ہے کہ ''یہ تمہاری دین ہے نہ تم فرحت کو ساتھ لاتی اور......''

''خدا تمہیں محبت نہ ہونے دے اگر ہو بھی جائے تو یک طرفہ نہ ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہو۔''

''انہی راستوں نے جن پر کبھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک پوچھا تیرا ہمسفر کہاں ہے''

☆......☆

ہواؤں میں حبس کا ظہور آتے ہی نگار من کر لایا۔ منمنایا، تڑپا تھا۔ شام کا وقت ظہور پذیر ہوا، رات کسی باپردہ عورت کی طرح محفل جان بن گئی۔

عدن وقار میرے رشتے داروں میں ہی آتا ہے، ان کے والد صاحب میرے والد کے چچا زاد تھے اور اس کی ماں میری چچی کی بہن تھی۔ وہ زیادہ ہماری حویلی نہ آتا کیونکہ وہ زیادہ اکڑو، کسی حد تک متکبر تھا، وہ اپنی شادی شدہ بہنوں کے ہاں بھی بہت کم جایا کرتا تھا۔

آج پنڈال میں سدا کا اکڑو، اجنبی کٹھور یوں ہنس رہا تھا کہ بس دل بیٹھا سو بیٹھا۔

آنکھوں میں آنسوؤں کی محفل سخن ٹھک کے جمی اور ایک آنسو عین میری ہتھیلی کے وسط پر آ گرا اور پھسلتا چلا گیا۔ ہم انسان بھی کبھی کبھی ان یادوں سے اتنے بے بس ہو جاتے ہیں کہ شاید بنی اسرائیل بھی فرعون سے اتنے تنگ نہ ہوں۔ مجھے یاد آیا۔ وہ جامن کے سائے تلے۔

''تم نے کہا اس سے؟'' وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔ میں نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''دراصل عدن! وہ کچھ احتراز برت رہی ہے۔ تم کچھ وقت انتظار کر لو۔'' میں نے وضاحت دی اور میری وضاحت اپنی ''اوقات'' تلے دب گئی۔ وہ شاید مضطرب ہوا تھا۔ ''لیکن عروش۔''

''اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ شاید یہ یک طرفہ

محبت ہو (جیسے کہ میری تھی) اور یک طرفہ محبتیں اتنی طاقت ور نہیں ہوتیں۔ لفظوں میں وہ حدت نہیں ہوتی جو مقابل کا دل پگھلا سکے۔"

ٹھک سے میری سرمہ آگیں آنکھوں میں ایک آنسو چمک اٹھا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ چند ثانیے چاند بنا مسکراتا رہا۔

"لگتا ہے تمہیں تجربہ بہت ہے۔" اس نے جامن کے پیڑ کے تنے پر دایاں ہاتھ ٹکایا اور بایاں ہاتھ کمر پر رکھ کر شرنگیں مسکراہٹیں اچھالتا رہا۔

"تجربہ بھی اور مشاہدہ بھی۔" میں نے رونے والے جذبے پر مسکراہٹ غالب کرواتے کہا تھا۔ یک لخت وہ سیدھا ہوا۔ اس کی سانسیں ہموار نہیں تھیں۔ آنکھوں میں تحیر اُمڈ آیا۔

"تمہیں کسی سے محبت ہو گئی ہے؟" وہ دم سادھے استفسار کر رہا تھا۔ دل فگار پر نمک چھڑکی، کیسے ظالم ہوتے ہیں یہ محبوب بھی، بہروپیا۔

"ہاں۔" میں نے رخ موڑا۔ کہیں وہ میری لبالب بھری آنکھیں نہ دیکھ لے۔ وہ میرے روبرو آکھڑا ہوا۔

"کس سے؟"

"اس سے جو مجھے اس قابل نہیں سمجھتا۔" میری بونگی وضاحت خاصی مشکل میں ڈال گئی تھی مجھے۔ ابابیلیں یوں ہمہ تن گوش ہو گئیں کہ محبت کی کتھائیں آج دہرانے والی تھیں۔ وقت ٹھہر گیا۔

"کیوں؟"

"وہ اس کیوں پر کان نہیں دھرتا۔"

وہ ہنسا، اس کی ہنسی میں عربی سازوں کی دھن تھی۔ وقت دھول اڑاتا چلا جاتا ہے۔ میری زندگی میں جب پہلی بار ستارے ٹوٹے تھے اور میرے من میں سمٹ کر چھا گئے اور پھر یوں برسے ٹوٹ کر کہ دل کو لہولہان کر گئے۔

☆......☆

پنڈال کی ہنسی رونق، جلترنگ اور نوخیزیاں عروج پر تھیں، خیالوں کی دنیا میں کسی سرمست گھوڑے پر محو سفر ہم تھے اور پھر ام کلثوم نے اس گھوڑے کا لگام یوں کھینچا کہ گھوڑا زور سے ہنہنایا کر لایا۔

"آپ یہاں اتنی خاموش کیوں بیٹھی ہیں۔ وہاں پنڈال میں عدن آپ کی راہ تک رہا ہے۔ ویسے بھی شادی بیاہ کا گھر ہے اور آپ یوں اکیلی، تنہا اور خاموش بیٹھی ہیں۔ یوں تو اچھا نہیں لگتا نا۔" جاپانی ریل گاڑی کی طرح چلتی زبان کو یکدم بریک لگا تھا۔ میں اپنا کچے سیب کے رنگ کا فراک کا کونا پکڑتی، مستانی چال چلتی وہاں سے اٹھ گئی۔

ام کلثوم نے اپنا پراندہ لہرا کر پیچھے کو ڈالا۔ ہونہہ پاگل بس یہی رہ گئی تھی شیر بانو اور ہیر بننے کے لیے۔"

عدن ہمیشہ سے میرا احترام کیا کرتا تھا۔ میں ان دونوں کی قاصد تھی۔ وہ فرحت جو بہت احتراز برت رہی تھی۔ اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔ سچ ہے کہ محبت کا آسیب بھی کسی کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔ اس نے مجنوں کو بھی دست نہ چھوڑا تھا۔ تو ہم کیا ہیں؟

شام کے بعد آسمان پر اکا دکا تارے جھلملا رہے تھے۔ چاند معتبر ہر آنگن میں اپنی چاندنی گرا رہا تھا۔ پھر دفعتاً دودھیا سحاب کے ٹکڑوں نے معتبر چاند کو اپنے اوٹ میں چھپا لیا تھا۔ وہ میرا ہمراز تھا اور یوں سر راہ بزم میں چھوڑ کر داغ بے وفائی دے گیا۔

"چاند! میرے ہمراز ہو کر بھی اسے نہ بتا سکا کہ عروش تنویر تمہیں دل سے چاہتی ہے۔ اس ایک بات پر میں کتنا روئی تھی۔ تمہارے دامن پر محبت کے کتنے داغ ہیں، بس ایک داغ میرے لیے بھی لگا دو اس کے دل پر۔ محض ایک بار بس ایک بار۔"

چاند نہ نکلا، سحاب چھائے رہے، آنگن میں اب ہلکی ہلکی سی بوندا باندی شروع ہوئی، جیسے چاند سے چاندنی روٹھ گئی اور بارش کی بوندیں چند لمحے مستعار لے کر بادشاہت قائم کرنے لگیں۔ آہ! یادوں کی

بارات میں ایک یاد نے کھلکھلا کر سرگوشی کی تھی۔

''اس نے نیلا کاٹن جھاڑا۔''

''تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے ہماری محبت کو پروان چڑھایا۔ دل کے رستے دشوار بہت تھے مگر ان راستوں پر کسی کی ہمسفری سہل کر دیتی ہے۔ محبت تو اتنی سہل نہیں مگر ناممکن بھی نہیں ہے۔ تمہارا ساتھ اس دشوار راستوں پر میرے لیے ایک گھنا سایہ بن گیا تھا۔ تمہارا شکریہ۔'' میں نے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔ بے ترتیب ہوتی سانسوں کو ہموار کیا۔

''محبت کے ہم بھی قائل ہیں عدن! اور ان راستوں پر جو بہت سوں کے روح اور جگر چھلنی کر چکا ہے۔ کسی دو دلوں کا ملن کرواتا۔ دنیا کی آنکھوں کے سامنے معتبر کیے دیتا ہے۔''

''عروش! بہت شکریہ۔'' یہ کہہ کر وہ جانے لگا تھا۔ معارکا، مڑا مسکرایا۔

چند منٹ بعد وہ آیا اور مجھے ایک گفٹ پکڑا کر یہ جا وہ جا ہوا تھا۔ اس میں شہرہ آفاق ناول۔ ''خدا اور محبت تھا۔'' میں نے رخسار پر بہتے آنسو چن لیے۔

☆......☆

عدن وقار اور فرحت کی ملاقاتیں کروائیں۔ کئی بار اپنی حویلی میں بلوا کر اپنے کمرے میں بٹھایا۔ یہ راستے ہموار کیے۔ پھر عدن نے ایک دن مجھ سے کہا تھا کہ تم میری محبت کی امین ہو۔ رات گئے میں اس جملے کو یاد کرتے روتی رہی۔ سبز گول دریچے کے پار چاند کو دیکھتی رہی۔

وہ جب روٹھتی، عدن منہ لٹکائے میرے پاس چلا آتا۔ میں سیدھا فرحت کے پاس جاتی، اسے مناتی، اسے سمجھاتی مگر وہ خاموش نظروں سے مجھے دیکھتی۔ میں الجھ جاتی وہ یوں دیکھتی کہ جیسے میں کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میں نے تو پہلی عروش تنویر کو بھی چھپالیا تھا۔

گلابی آنچل، گلابی شام میں اداس لگ رہا تھا۔

فرحت مجھ سے کہہ رہی تھی اور میں سن سی اسے سن رہی تھی۔ ساعتیں، ساعتوں کے پردے چاک کرنے لگی تھیں۔

''عروش! میں سمجھتی تھی کہ محبت ہر کسی کو مل جاتی ہیں جیسے کہ مجھے مل رہی ہے اور اس خیال کو ہنس کر رد کیے دیتی کہ آیا محبت بھی کسی کی نہیں ہو سکتی۔ ہونہہ۔'' وہ دریچے کے پار نظر کے دسترس میں آنے والے ستاروں کو دیکھ رہی تھی جو کہ محبت کے ٹوٹے ہوئے ستارے تھے۔

''ایک پل، ایک لمحہ محبوب کو کسی دوسرے کے ساتھ دیکھ کر دل پر کیا بیتتی ہے؟ اپنی محبت مسخ کر کے محبوب کے مان کو معتبر رکھنا کیسے، ہواؤں کو رکنے پر مجبور کرتی ہے؟'' ''عروش کیسے؟ کیسے ہوتا ہے؟''

وہ میرے مقابل کھڑی تھی۔ انگارے جیسے نیناں، تپش یوں پھوٹتی تھی کہ ہر ذی روح کو بھسم کر دیں۔

میں نے تھوک نگلا۔ مسکرائی۔

''اتنی مشکل باتیں فرحت! مجھے مشکل میں ڈال رہی ہیں۔'' وہ لب بھینچے آگے ہوئی۔

''اداکاری مت کرو عروش۔''

''میں اداکارہ نہیں ہوں فرحت! میں بس خاموش تماشائی بن کر محبت کا کھیل دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''اداکارہ نہیں مگر بن رہی ہو۔ مسکراہٹ مصنوعی ہے تمہاری، تمہارا تنفس پھول رہا ہے۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب ہے، غزال آنکھوں میں سہم ہے۔ عروش مت بھولو۔''

''مجھے نہیں پتا۔ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔'' میں صاف مکر گئی۔ گلابی شام کا آنچل دھیرے دھیرے سرکنے لگا تھا۔ ٹپ...... ٹپ...... ٹپ شربتی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

''فرحت! تم رو رہی ہو؟'' میں نے مضبوطی سے اس کا کندھا تھاما۔

''ہاں، ہاں عروش! میں رو رہی ہوں، تمہارے

ظرف پر، تم عدن سے محبت کرتی ہو اور وہ مجھ سے اور تم نے ہم دونوں کو یکجا کیا، کیوں؟" میری دھڑکن تھم کر پتھر کی بن گئی۔

"کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں چھوٹی ہوں۔"

"تو کیا چھوٹوں کے سینے کے اندر دل اور دل کے اندر ارمان نہیں ہو سکتے؟ کیا ان کے معصوم اور کم سن دل میں محبت نہیں پنپ سکتی۔" وہ چیخ اٹھی۔

"فرحت! چھوڑو یہ بے کار کی باتیں۔"

"کیوں چھوڑوں۔" یادیں سمٹ گئیں اور جھولی میں گرنے لگی تھیں۔ خوش شکل پریاں سفید لباس پہنے گھمر گھومنے لگی تھیں۔

آج مہندی کی رسم ہو چکی تھی۔

☆......☆

دریچوں پر سرخ حریری پردے لٹکائے گئے تھے۔ حجلہ عروسی میں جہازی سائز بیڈ کے پائنتی پر فرحت بیٹھی خالی خالی نظروں سے خلا میں گھور رہی تھی۔ ان کی والدہ نے مجھے بلایا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ فرحت اکیلی ہے اور یوں بھی آپ ان کی اکلوتی بچی والی سہیلی ہیں۔ سو برائے مہربانی کر کے ذرا ہمارے گھر کی راہ لیں۔ میں اپنے محبوب کی دلہن کو سجا رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے دل کے رستے نکلتی آہوں کو دباتے ہوئے فرحت بہت خاموش تھی۔ ان دنوں جب خزاں نے کوچ کرنے کی ٹھانی۔ اداس کرنیں مسکرانے لگیں تو بہار بھی جھوم اٹھی۔ پرندوں کے کھوکھلے چونچوں میں جیسے جان پڑ گئی تھی۔

موسم بہاراں تھا۔ دل خزاں پلٹ ہی رہا تھا۔ خزاں کے عادی اپنے جون میں واپس نہیں آتے۔ آنا چاہ ہی نہیں رہے ہوتے۔ جب ساری چاہتیں ہی مسخ ہو گئی ہوتی ہیں۔

"عدن وقار! جو فرحت سے سچی محبت کرتا ہے۔ اس محبت کو شادی کی مقدس سیڑھی چڑھانے کے لیے سیدھا میرے پاس ہی آیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ آپ جا کر میری والدہ سے کہیے۔" میں نے مسکرا کر کہا تھا کہ یہ ہماری باتیں نہیں ہیں اور ویسے بھی یہ باتیں بزرگوں کے منہ سے ہی اچھی لگتی ہیں۔ بزرگ جو چاہے وہ کر سکتے ہیں۔" سن کر اس نے منہ لٹکایا اور کہا تھا۔

"میری والدہ سے تو کہہ سکتی ہیں نا۔" پھر طے یہ پایا کہ اگلی جمعرات کو میں ان سے بات کروں گی۔ پروگرام کے عین مطابق میں ان کی والدہ سے ملنے گئی۔ ان سے ان کے صاحبزادے کی خواہش جو ابھی ابھی جنون کا روپ دھار چکی تھی ظاہر کی۔ ان کی والدہ نے بخوشی اس بات کا عندیہ دیا کہ معاملہ صاف ہی سمجھیں۔ یہ بات جب میں نے عدن کو سنائی تو وہ باقاعدہ ناچنا شروع کر دیتا اگر جو میں اس کو یہ کہہ کر نہ روک لیتی۔

"اب بھی معاملہ پنڈولم کی طرح ہے مسٹر!" اور مسٹر کا فشار خون یوں تیزی سے چڑھا کہ شرط لگی اگر یہ معاملہ صاف یعنی مثبت ہوا تو میں آپ کو آرگاڑی میں دسمبر کی ٹھٹھرتی سرد رات میں ان تارکول بچھے سنسان سوئے ہوئے سڑکوں پر تانگے میں بٹھا کر سیر کرواؤں گا۔ اور پھر ہوا یوں کہ عدن کی والدہ کو اوکے کا اشارہ ملا۔ رسم بھائی منگنی رچائی اور اگلے دو ماہ میں اسے خوب صورتی سے قصرِ وقار لانا تھا۔ دسمبر کی ٹھٹھرتی اور سنسناتی شب کو وہ مجھے ان سوئے، سنسان بچھے تارکول سڑک پر گھماتا رہا۔ ایک آئس کریم پارلر سے بصد اصرار آئس کریم کھلائی۔

کل ہی تو ان کی مہندی ہوئی تھی۔ اب یعنی آج بارات محبت تھی۔ میں نے دو دلوں کو ملانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میں ابھی فرحت کی خواب گاہ میں کھڑی اس کے بالوں میں پنیں لگا رہی تھی۔ وہ مکمل طور پر خاموشی کی چادر کی دبیز کرنے کی سعی کر رہی تھی۔

"فرحت!" دفعتاً خاموشی کی چادر کو میں نے سرکایا۔ اس نے رخ موڑ کر مجھے دیکھا۔

"تم اداس ہو؟" سرخی ملی رخسار دہک اٹھے۔

''نہیں ہوں گی؟''

''اس میں عدن کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' میں نے وقتی طور پر اس کا دفاع کیا تھا۔

''سمجھتی ہوں خوب تمہاری ان اداؤں کو۔'' فرحت نے خفگی سے کہا۔

''دراصل فرحت! میں اس سے تب محبت کرنے لگی تھی۔ جب تم اس سے کتابیں مانگنے آتی تھیں۔ بلکہ اس سے بھی پہلے مگر وہ تم کو......'' فرحت نے درشتگی سے میرے الفاظ کاٹے اٹھی اپنا لباس سنبھالتی ماتھے پر بل لیے ناک سکوڑ کر بولی۔

''مگر وہ تم کو چاہتا ہے اور محبوب کی خوشی دراصل محبت کی جیت ہے۔ یہی، یہی کہنا چاہتی ہو تم ہے ناں؟''

☆......☆

عدن شیروانی میں بہت خوب صورت لگ رہا تھا یونانی دیوتا سے ٹکر لینے کی حد تک۔ چاند معتبر، صبح کی رنگینیوں میں کہیں ڈوب چکا تھا۔ محبت کی دیوی یوں جیسے آج مغموم مغنیہ بنی نغمہ سرائی میں مگن تھی۔

دلہن کی طرح سجی گاڑی سفید گیٹ کے سامنے آرکی تھی۔ باراتیوں کی ''جم غفیر'' ''شور!'' کرتا عدن کی دلہن کو اپنے ساتھ میں لینے آگئے تھے۔ زرد آنچل کے سائے میں، میں دونوں شانوں سے مضبوطی سے تھامے فرحت کو اونچے پھسلواں سنگِ مرمر کے برآمدے کے وسط میں رکھے گئے صوفے تک لے جارہی تھی۔ کتھئی صوفے پر ساحر بیٹھا ضبط کے صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔

دل پر پڑی فسوں گری آہ!

کہتے ہیں کہ عاشق اور معشوق اس کچے دھاگے کی طرح ہوتے ہیں جس کا سرا ایک ظالم شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ اس دھاگے کو مضبوطی سے یا ڈھیلی چھوڑنے میں گریز کرتا ہے۔ اگر مضبوطی سے تھامے تو دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر ڈھیلی چھوڑ دیں تو ہوا اس پر قابض ہوجاتی ہے اور دور کہیں اڑا لے جاتی ہیں۔

میں نے فرحت کو عدن کے پہلو میں بٹھایا، مسکرائی اور کیمرے کی آنکھ سے اس حسین منظر کو جو کہ میرے حواسوں کو سلب کررہا تھا اور میرا محبوب سورج بنا بیٹھا تھا۔ محفوظ کیا۔

دھیرے دھیرے رسمیں شروع کیں، رسموں کے بعد باراتیوں کو چائے پلائی گئی اور اس مرحلے میں فرحت کی ماں جی میرے پاس دوڑی چلی آئی تھیں۔

''عروشہ بیٹا جلدی سے باراتیوں کے چائے کا انتظام کیجیے۔ میں ذرا فرحت کے سسرالیوں کی آؤ بھگت کرتی ہوں۔''

''جی ٹھیک۔''

لبالب بھرے نینوں کے کٹوروں میں سے کسی آنسو کو یہ اختیار نہ ملا تھا کہ میرے دامن میں گر کر میرے دامن کو بھگودیں۔ آنسو میرے صبر کی توہین کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لاج رکھ لی تھی۔

چائے کے بعد علاقائی رسم ہوئی اور قرآن کے سائے تلے فرحت کو اس کے ساتھ بٹھایا گیا۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور فرحت کی والدہ ماجدہ نے آنکھوں کے اشارے سے کہا۔ ''محترمہ! آپ کی راہ دیکھ رہی ہیں۔'' میں بھاگم بھاگ پہنچی۔ اس کا سنگار آنسوؤں نے صاف کردیا تھا۔

''عروش! بانو قدسیہ کہتی ہے کہ عشق انسان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ اس عشق نے تمہارے مان، جذبوں کی صداقت کو پرکھ لیا کہ اہل وفا کبھی بھی کسی کے دامن کو بے وفائی کے داغ سے داغدار نہیں کرتے۔ یہ خصلت عشق کی افتخار ہے۔'' گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ گلی کے نکڑ سے گزر کر میں اسے دیکھتی رہی۔ میں نے محبوب کو اس کی محبت دلائی۔ میں بہت خوش ہوں بس پتا نہیں کیوں یہ گرم گرم آنسو میرے رخسار پر پھسل رہے ہیں۔ پتا نہیں کیوں؟ میرا گریبان بھگو رہے تھے۔

☆......☆

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلے وار ناول

قسط نمبر 6

زندگی پھول ہے محبت خوشبو

"سنو لڑکے۔"

"دیکھئے باجی میں آپ سے تو بالکل بات ہی نہیں کر رہا، میں تو ان سے مخاطب ہوں، اچھا خاصا فٹ پاتھ پر



کھڑا تھا، گاڑی مجھ پر چڑھانے کا ارادہ تھا کیا۔"

"وہ اصل میں غلطی ہوگئی سوری۔"

نیل فر نے جھٹ معذرت بھی کرلی کیونکہ شہوار سے مسلسل باتوں میں اس کا پاؤں ایکسلیٹر پر زیادہ ہی زور سے پڑ گیا تھا، اگر بروقت بریک نہیں لگاتی تو زبردست نقصان ہوتا۔

وہ تو اللہ نے بچا لیا، نیل فر نے شکر ادا کیا۔

"لگتا ہے آپ کو کسی نے یہ نہیں بتایا آپ ڈرائیونگ بہت بری کرتی ہیں۔" حمزہ مسلسل شرمندگی کے ساتھ اسے زچ کئے دے رہا تھا۔

"ارے لڑکے تم کیا اب ناک سے لکیریں نکلواؤ گے، سوری کر تو لیا ہے۔" شہوار چڑ گئی۔

"ایسے تو سوری قبول نہیں کروں گا۔" حمزہ نے فرنٹ ڈور کھولا۔

شہوار نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔



''دیکھیے باجی آپ پیچھے کی سیٹ پر بیٹھ جائیں، میں ادھر بیٹھوں گا۔''
''کس لئے؟'' شہوار نے اپنی جگہ بیٹھے ہی کہا۔
''اس لئے کہ میری بائیک کا ٹائر پنکچر ہو گیا ہے اور اسے بننے میں ٹائم ہے، میں گھر جانا چاہتا ہوں آپ کو مجھے ڈراپ کرنا پڑے گا، ارے اتریئے یہاں سے۔'' حمزہ نے اب ذرا ڈپٹ کے کہا۔
نیل فر تو کچھ بول ہی نہیں رہی تھی وہ سب جانتی تھی وہ کون ہے۔
''دیکھو اگر تمہیں اپنے گھر جانا ہے تو تم یہ گاڑی لے جاؤ ہم دونوں رکشے سے گھر چلے جائیں گے۔''
نیل فر شپٹا گئی گھبرائی ہوئی ہو گی وہ اگر اس کے ساتھ چلی گئی تو یہ ٹھیک نہیں ہو گا۔
''جی میں اور آپ کی گاڑی لے جاؤں، بے وقوف نظر آتا ہوں، پیچھے سے آپ دونوں پولیس میں گاڑی چوری کی کمپلین کر دیں گی اور میں تو بے موت مارا جاؤں گا۔ میرے باپ کو نہیں جانتی ہیں وہ اپنی عزت کے لئے کیا کچھ کر جاتے ہیں۔'' وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔
''میں ایسا بالکل نہیں کروں گی۔'' نیل فر نے یقین دلایا۔
''نہیں جی آپ مجھے ڈیفنس چھوڑیں۔'' اس نے پورا ایڈریس اسے سمجھایا۔
''گاڑی چلانی مجھے آتی بھی نہیں ہے۔'' اس نے بتایا۔
''واہ! آپ کے والد محترم نے بڑی لگژری آٹو میٹک گاڑی دلائی ہے۔''
وہ اس کی خوبصورت گاڑی کو ستائشی انداز میں دیکھ رہا تھا۔
نیل فر کے ماتھے پر پسینے کے قطرے واضح ہو رہے تھے، وہ حمزہ کو جانتی تھی کون ہے اور اگر وہ یوں وہاں چلی گئی تو؟ اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔
''میں اتنی لانگ ڈرائیو نہیں کر سکتی۔'' اس نے قدرے توقف کے عذر پیش کیا۔
''بس نخرے شروع ہو گئے۔ سوچ لیں میں پھر پولیس تک جا سکتا ہوں۔'' حمزہ نے ہنسی روک کے ڈرایا۔
حمزہ کا سیل اسی وقت بیپ دینے لگا۔
''امی بس آ رہا ہوں اور ہاں بڑی زبردست سچویشن کے ساتھ۔'' وہ اپنی ماں کو بتا رہا تھا۔
نیل فر اور شہوار ایک دوسرے کو تذبذب میں دیکھنے لگیں۔
''مام! میں آ کے بتاتا ہوں، او کے سی یو۔'' اس نے بات کر کے اپنا سیل بند کیا۔
''جلدی چلیے میری ماں پریشان ہو رہی ہے۔'' وہ سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا۔
نیل فر کو مانتے ہی بن رہی تھی، گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی، دل کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا کوئی طوفان آ گیا ہو۔
حمزہ اسے راستہ بتاتا جا رہا تھا اور وہ چپ چاپ ڈرائیو کر رہی تھی۔ پنک کپڑوں میں اس کی رنگت سفید پڑ گئی تھی، بڑی مشکل سے خود کو کنٹرول کیا ہوا تھا۔
''بس بس روک دیں۔'' وسیع و عریض رقبے پر پھیلے بنگلے کے آگے گاڑی رکی تھی، ایریا ایسا تھا اور شام کا ٹائم تھا پھر بھی یہاں سناٹا تھا۔
فرنٹ ڈور سے نکل کے اس نے بیل ڈور پر ہاتھ رکھا، گیٹ آٹو میٹک تھا، کھل گیا، چوکیدار نے آگے بڑھ کے گیٹ کو اور کھولا۔

''آپ لوگ بھی آئیے۔''

''نن....نہیں ہم نہیں آسکتے۔''

نیل فر تو وحشت زدہ ہوگئی، نیم پلیٹ پر شکیل احمد دیکھ کر تو وہ اور ہی احساس میں چلی گئی۔

''ارے میری ماں سے تو مل کے جائیے۔'' وہ بضد تھا۔

پیچھے سے کسی گاڑی کے ہارن پر نیل فر نے ناگواری سے مڑ کے دیکھا۔

''اوہ یہ اپنے برادر بھی ادھر ہی ہیں۔'' حمزہ نے فہد کو دیکھا۔

''آپی نکلیے۔''

''میں چلوں گی۔''

وہ گاڑی کو راستہ دینا چاہتی تھی، سمجھ گئی تھی اسی گھر کے لوگ ہیں۔

''یار حمزہ! گاڑی اندر کیوں نہیں جا رہی۔''

فہد نکل کے باہر آگیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی نیل فر کو دیکھ کر ہزار والٹ کا کرنٹ لگا اور نیل فر بھی وحشت زدہ ہی ہوگئی، شہوار نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا، دونوں کی ہی حالت عجیب ہوگئی تھی۔

فہد کچھ بولنا ہی چاہتا تھا مگر آواز منہ میں ہی دبالی۔

نیل فر نے نگاہ چرائی کیونکہ اتنی مہنگی ترین گاڑی کو فہد استفہامیہ نگاہوں سے ہی دیکھ رہا تھا۔

نیل فر نے گاڑی اسٹارٹ کی مگر حمزہ تو آگے ہی آگیا۔

''کہاں چلیں محترمہ! اپنا نمبر وغیرہ دیں۔''

''ارے تم تو ہماری جان کو ہی آگئے ہو جانے دو اب تو۔''

شہوار نے ہی سچویشن سنبھالی کیونکہ نیل فر تو بولنے کے قابل ہی نہیں تھی۔

''یہ کون؟''

''ارے فہد بھائی یہ محترمہ تو مجھے ٹھوکنے والی تھیں میں بھی جان کا عذاب بن کے ان کو یہاں تک لے آیا۔''

''اب جان کا عذاب بن کے ان کے گھر تک بھی جاؤ۔''

فہد کو اپنی پڑی تھی کسی طرح گھر بھی پتہ چل جائے۔

''گھر ان کا پتہ ہے مجھے۔''

نیل فر تو اچھل گئی اور پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ ہی کردی۔ حمزہ کو بھی ہٹنا پڑ گیا وہ یہ جا وہ جا ہوگئی۔

''شہوار وہ فہد بھی وہاں آگیا، اگر اس وقت ابو ہوتے یا پھر یہ حمزہ زبردستی اندر لے جاتا تو کیا ہوتا۔'' نیل فر کا خون ہی خشک ہوگیا تھا۔

''میں تو اوپر والے کا کرشمہ دیکھ رہی تھی، تمہیں وہاں تک بھی لے گیا اے اللہ اسے اس گھر میں بھی پہنچا دینا۔''

شہوار نے ساتھ ہی دعا بھی کی۔ دونوں پورے راستے پھر خاموش ہی رہی تھیں۔

☆......☆

''امی! ان دونوں کی شکلیں دیکھنے والی تھیں۔ ایسی خوفزدہ ہوگئی تھیں کیا بتاؤں۔'' حمزہ سب کو ہی ان دونوں کے بارے میں بتا رہا تھا جبکہ فہد کو یہ تسلی تھی، حمزہ کو ان کے گھر کا پتہ ہے۔

مگر فہد کا دماغ اس بات پر الجھا ہوا تھا سلام ڈرائیور کی بھانجی اتنی مہنگی ترین گاڑی میں تھی، اس دن تو شاپنگ

مال میں اتنی ڈرپوک سی لگ رہی تھی اور آج تو وہ اتنی پر اعتماد انداز میں ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ڈرائیونگ کر رہی تھی۔

"فہر بیٹا! تم کچھ لے کیوں نہیں رہے۔" ثریا نے اس کے آگے سینڈوچ کی پلیٹ رکھی۔

"جی مامی لے رہا ہوں۔"

"فہر بھائی! کیا بات ہے اس لڑکی کے حسن کے پیچ وخم میں کھو گئے ہیں۔" حمزہ نے معنی خیز اور شرارتی لہجے میں مسکرا کے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ جھینپ گیا۔

"کیا وہ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔"

ثریا کو بھی تجسس ہوا، وہ چیئر کھسکا کے بیٹھ گئیں۔

فہر نے حمزہ کو گھورا اور سینڈوچ اٹھا کے کھانے لگا، واقعی وہ نیل فر کے خیالوں میں ہی کھویا ہوا تھا۔

"امی! آپ کو بتایا تو ہے خوبصورتی میں یکتا۔"

"میک اپ کا کمال ہوگا۔" وہ مسکرا کے گویا ہوئیں۔

"امی وہ میک اپ نہیں کرتی ہیں، انتہا سے زیادہ ڈرپوک ہی لگتی ہیں مگر میں یہ دیکھ کر حیران ہوں برانڈ ڈ گاڑی ڈرائیو کر رہی تھیں، مجھے تو رشک آرہا تھا۔"

"تمہارے ابو بھی تمہارے لئے کوئی کمی نہیں چھوڑتے ہیں۔ گزشتہ ماہ اسپورٹس بائیک تمہیں گفٹ تو کی ہے، دوسروں کو دیکھ کر کب سے رشک کرنے لگے۔" ثریا نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"تمہارے ابو جب ضرورت محسوس کریں گے تمہیں گاڑی دلوا دیں گے۔"

"مامی! میں اب چلوں گا۔"

"ارے بیٹا بیٹھو، آتا ہی ہوگا ضیاء بھی اور تمہارے ماموں بھی۔" ثریا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

فہر کے دل میں تو بے چینیاں بڑھ گئی تھیں، نیل فر اس کے اتنی قریب سے گزر گئی تھی وہ کچھ بھی نہیں کر پایا تھا۔

"امی! فہر بھائی لگتا ہے واقعی اس لڑکی کی زلف کے اسیر ہو گئے ہیں۔"

"زیادہ فضول نہیں ہانکو۔" اس نے حمزہ کے پاؤں پر پاؤں مارا تھا۔

"لگتا ہے لڑکی خوبصورت ہے میرے بیٹے نے تو اس کے متعلق کافی کچھ بتایا ہے۔"

"مامی! آپ اس کی فکر کریں ابھی بیس کا بھی نہیں ہے اور لڑکیاں پسند کرنے لگا۔"

"جی نہیں مجھ سے بڑی ہیں، میں تو آپی یا باجی بولتا ہوں اور یہ میرا اصول ہے اپنی سے بڑی لڑکی کو آپی باجی ضرور بولتا ہوں۔" اس نے چائے کے سپ لئے۔

"فہر بھائی! مزے کی بات بتاؤں، وہ جو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی تھیں ان کی وہ دوسری والی جانے بہن تھی یا فرینڈ وہ تو میرے باجی کہنے پر لڑنے ہی لگی تھیں۔"

فہر اور ثریا ہنسنے لگے تھے، کچھ ہی دیر میں ضیاء اور شکیل احمد بھی آگئے تھے، فہر نے دونوں سے ہی سلام ودعا کی تھی۔

"ہم تو بس نکلنے ہی والے تھے آپ بھی آگئے۔"

زہرہ اندر مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں، وہ آج فہر کے ساتھ چلی آئی تھیں۔

"پھپھو! آپ کو بھی فرصت مل گئی۔" ضیاء نے خوش ہو کے کہا۔

"تم بھتیجوں اور بھائی بھاوج کو تو فرصت نہیں ایک ہی بہن ہے اس کی خیر خبر ہی لے لیں۔" وہ شکوہ کرنے لگیں۔

''پھپھو! صاف کہیں ہماری امی منع کرتی ہیں کیونکہ نند بھاوج کا بیر تو شروع سے ہی چلتا آرہا ہے۔''
''فضول بکواس نہیں کیا کرو۔'' ثریا نے ایک زوردار تھپڑ اس کی پشت پر لگایا تھا۔
''اوئی امی اتنی زور سے مارا ہے۔'' وہ منہ بسورنے لگا۔ سب ہی ہنسنے لگے تھے۔
''اور زہرہ، فہر کی شادی کب کر رہی ہو۔''
''یہ ہاتھ ہی نہیں آرہا، میں نے تو یہ تک کہہ دیا ہے کوئی اگر پسند ہو تو بتا دے۔'' وہ فہر کو دیکھنے لگیں جو مسکرا رہا تھا۔
''پھپھو! ابھی جو لڑکی تھی آپ بھی دیکھ لیتیں نا جھٹ فہر بھائی کے لئے پسند کر لیتیں۔''
''کون سی لڑکی؟'' شکیل احمد نے بھی پوچھا۔
''آپ کے صاحبزادے کو آج پھر وہی لڑکی ملی تھی اسے ڈرا دھمکا کے اسی کی گاڑی میں گھر تک آیا ہے۔'' ثریا نے پھر تفصیل سے بتایا۔
''شریف لڑکی تھی جو شور نہیں مچایا ورنہ وہ دونوں اسے مل کر پیٹ بھی سکتی تھیں۔'' ضیاء نے ہنس کے کہا۔
''فہر بھائی آپ تو کچھ کھوئے کھوئے ہو گئے ہیں۔'' حمزہ مسلسل اسے فوکس کیے ہوئے تھا۔
وہ جواب میں جھینپ کے اسے گھورنے ہی لگا۔
''پھپھو! ان کی سچ میں شادی کر دیں۔''
''مامی! یہ میرے ہاتھوں بہت پٹے گا۔''
فہر اپنی چیئر سے اٹھا جیسے اسے مارنے کے لئے وہ اندر کی طرف بھاگ گیا۔
ثریا اور شکیل احمد نے انہیں رات کے کھانے پر روک لیا اور پھر فون کر کے مہا دا اور سجاد احمد کو بھی بلایا تھا۔ فہر اور ضیاء تو باہر ڈرائیو پر نکل گئے تھے۔ فہر نے ضیاء سے بھی نیل فر کے متعلق کچھ شیئر نہیں کیا تھا وہ ویسے بھی سیدھے طریقے سے اپنا رشتہ بھیجنا چاہتا تھا۔

☆......☆

''بھلا شخص ہے، راہ چلتے لوگوں کی بھی مدد کرتا ہے۔''
امی تو اس دن سے ڈاکٹر شہیر کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی تھیں، رمضہ کوئی بھی کمنٹس پاس نہیں کرتی تھی مگر اس وقت اسے ناگوار ہی گزر رہا تھا، وہ جانے کے لئے تیار بیٹھی تھی اور اپنی وین کا انتظار کر رہی تھی۔
''امی بس بھی کریں ایک دفعہ کی ملاقات میں، ہم کسی کے متعلق نہیں جانتے۔'' رمضہ نے تیز لہجے میں کہا۔
''تمہیں تو ہر کوئی غلط ہی لگتا ہے۔''
انہوں نے ذرا برا مان کے کہا ساتھ ساتھ وہ ناشتے کے برتن بھی دسترخوان سے اٹھا رہی تھیں۔
اسجد اور ثمرہ تو اسکول و کالج کے لئے نکل چکے تھے وہ آخر میں جاتی تھی۔ نوید احمد بھی اپنے کمرے میں لیٹے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ رمضہ کی محتاط طبیعت سے واقف تھے، وہ گھر کی تمام تر ذمہ داریاں بالکل بڑے بیٹے کی طرح سنبھالے ہوئے تھی۔
''میں انہیں غلط نہیں کہہ رہی مگر آپ کی تعریفیں مجھے اچھی نہیں لگ رہی ہیں۔''
اتنے میں وین کے ہارن کی آواز آئی تو وہ اپنا دوپٹہ اچھی طرح اوڑھ کے کھڑی ہوئی۔
''اچھا امی! جا رہی ہوں، اللہ حافظ۔'' اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔
آفس آ کے بھی اس کا ذہن الجھ گیا تھا، امی سے وہ اتنے سخت لہجے میں بولی تھی اسے شرمندگی بھی ہو رہی تھی۔

''ہیلو مس نوید۔'' شہیر نے سی گرین پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی رمضہ کو دیکھا، شہیر کو وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی دل کر رہا تھا اسے یونہی لمحوں کو امر ہوتے دیکھتا رہے مگر پھر اپنی پوزیشن کا بھی خیال تھا جھٹ سنبھل بھی گیا، پورا ہوسپٹل ہی اس وقت گہما گہمی میں تھا۔

''مس نوید۔'' اس نے کاؤنٹر پر کی رنگ بجائی۔

رمضہ نے چونک کے اسے دیکھا، جھینپ کے لب بھینچ لئے تھے۔

''کیا بات ہے، آپ کسی پرابلم کا شکار ہیں۔''

''نہیں سر! ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اس نے کمپیوٹر کے مانیٹر پر نگاہ جما دی۔

''اوکے میں ویسے بھی پرسنل کسی کی شیئر نہیں کرتا کیونکہ لوگ اکثر پسند نہیں کرتے ہیں۔'' شہیر کا اشارہ صاف اس کی طرف ہی تھا۔

''اینی وے، آپ کل شام کی ساری رپورٹس ریڈی کر دیں تاکہ مجھے مل جائے۔''

''اوکے سر!'' اس نے سر ہلایا۔

شہیر کاؤنٹر پر موجود دوسری لڑکی سے کسی رپورٹس کی بات کرنے لگا۔

رمضہ نے کن انکھیوں سے دیکھا، وہ مکمل فائل میں بزی تھا۔ شہیر پھر کوریڈور میں چلا گیا، وہ آج کام میں اتنی بزی رہی کہ اسے کھانے تک کا خیال نہیں رہا۔

''مس نوید! آپ کیا بھوک ہڑتال پر ہیں۔''

''نہیں تو سر۔'' وہ اچھل گئی۔

''پھر کھانا کیوں نہیں کھایا۔'' وہ مسکرا کے پوچھ رہا تھا۔

''وہ کام میں اتنی معروف رہی خیال ہی نہیں رہا۔''

اس نے سر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے خوش دلی سے شہیر کو بغور دیکھا۔

''سر! میں نے ان سے لنچ کا کہا تھا مگر یہ کہتی رہیں بھوک نہیں ہے۔'' ریسپشن پر موجود زرین نے بھی تائید کی کہا۔

''وہ اصل میں سر کام زیادہ تھا اس لئے میں نے سوچا کام ضروری ہے۔'' وہ جھٹ گویا ہوئی۔

''مس نوید! کام کے لئے صحت بھی ضروری ہے اور صحت اسی وقت ہوگی جب آپ کھائیں گی، پئیں گی وقت پر تو ہی آپ میں انرجی ہوگی تو کام کر سکیں گی۔'' مسکرا کے اسے کافی لمبا لیکچر دے رہا تھا۔

رمضہ جز بز سی ہوگئی۔ جتنا وہ اس سے بچتی تھی وہ اسے نروس کرنے آ جاتا تھا۔

''جی اچھا! ابھی کھاتی ہوں۔'' اس نے کمپیوٹر کی اسکرین سے نگاہ ہٹا کے کہا۔

''گڈ، آپ تو میری ہر بات سمجھنے لگی ہیں۔'' لہجہ اس کا معنی خیز اور کچھ شرارتی ہوگیا۔ رمضہ نے لب بھینچ لئے۔ شہیر اس پر مسکراتی نگاہ ڈال کے آگے بڑھ گیا۔

رمضہ کی اتھل پتھل دھڑکنوں میں اتنا شور تھا کانوں میں سنائی دے رہا تھا، جانے کیوں جب بھی شہیر سامنے آتا وہ نروس ہونے لگتی تھی مگر رمضہ نے اپنی اوقات سے زیادہ خواب نہ دیکھے اور نہ دیکھتی تھی، وہ چاہتی تھی زندگی سہل پسندی سے گزر جائے۔

اس کی ڈیوٹی چار بجے آف ہوتی تھی اور اسی وقت شہیر کی بھی ہوتی۔

''اتنی جلدی جلدی کہاں بھاگ رہی ہیں۔''

''جی۔'' رمضہ کے اٹھتے قدم رک گئے۔

''وین آگئی ہے۔''

''اچھا اچھا میں سمجھا آپ کے پیچھے کوئی لگ گیا ہے۔'' وہ ہنسا تھا۔

دونوں پارکنگ ایریے میں تھے۔

''یار! تم آگئے۔'' شہیر نے شہزیل کو سامنے دیکھا۔

رمضہ نے چونک کے بلیک پینٹ پر اسکائی بلیو شرٹ میں ملبوس سوبر سے شہزیل کو بغور دیکھا، نگاہ شہزیل کی بھی اس پر پڑی تھی۔

''جانے کیوں یہ لڑکی چونکاتی کیوں ہے۔'' شہزیل نے اچٹتی نگاہ ڈالی۔

''تم شور مچانے لگتے اس لئے آگیا جلدی۔'' رمضہ وین میں بیٹھ چکی تھی، شہزیل کی نگاہوں نے اس کا تعاقب کیا تھا، دل میں بے چینی کیوں تھی۔

☆......☆

اس نے شہیر کو گھر ڈراپ کیا اور خود پھر اپنے پرانے محلے میں آگیا، ایک آس و امید لے کے آج تو مکمل معلومات اور ایڈریس مل ہی جائے گا، اس نے دروازہ ناک کیا۔

''جی کون؟'' اندر سے خاتون کی آواز آئی۔

''میں شہزیل، اس دن بھی آیا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا اچھا۔'' وہ خاتون جلد ہی اسے پہچان گئی تھیں۔

''میں آپ سے نوید احمد کا ایڈریس کا پوچھ رہا تھا۔''

''نوید احمد بفرزون میں رہتے ہیں، اس سے زیادہ ہم نہیں جانتے۔'' وہ گویا ہوئیں۔

شہزیل مایوس ہو گیا، وہ تو بہت آس و امید کے ساتھ آیا تھا، دل میں ایسا لگا کچھ ٹوٹا ہو وہ مایوس اور افسردہ قدموں سے گاڑی میں آ کے بیٹھ گیا تھا۔

زندگی میں ایک جینے کی رمق نظر آئی تھی وہ بھی ماند پڑ گئی، ایسی زندگی کا مقصد اسے بے مقصد ہی لگ رہا تھا۔

کتنے عرصے سے وہ انہیں ڈھونڈ رہا تھا مگر آج وہ بھی ختم ہو گیا، اتنا بڑا بفرزون ہے کہاں کہاں وہ دیکھے اور پوچھے۔

گاڑی وہ ڈرائیو کر رہا تھا مگر ذہن الجھا ہوا تھا، شہیر کو گھر ڈراپ کر کے وہ نکل گیا تھا، کتنا خوش خوش نکلا تھا۔

گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔ ماہا کی نگاہوں نے اسے دیکھ لیا تھا مگر وہ دوڑ کے نہیں آئی تھی۔

''اے بیٹا! کبھی ادھر بھی بیٹھ جایا کرو کیا اپنا قیام ہر وقت کمرے میں ہی رکھتے ہو۔'' دادی جان نے اسے روک لیا تھا۔

سارے ہی ہال کمرے میں بیٹھے تھے۔ شام کی چائے پی جا رہی تھی، ماہا بھی اپنے کمرے سے نکل کے آگئی تھی۔

''میں بس ابھی آیا۔''

اس وقت شہزیل کی حالت ایسی ہو رہی تھی وہ ان سب کے درمیان بیٹھنا نہیں چاہتا تھا، بشریٰ سمجھ گئی تھیں وہ اپنے پرانے محلے میں گیا تھا۔

ماہا سب کی نظروں سے چھپ کے اس کے پیچھے پیچھے آگئی تھی۔

''پلیز ماہا! آپ اس وقت چلی جائیے۔'' وہ بہت بے زار اور تھکا تھکا ہو رہا تھا۔

ماہا اس کے سامنے پنک کڑھائی کی کرتی پر بلیک ٹراؤزر میں سائیڈ پر دوپٹہ ڈالے کھڑی تھی۔
''تم آخر مجھ سے اتنا بے زار کیوں رہتے ہو۔''
''آپ کا وہم ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''
وہ وارڈ روب سے کچھ تلاش کرنے میں لگا ہوا تھا۔
''ایسی ہی بات ہے، تمہیں میری آنکھوں میں اپنے لئے محبت نظر نہیں آتی۔'' وہ اس کے آگے آ کے کھڑی ہو گئی۔
شہزیل نے ناگواری سے منہ دوسری طرف کر لیا۔
''ادھر دیکھو شہزیل تم مجھ سے کیوں بات نہیں کرتے ہو، کوئی بات کیوں شیئر نہیں کرتے ہو۔''
''سوری! میں اپنی باتیں کسی کے ساتھ شیئر کرنا بھی نہیں چاہتا۔''
''یعنی تمہاری نظر میں ہماری کوئی اہمیت نہیں۔'' وہ تڑخ کے گویا ہوئی۔
''میں آپ لوگوں کی بات نہیں کر رہا، میں صرف اپنی باتوں کی بات کر رہا ہوں کیونکہ کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو میں سمجھتا ہوں میں ہی سولو کر سکتا ہوں۔'' اس نے جھٹ وضاحت دی۔
ماہا اسے چھوٹی بچی ہی لگتی تھی یا پھر وہ اس پر توجہ نہیں دینا چاہتا تھا۔
''شہزیل! ایک بات یاد رکھنا، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' ماہا اس کی پشت سے لگ گئی۔
شہزیل کرنٹ کھا کے پیچھے ہو گیا۔
''پلیز! آپ یہاں سے جائیں مجھے فریش ہونا ہے۔''
وہ اسے دھکیل کے باتھ روم میں گھس گیا، ماہا کی بے ساختہ حرکتوں سے وہ پریشان ہونے لگا تھا۔

☆......☆

نیل فر نے شکیل احمد کو نہیں بتایا تھا کہ وہ ان کے گھر تک گئی تھی، حمزہ اسے دو دفعہ مل چکا ہے اور تو اور فہر بھی ملا تھا۔ وہ قدرت پر حیران تھی وہ اسے بار بار ملا رہی تھی جتنا وہ ان سب سے چھپ کے رہ رہی تھی۔
فہر کی کال نے اسے ایک ڈسٹرب کیا ہوا تھا، وہ بار بار تو اپنا سیل آف نہیں رکھ سکتی مگر اس نے جب سے سامنا ہوا تھا فہر سے بات نہیں کی تھی۔
شہوار یونیورسٹی گئی ہوئی تھی، وہ گھر میں اکیلی تھی۔ زبیدہ خالہ مارکیٹ تک گئی ہوئی تھیں گھر کا سودا سلف لینے گئی تھیں۔
سیل پھر تیسری دفعہ بپ دے رہا تھا۔ نیل فر نے ناگواری سے دیکھا، فہر کی ہی کال تھی۔
''کیوں یہ شخص میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔''
اس نے سیل اٹھایا، مسلسل سیل چیخ رہا تھا اور نیل فر جانتی تھی فہر کو اس دن کی پریشانی ہوگی، وہ حمزہ کے گھر اور نیو برانڈ گاڑی میں اس کی خود کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ مجبوراً کال ریسیو کی کیونکہ جانتی تھی یہ جان کا عذاب ہے۔
''آپ کو آخر کیا پریشانی ہے۔'' وہ تڑخ کے گویا ہوئی۔
''گڈ، کال ریسیو کر لی ورنہ آپ جانتی ہیں میں کیا کر سکتا ہوں۔''
فہر نے شوخ سے لہجے میں اسے ڈرایا۔ صاف محسوس ہو رہا تھا وہ مسکرا بھی رہا ہوگا، وہ تو تپ کے رہ گئی۔
''کیا کر سکتے ہیں، مجھے ڈرا رہے ہیں۔''
''یہی سمجھ لو۔'' وہ ہنسا تھا۔
''ویسے اتنی مہنگی ترین گاڑی میں وہ بھی آپ ڈرائیو کر رہی تھیں، کیسے کہاں سے آ گئی۔'' استفہامیہ انداز میں

کہتے ہوئے اس کا لہجہ فہمائشی بھی ہو گیا تھا۔

''میری فرینڈ کی گاڑی تھی۔'' رک رک کے گویا ہوئی۔

''آپ کے ماموں جو کہ میرے ماموں کے ڈرائیور ہیں، ان کی بھانجی کی ایسی کون سی کروڑ پتی فرینڈ ہے جو گاڑی تک دے دی۔'' وہ مسلسل جرح ہی کیے جا رہا تھا۔

نیل فر زچ ہو رہی تھی، اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کہے، کیسے بات کو سنبھالے۔

''دیکھیے مسٹر۔''

''مسٹر کو فہر احمد کہتے ہیں۔'' اس نے نام بتایا۔

''جو بھی کہتے ہیں مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ آپ بس یہ بتا دیں آپ کو کیا پریشانی ہے کیوں مجھے چیپ لڑکوں کی طرح کال کرتے رہتے ہیں۔'' وہ بری طرح دانت پیس رہی تھی۔

''مجھ سے ایک بار مل لیں کیونکہ سیدھے طریقے سے میں آپ کے گھر رشتہ بھیجنا چاہتا ہوں۔''

''ناممکن ہے میں آپ سے کیا کسی سے بھی کبھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے جھٹ کہا۔

''کسی اور سے میں آپ کو کرنے بھی نہیں دوں گا جب میں موجود ہوں۔'' فہر کو تو جیسے ضد ہو گئی تھی اس لڑکی کو حاصل کرنے کی۔

''بکواس بند کریں۔''

اس کا دل جانے کیوں آج پہلی دفعہ دھڑکا تھا اور اسے فہر سے شادی کی بات کرتے ہوئے حیا بھی آ رہی تھی۔

''یہ بکواس نہیں ہے، سیدھی بات کر رہا ہوں، سول انجینئر ہوں، ٹھیک ٹھاک کماتا ہوں، ہر آسائش آپ کو دوں گا اور سب سے بڑھ کر میرے گھر پر راج کریں گی۔''

''مجھے کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں ہے۔''

نیل فر کو اس وقت نہایت ناگوار گزر رہا تھا اس سے بات کرنا اور وہ اتنا تو سمجھ گئی تھی فہر ضد کا پکا اور اڑیل ہے اس کو اندازہ نہیں تھا وہ اس کی کزن بھی ہے۔

''ضرورت تو خیر ایسی چیز ہے جو ہر چیز کی وقت پر ضرورت پڑ جاتی ہے، مثلاً جب شادی ہوتی ہے تو اولاد کی ضرورت ہو تو پھر اولاد کے لئے اس کی ضرورتوں کی فکر ہوتی ہے۔''

''آپ اپنی یہ بے ہودہ بکواس بند کریں تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ مجھے ان سب کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔''

''نیل فر! تم آرام سے اور آسانی سے مان جاؤ تو یہ تمہارے لئے اچھا ہے، میں تمہاری رضامندی کے بغیر تو رشتہ بھی استوار نہیں کرنا چاہتا۔''

فہر کو اس سے باتیں کرنا اچھا لگتا تھا چاہے وہ نفرت و غصے سے ہی کرتی تھی کم از کم بات تو کرتی تھی۔

''میری طرف سے ہمیشہ نا ہی رہے گی میں کبھی رضامند نہیں ہوں گی، آپ اپنی کلاس میں رشتہ استوار کریں تو زیادہ اچھا ہے میں آپ کے مقابلے کی نہیں ہوں۔''

''میں پیسہ دولت کو کبھی اہمیت نہیں دیتا، مجھے تو آپ پسند آئی ہیں۔''

''ایک ڈرائیور کی بھانجی ہوں پھر بھی۔''

''مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' فہر اپنی بات پر ڈٹا ہوا تھا۔

''فہر صاحب! آپ شاید میرے متعلق جانتے نہیں ہیں، اس لئے یہ بات کہہ رہے ہیں۔'' نیل فر کے لہجے میں حسرت اور طنز تھا۔

''میں سب جان کے ہی کہہ رہا ہوں، بولیے اپنے گھر والوں کو کب بھیجوں؟''
''کبھی نہیں اور کبھی بھی نہیں۔'' وہ تیز لہجے میں گویا ہوئی۔
''ٹھیک ہے آپ اپنی پر اڑی رہیے میں اپنی پر، دیکھتے ہیں آپ کی نہ نہ کب تک چلے گی، ایک دن آپ میری جھولی میں ہی گریں گی اس وقت کا سوچیں۔'' وہ تمسخر اڑا کے پر یقین آواز میں گویا ہوا تھا۔
نیل فر تو شرم و ڈر سے سہم گئی، اس نے پھر سیل ہی آف کر دیا اور سر تکیہ پر رکھ دیا، قدرت بار بار اسے انہی لوگوں میں کیوں لے کے جا رہی تھی جہاں اس کی جگہ ہی نہیں۔ آنسو رخسار پر بہنے لگے تھے، آج ماں شدت سے یاد آنے لگی۔
''امی! دیکھیں آپ کی بیٹی کو کیا کیا دیکھنا پڑ رہا ہے۔ آخر کب تک میں بھاگتی اور چھپتی رہوں گی۔''
وہ واقعی تھک گئی تھی۔ ادھر حمزہ اسے ملتا رہتا تھا ادھر فہر اس کی جان سے چمٹ گیا تھا۔
''یا اللہ! مجھے بھی سکھ دے دے، مجھے بھی جینے کا مقصد دے دے۔''
وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔ کافی دیر تک روتی رہی تھی، زبیدہ خالہ آ گئی تھیں اور شہوار بھی یونیورسٹی سے آ گئی تھی، وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی، شہوار کے لامتناہی سوالوں سے وہ بچتی تھی۔
''نیل فر، یار! تم کلاسز تو اٹینڈ کر لو۔''
''میں پڑھنا ہی نہیں چاہتی تو فضول ہے۔''
وہ ڈریسنگ ٹیبل کے مرر کے آگے کھڑی بالوں میں برش چلا رہی تھی۔
''تم کیا رو رہی تھیں؟'' شہوار نے چونک کے اس کی سوجھی ہوئی آنکھوں کو دیکھا۔
''سو رہی تھی۔'' اس نے زبردستی چہرے پر بشاشت بھی ظاہر کی۔
نیل فر کا سیل آف تھا، وہ اٹھا کے چیک کیا، سمجھ گئی ضرور اس شخص نے اسے تنگ ہی کیا ہوگا۔
''سیل کیوں آف ہے؟''
''بیٹری لو ہو گئی ہوگی۔'' اس نے بات بنائی۔
''لو تو نہیں ہوئی تم نے آف کیا ہوا ہے، لگ رہا ہے اس کی کال آئی ہوگی۔''
''کس کی؟'' وہ پھر انجان بنی۔
''میرے سامنے بنو مت، جلدی سے بتاؤ کیا بول رہا تھا۔''
شہوار تو پیچھے ہی پڑ جاتی تھی اور پھر نیل فر کو اسے ساری باتیں بتانی ہی پڑیں۔ کم از کم بتانے سے دل کا بوجھ کچھ تو ہلکا ہو جاتا تھا۔

☆......☆

سیل آف ہوتے ہی اسے ہنسی آ گئی تھی، وہ نیل فر کو جان بوجھ کے بھی تنگ کر رہا تھا مگر فہر کو اس کے متعلق جاننے کی بھی بے چینی تھی۔ اس دن وہ شکیل احمد کے گھر بھی اسی لئے گیا تھا کسی طرح بھی ڈرائیور سے اس کے متعلق جان لے تو ہی وہ بات آگے بڑھائے گا مگر وہ ڈرائیور پر ایسا کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اسے غلط سمجھے۔
''کیا بات ہے سیل نیا لیا ہے۔'' مہاد نے اس کے ہاتھ سے سیل ہی اچک لیا، فہر اچانک افتاد پر بوکھلا ہی گیا۔
''یار! کیا بدتمیزی ہے۔'' وہ ذرا برہم بھی ہوا
''یار بھائی جان یہ بدتمیزی تو بالکل نہیں ہے، میں یہ دیکھنا چاہ رہا ہوں میرے ہیرو جیسے بھائی کسی لڑکی وغیرہ سے تو بات نہیں کر رہے تھے۔''
وہ سیل کو اپنے ہاتھ میں دبائے ہوئے تھا اور فہر نے اسے گدی سے پکڑ لیا تھا۔

''اوئی امی، امی۔'' اس نے تو چیخنا شروع کر دیا۔
''کیا وحشت ہے۔''
زہرہ تو ہانپتی کانپتی آئی تھیں وہ ظہر کی نماز پڑھ کے تسبیح پڑھ رہی تھیں۔
''امی بھائی جان کو دیکھیں۔''
''امی اس سے میرا سیل دلوائیے۔'' فہر اس کی گدی چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔
زہرہ ان کی ہاتھا پائی پر پریشان ہو گئی تھیں۔ مہاد سے سیل لے کے فہر کو دیا۔
''بھائی جان یہ فاؤل ہے۔'' وہ گدی سہلانے لگا۔
''یہ سب کیا چل رہا ہے؟''
''امی! یہ موصوف کسی لڑکی سے باتیں کر رہے تھے اور اسے ڈرا دھمکا بھی رہے تھے۔''
فہر تو بوکھلا ہی گیا، مہاد نے کب اس کی گفتگو سن لی۔
''امی یہ فضول ہانک رہا ہے، میں تو آفس سے ابھی آیا تھا، کسی کی کال تھی اس پر بات کر رہا تھا۔'' اس نے صفائی سے جھوٹ بولا۔
''جھوٹ، بالکل جھوٹ۔''
مہاد نے ہاتھ اٹھا کے نفی کی۔
''چل بکواس نہ کر۔''
فہر اپنے روم کی طرف بڑھ گیا مگر زہرہ کی جانچتی اور تفتیشی نگاہیں فہر پر ہی تھیں جو مسکراتا ہوا اندر گیا تھا۔
''امی! پوچھیے تو.....''
''تم اپنا کام کرو میں پوچھ لوں گی۔''
انہوں نے مہاد کو وہاں سے ٹالا تھا وہ ابھی تسبیح پڑھ رہی تھیں اس لئے بھی اس قصے کو چھیڑنا نہیں چاہتی تھیں۔
روم میں آ کے فہر اپنے بیڈ پر جوتوں سمیت لیٹ گیا تھا، وہ نیل فر کو سوچنا چاہتا تھا جو آہستہ آہستہ اس کے دل کے قریب ہو گئی تھی، اس کا ہر انداز وحشت زدہ ڈرا سہما اسے اچھا لگتا تھا، بالکل ہرنی کی طرح ہی لگتی تھی۔
''نیل فر مجھے اپنے جذبوں پر یقین ہے، ایک دن میں تمہیں تمہارے دل سمیت جیت لوں گا، اس کے لئے مجھے چاہے کتنا وقت درکار ہو۔''
مگر فہر کو یہ حیرانگی تھی، وہ اتنے پر اعتماد انداز میں گاڑی ڈرائیو کرتی ہوئی گئی تھی وہ بھی اتنی مہنگی ترین۔
''یہ خود بہ خود کیوں ہنسا جا رہا ہے؟'' اس کے زہرہ روم میں چلی آئی تھیں۔
فہر تو بوکھلا کے اٹھ بیٹھا اور لب بھینچ لئے۔
''آپ امی...''
''یہ بتاؤ ہنسا کیوں جا رہا تھا؟'' وہ معنی خیزی سے پوچھ رہی تھیں۔
''وہ کچھ نہیں۔'' اس نے سر کھجایا۔
''کہیں واقعی میرا بیٹا کسی لڑکی کے چکر میں تو نہیں پڑ گیا۔''
''ارے امی! ایسا کچھ نہیں ہے اور اگر ہوا تو سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گا کیونکہ آپ اپنے بیٹے کو جانتی ہیں مشکل سے ہی کوئی پسند آئے گی اور وہ پہلی اور آخری ہوگی۔'' اس نے یہ کہہ کر انہیں مطمئن ہی کیا۔
زہرہ کو ایسا لگا جیسے واقعی کوئی بات ضرور ہے۔

(جاری ہے)

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

رضوانہ آفتاب

مکمل ناول

کوئی تیرے خاطر جی رہا

"ممی......! مام کہاں ہیں آپ؟" وہ جو پیزا بیک کرنے میں منہمک تھی۔ انشو کی چہکتی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔



''کچن میں ہوں سویٹ ہارٹ!'' بیکنگ گلوز ہاتھوں سے نکالتے چائے زیان واصف پر سرسری سی نگاہ ڈال کر وہ کچن سے نکلی تھی۔ وہیں انشو نے اسے جالیا۔

''یہ دیکھیں مام! میں آپ کے لیے کیا لائی ہوں۔'' وہ دونوں ہاتھوں کو پیچھے چھپائے روشنا سے مخاطب تھی۔

''کیا لائی ہو؟'' اس کے پھولے گالوں پر پیار کرتے روشنا نے استفسار کیا۔ چائے پیتے زیان کی نگاہیں بدستور ماں بیٹی پر ہی مرکوز تھیں۔

''آپ گیس کریں۔'' انشو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جلدی سے بتادو کیا لائی ہو۔ ورنہ جو میں تمہارے لیے پیزا بیک کر رہی ہوں وہ جل جائے گا اور تمہاری ناراض صورت میں دیکھ نہیں پاؤں گی۔'' روشنا نے محبت سے پر لہجے میں کہا۔

''اوہ رئیلی ممی! تو یہ لیجیے۔'' اس نے اپنے ننھے ہاتھوں میں تھاما تحفہ روشنا کی جانب بڑھا دیا۔



"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ممی۔" یہ کہتے ہوئے وہ روشنا سے لپٹ گئی۔ روشنا کی آنکھیں یکدم نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"شکریہ میری جان!" آنسوؤں کو اپنی ہتھیلیوں سے صاف کرتے اس نے انشو کو خود میں بھینچا تھا۔

"ممی آپ رو رہی ہیں؟" انشراح نے حیرانگی سے استفسار کیا تھا۔

"یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔" روشنا نے مسکرا کر جواب دیا۔ زیان واصف نے اس روتی لڑکی کو عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا۔ چائے کا مگ ڈائننگ پر رکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ان دونوں کو یکسر نظر انداز کیے پورچ کی جانب بڑھ گیا۔

"ڈیڈی دیکھیں ناں میں ممی کے لیے کیا لائی ہوں۔ ادھر آئیے ناں پلیز۔" انشراح نے ملتجیانہ لہجے میں زیان سے کہا۔

"بیٹا آپ گفٹ اپنی ممی کو دکھاؤ مجھے بزنس ڈنر کے لیے ابھی نکلنا ہے۔ میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کر سکتا۔ اللہ حافظ۔" انشراح کو ہاتھ ہلاتے وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ جب کہ انشراح اسے دیکھ کر رہ گئی اس کی نظروں میں افسردگی تھی۔

روشنا کا دل چاہا اپنی تمام تر خوشیاں وہ اس پیاری بچی کے نام کر دے۔ اس کی زندگی کا مقصد یہی تو تھا اس کی تمام تر خوشیاں انشو سے ہی تو وابستہ تھیں۔ انشو کا اترا چہرہ دیکھ کر اسے زیان واصف پر بری طرح غصہ آیا۔ انشو کا ہاتھ تھامے وہ صوفے پہ براجمان ہوگئی اور انشراح کے لائے گئے تحفے کو اس کے سامنے کھولنے لگی۔ انشراح اسے گفٹ کھولتے دیکھ کر خوش ہونے لگی۔ انشو کے لائے رسٹ واچ کو اس نے فوراً پہن لیا۔

"ممی! آپ بہت اچھی ہیں۔" روشنا کے گود میں سر رکھے انشو نے معصومیت سے کہا۔

"آپ نے کس کے ساتھ جا کر یہ گفٹ لیا؟" روشنا نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے نہایت نرمی سے استفسار کیا۔

"اسکول سے واپسی میں، میں نے ڈرائیور انکل سے کہا تھا وہ مجھے لے گئے تھے۔" انشو نے سادگی سے جواب دیا۔

"بیٹا اب اس طرح جانے کی ضرورت نہیں جب بھی کہیں جانا ہو مجھے کہہ دینا میں یہاں تمہارے لیے ہی تو ہوں۔" روشنا نے آخری جملہ نہایت افسردگی سے کہا تھا۔

"ممی آپ کو جلنے کی بو نہیں آ رہی؟" انشو نے ناک سکیڑتے ہوئے کہا۔ روشنا، انشو کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے فوراً کچن کی جانب بڑھی۔ پیار سے بنائے گئے پیزا کا حال برا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ کوئلے کی کان سے نکل کر آیا ہے۔ بیکنگ ٹرے اوون سے نکالتے روشنا اور انشراح کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

☆......☆

"انشراح یہ تو لو۔" روشنا، انشراح کی پلیٹ میں توس ڈال رہی تھی جو اسکول یونیفارم میں برے برے منہ بنانے میں مگن تھی۔

"ممی مجھے صرف جوس چاہیے۔" انداز ملتجی تھا۔

"جی نہیں صرف جوس نہیں ساتھ میں توس بھی لینا ہے۔" روشنا نے سرزنش کی تھی۔

"گڈ مارننگ ایوری ون۔" وہ جو انشو کے ساتھ مگن تھی۔ زیان واصف کی آمد سے یکدم الرٹ ہوگئی۔

''گڈ مارننگ۔'' کہہ کر زیان کی توجہ انشو کی جانب تھی روشنا کو اس نے یکسر نظر انداز کیا۔
''بے حد اچھا کیونکہ انشو کی مام جو اتنی اچھی ہیں۔'' انشو نے معصومیت سے روشنا کا پلو تھاما اس ادا پر روشنا نے مسکرا کر انشو کو دیکھا تھا۔
''اور ڈیڈی اچھے نہیں ہیں؟'' زیان واصف نے روشنا پر اجنبی نگاہ ڈال کر مسکرا کر پوچھا تھا۔
''ڈیڈی بھی اچھے ہیں مگر مام زیادہ اچھی ہیں۔'' ہر بار کہے جملے کو انشو نے اس بار بھی دہرایا تھا۔
روشنا نے چائے زیان کی طرف بڑھائی تھی اور خود بریڈ پر مارملیڈ لگانے لگی۔
''روشنا! آپ سامان پیک کر لیجیے گا۔ ہم چند ماہ کے لیے اسلام آباد جا رہے ہیں۔ وہاں اپنا نیا بزنس سیٹ کر رہا ہوں۔'' روشنا نے کوئی جواب نہیں دیا وہ بدستور مارملیڈ لگانے میں مگن رہی۔
''آپ سن رہی ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' انداز سوالیہ تھا۔
''جی ٹھیک ہے۔'' روشنا نے اتنا ہی کہا تھا۔
''ڈیڈی ہم اسلام آباد کب جائیں گے۔ اب تو میرے اسکول کی چھٹیاں بھی ہونے والی ہیں۔'' انشو نے پوچھا تھا۔
''ہم اسلام آباد پرسوں جا رہے ہیں۔'' سلائس کا بائٹ لیتے زیان نے اطلاع دی تھی۔ روشنا نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ نگاہوں کے تصادم پر زیان واصف نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔
''ڈیڈی پھر ہم مری، سوات وغیرہ بھی جائیں گے؟'' انشراح نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا تھا۔
''جی بیٹا۔'' زیان نے انشو کے ہاتھ پر تھپکی دیتے یقین دلایا تھا۔
''Thats great پھر وہاں آپ ممی اور میں ڈھیر ساری پکچرز بھی بنوائیں گے ٹھیک ہے ناں؟'' انشو کی خوشی قابل دید تھی۔
بزنس ٹور پر زیان تنہا ہی جایا کرتا اور انشو کی ضد کی بنا پر وہ کراچی میں ہی پکنک اسپاٹ اور باہر ڈنر و لنچ کروانے پر اکتفا کرتا تھا۔ اپنی ذات کے خول میں بند شخص زیان کو دوسروں کے جذبات و احساسات کی پرواہ کب تھی یا تو وہ مصروف رہتا یا پھر اپنی سوچوں میں گم۔
''اوکے اوکے ڈیڈی! پھر ملتے ہیں بائے۔'' ڈرائیور انکل نے ہارن بجایا تھا انشو اٹھ کھڑی ہوئی۔ روشنا نے بھی اپنا ناشتہ ادھورا چھوڑا۔ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے وہ انشو کی جانب بڑھی اس کا تھرماس، لنچ باکس اور بیگ گاڑی میں رکھوا کر اسے رخصت کرنے لگی۔ انشو روشنا کے گالوں پر پیار کرتے گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ جب تک انشو نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی وہ دروازے پر ایستادہ رہی۔ جب وہ واپس ڈائننگ میں آئی تو زیان واصف کو کسی گہری سوچ میں گم پایا۔ روشنا کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ زیان کو نظر انداز کیے روشنا نے ٹھنڈی چائے کے گھونٹ حلق سے اتارے۔

☆......☆

''وہ سامان پیک کر کے سونے کی غرض سے لیٹی ہی تھی کہ اسی وقت زیان کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔
''روشنا! اگر آپ ڈسٹرب نہ ہوں تو ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔'' زیان نے تمہید باندھی۔
''جی کہیے۔'' روشنا شانوں پر دوپٹہ درست کرتی لیٹے سے اٹھ بیٹھی۔
''ابھی انشو کے انکل ارحم کی کال آئی تھی۔ انشو کی گرینی کی طبیعت بے حد خراب ہے۔ وہ انشو کو چند دنوں

کے لیے اپنے پاس بلانا چاہ رہی ہیں۔'' صوفے پر بیٹھے ہوئے زیان نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔
''تو؟'' روشنا کے انداز سوالیہ تھا۔
''تو ارحم کل انشو کو لینے آرہا ہے۔'' زیان نے جتایا تھا۔
''مگر ہم تو کل اسلام آباد جا رہے ہیں۔ انشو کیسے چلی جائے گی۔ اس کے بغیر میں کیسے رہوں گی۔ انشو کو میرے بنا رہنے کی عادت نہیں ہے۔'' روشنا نے کربناک لہجے میں کہا تھا۔ اس کے چہرے پر تاریکی تھی۔
''ہم اسلام آباد جا رہے ہیں چند دنوں بعد انشو وہیں آجائے گی اور جہاں تک آپ کا یہ کہنا ہے کہ انشو کو آپ کے بغیر رہنے کی عادت نہیں ہے۔ یہ بالکل احمقانہ بات ہے۔ کیونکہ جب آپ نہیں تھیں تب بھی انشو رہتی تھی میرے ساتھ۔'' زیان نے بالکل عام سے لہجے میں کہا تھا مگر اس کے لفظوں کے تیر روشنا کی روح تک گھائل کر گئے تھے۔
''آپ انشو کی پیکنگ کر دیں ارحم صبح آجائے گا ان کی فلائٹ دوپہر کی ہے۔'' زیان یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ اس کے قدم اسٹڈی کی جانب تھے مگر نجانے کیا تھا اسے لگا شکوہ کرتے دو نین اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ وہ بے ساختہ پلٹا تھا۔ روشنا پر شکوہ نگاہوں سے اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔
''آپ پریشان نہ ہوں۔ انشو جلد اسلام آباد آجائے گی آپ کے پاس۔'' زیان نے یقین دلاتے نہایت نرمی سے کہا۔
''مگر میرا دل نہیں مان رہا۔ میں نہیں رہ پاؤں گی انشو بھی پریشان ہوتی رہے گی۔'' روشنا کی آنکھیں نم تھیں۔
''روشنا! آپ بالکل بچوں کی طرح ری ایکٹ کر رہی ہیں۔ انشو بڑی ہو رہی ہے اسے کوئی دقت نہیں ہوگی۔ آپ خود کو کمپوزڈ کریں۔ گڈ نائٹ۔'' اسے روتا بلکتا چھوڑ کر زیان نے اسٹڈی روم کا رخ کیا تھا اور روشنا اس بے درد شخص کو فقط دیکھ کر رہ گئی۔ آخر کیا تھا اس کی زندگی میں سوائے انشراح، زیان کے۔ وہ تو اس کے بغیر رہ نہیں سکتی تھی اور نجانے کتنے دنوں تک اسے انشو کے بنا رہنا تھا۔ پاس لیٹی انشو کو اس خود سے مزید قریب کیا تھا۔ اس کی پیشانی پر لب رکھے نجانے وہ کتنی دیر تک آہ و زاری کرتی رہی تھی۔

☆......☆

نجانے رات کب سوئی تھی۔ جب تک جاگتی رہی آنکھوں میں سیل رواں تھے۔ آنکھ کھلی تو انشو کمرے میں موجود نہ تھی اور نہ زیان اسٹڈی روم میں۔ وہ یونہی حواس باختہ ہو کہ کمرے سے نکلی۔ انشو کو نہ پا کر اسے عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کوئی اس کی متاع اس سے چھین لے گیا ہے۔ زینہ طے کرتے وہ مسلسل انشو کو آوازیں دے رہی تھی۔ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے زیان اور انشراح کو دیکھ کر اسے قدرے قرار آیا تھا۔ وہ بھاگ کر انشراح تک گئی اسے خود سے لگاتے ہچکیوں سے رونے لگی۔
''ممی! کیا ہوا...... کیا ہوا؟'' انشو اچانک افتاد پر پریشان ہوگئی۔ روشنا اسے چومتے ہوش و خود سے یکسر بیگانہ تھی۔ زیان اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ الجھے بکھرے بال، دوپٹے سے بے نیاز، چہرے پر صدیوں کی تھکن...... یہ تو کوئی اور ہی روشنا تھی۔
''ممی! آپ رو کیوں رہی ہیں؟'' انشو پریشانی سے پوچھتی رہی۔
''مجھے لگا آپ مجھے چھوڑ کر لاہور چلی گئی ہو اور مجھے جگایا بھی نہیں۔'' آنسوؤں کے درمیان روشنا نے بمشکل جملہ ادا کیا تھا۔

''ممی! میں آپ کو ایسے چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گی۔'' اپنے ننھے ہاتھوں سے روشنا کے آنسو صاف کرتے انشو نے یقین دلایا۔

''میری گڑیا!'' کہہ کر روشنا نے ایک بار پھر اسے خود سے لگایا تھا۔

وہ زیان کی موجودگی کو یکسر فراموش کیے ہوئے تھی انشو کو خود سے لگائے وہ اپنی ماں کو تسکین پہنچا رہی تھی۔

زیان پھر وہاں رکا نہیں روشنا اور انشراح پر نگاہ ڈال کر وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔ روشنا کو اپنے حلیے اور پاگل پن کی وجہ سے سخت ندامت محسوس ہوئی نجانے وہ کیا سوچ رہا ہوگا۔ میرے بارے میں۔ روشنا عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔

☆......☆

انشراح نے اسے جلد آنے کا یقین دلایا تھا۔ روشنا سے ڈھیروں وعدے کیے وہ لاہور کے لیے روانہ ہوگئی۔ روشنا کو لگا اس سے کوئی قیمتی شے چھین لی گئی ہو۔ زیان واصف نے روشنا کے کربناک چہرے کو بغور دیکھا۔ وہ ہرگز بھی انشو کو روشنا سے چھیننا نہیں چاہتا تھا اور انشو کو خود سے دور کرنا زیان واصف کے لیے بھی آسان نہ تھا۔ روشنا کو الجھا بکھرا چھوڑ کر وہ گھر سے باہر جا چکا تھا اور ہمیشہ کی طرح صبر کرنے والی روشنا نے دل پر پتھر رکھ کر زیان واصف کے ہمراہ کراچی سے اسلام آباد تک کا سفر طے کیا تھا۔

اسلام آباد آنے کے بعد زیان کی جھپ ہی نرالی تھی۔ صبح کے گئے رات کو واپس آنا اور پورا دن روشنا تنہا رہ جاتی۔ انشراح کے ساتھ اس کا وقت بے حد اچھا گزرتا تھا یہاں وہ انشراح کو بہت یاد کرتی جب اس قدر مصروفیت تھی تو زیان اسے ساتھ کیوں لایا تھا۔ یہ سوچ کر روشنا کا موڈ ہمیشہ آف ہو جایا کرتا۔ اسلام آباد میں زیان کا گھر تھا۔ اس چھوٹے سے گھر میں ضرورت کی تمام تر آسائشیں موجود تھیں مگر پھر بھی روشنا کا دل نہ لگتا وہ جلے پیر کی بلی کی مانند پورے گھر میں بولائی بولائی پھرتی۔ ملازموں سے وہ زیادہ باتیں کب کرتی تھی وہ اپنے انشراح اور زیان کے کام خود ہی کیا کرتی تھی۔ زیان اسے مخاطب کب کرتا تھا۔ زیان کے پاس روشنا کے لیے وقت کب تھا اس کے باوجود اس کی موجودگی سے روشنا کے دل میں طمانیت کا احساس جاگا رہتا۔ مگر اس لیے بزنس کی وجہ سے زیان واصف کے پاس خود کے لیے وقت نہ تھا۔ انشو بھی موجود نہ تھی۔ جو اس کی مصروفیت کے باعث شکایتیں کرتی۔ زیان گھر پر بھی موجود ہوتا تو متعدد فون کالز، میسیجز کا تانتا بندھا ہوتا۔ اس کے پاس تو اپنے کھانے، پینے کا بھی وقت نہ تھا۔ روشنا اور زیان کی سرسری ملاقات ہو جایا کرتی وہ تو اس قدر بے بس تھی محبت کا حق استعمال کر کے اس کا خیال ہی رکھ لیتی مگر زیان واصف نے اسے یہ تمام تر حق دیے ہی کب تھے۔ اجنبی شہر میں اجنبی شخص کے ہمراہ روشنا خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہی تھی۔

اس طرح بوریت کا شکار روشنا نے چند قدموں کے فاصلے پر موجود شاپنگ مال جانے کا ارادہ کیا تاکہ کچھ وقت کے لیے اس کا دل بہل جائے۔ اِدھر اُدھر کی فضول سوچوں سے کچھ وقت کے لیے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم مال میں داخل ہوئی مال میں یونہی پھرتے اسے خاصا وقت گزر گیا تھا۔ روشنا کی نظر پنک جوڑے میں ملبوس لڑکی پر گئی جو گود میں صحت مند سے بچے کو لیے ہوئے تھی۔ وہ شاید شاپنگ کی غرض سے آئی تھی۔ اس کی تمام تر توجہ ڈیزائنر ڈریسز کی جانب تھی۔ روشنا بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ اس لڑکی نے بھی جان لیا تھا کہ کوئی انہماک سے اسے دیکھ رہا ہے۔ روشنا سست روی سے چلتے ہوئے اس لڑکی تک آئی تھی۔

''اگر میں غلط نہیں ہوں تو یقیناً آپ مسز امشلہ شہزاد ہیں؟'' روشنا نے پریقین لہجے میں استفسار کیا تھا۔
''روشی یہ تم ہو؟'' امشلہ کا سحر ٹوٹا تھا اس نے روشنا کو خود میں بھینچا تھا۔ دو آنسو پلکوں کی دہلیز پہ آن رکے تھے۔
''تم یہاں کیسے روشنا؟'' امشلہ نے محبت سے پر لہجے میں استفسار کیا تھا۔
''زیان اپنا نیا بزنس اسلام آباد میں سیٹ کر رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں، میں ان کے ہمراہ آئی ہوئی ہوں۔'' روشنا نے بتایا۔
''تم نے تو رشتہ ہی توڑ لیا۔ انکل، آنٹی کے انتقال کے بعد تم نے کراچی آنے کا سلسلہ بھی منقطع کر دیا۔ تم سے میرا رابطہ بھی ختم ہو کے رہ گیا۔''
''روشی یقین کرو میں اب تک اس حادثے کے زیر اثر ہوں۔'' امشلہ کے لہجے میں کرب پنہاں تھا۔
امشلہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ تمام تر محبتیں اس نے تنہا سمیٹی تھیں۔ بیاہ کر اسلام آباد آنے کے ایک ماہ بعد ہی اس کے مما پاپا ایک حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ اس وقت سے امشلہ نے کراچی آنے کا سلسلہ ترک کر دیا تھا۔
''اچھا تم بالکل اداس نہ ہو۔'' اس کا کاندھا تھپتھپاتے شاپنگ سینٹر کے باہر موجود چھوٹے سے کافی شاپ کی جانب اشارہ کیا۔ بل ادا کر کے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے دونوں کافی شاپ تک آئی تھیں۔
''امشلہ تمہارا بیٹا بے حد پیارا ہے۔'' روشنا نے عثمان کے پھولے گالوں کو پیار سے چھوتے محبت سے کہا تھا۔
''شکریہ محترمہ! بالکل اپنی مام پر گیا ہے۔ عثمان بھی اور ارمغان بھی۔'' امشلہ نے مسکرا کر بتایا۔
''ویری گڈ۔'' روشنا نے مسکرا کر تائید کی۔
''تمہارے کتنے بچے ہیں؟'' امشلہ نے استفسار کیا۔
''میری ایک بیٹی ہے۔'' روشنا نے مسکرا کے بتایا۔ بیٹی کی محبت اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔
''سو سویٹ کیا نام ہے۔ کتنے سال کی ہے؟'' امشلہ نے مزید پوچھا۔
''انشراح زیان نو سال کی ہے۔'' روشنا نے آخری لفظ آہستگی سے کہے اور نظریں نیچی کر لی تھیں۔
''ہمیں الگ ہوئے چھ سال ہوئے اور تمہاری بیٹی نو سال کی ہے۔'' امشلہ نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔ وہ اس انکشاف پر قدرے حیران تھی۔
''وہ زیان کی بیٹی ہے۔ اس طرح میری ہی ہوئی ناں۔'' روشنا نے عام سے لہجے میں کہا تھا۔ جیسے یہ بالکل عام سی بات ہو۔ نظریں ہنوز نیچے تھیں۔
''روشنا! مجھے یقین نہیں آ رہا تم کسی شخص کی دوسری بیوی کیسے بن سکتی ہو؟ تمہارا تو ایک آئیڈیل تھا اور تم نے کہا تھا اگر تمہیں تمہارا آئیڈیل نہ ملا تو مرنا پسند کرو گی مگر کسی ان چاہے شخص کا ساتھ قبول کرنا نہیں، اس کی شخصیت ایک دم چھا جانے والی ہو۔ مسکرائے تو دل جیت لے۔ چھ فٹ ہائٹ، سرخ و سپید رنگت، ذہانت سے بھرپور، کالی آنکھیں، ستواں ناک، کالی مونچھوں تلے گلابی لب، کوالیفائیڈ اور بے تحاشہ ذہین، اسے دیکھ کر تمہیں ایسا لگے کہ یہی وہ شجر ہے جس کے سائے میں، میں اپنی زیست بتا سکتی ہوں۔'' امشلہ نے من و عن وہ تمام تر باتیں دہرا دی تھیں جس کا تذکرہ روشنا نے امشلہ سے بارہا کیا تھا۔
اسکول، کالج، یونیورسٹی تک دونوں سہیلیاں ساتھ رہیں۔ امشلہ روشنا کے آئیڈیل سے بخوبی واقف

تھی۔ روشنا کے ساتھ امشلہ نے بھی اپنا ایک آئیڈیل بنا رکھا تھا۔ دونوں سہیلیاں کسی شہزادے کی منتظر تھیں۔ ان کے ذہن و دل پر ان کا آئیڈیل اس قدر بسا تھا کہ اپنے خوبرو کزنز اور کلاس میٹس کو دیکھنا تو درکنار انہیں سوچنا بھی غلط تصور کرتی تھیں۔ یونہی آئیڈیل بناتے بناتے امشلہ اپنے فرسٹ کزن کے ہمراہ پیا دیس سدھار گئی۔ شہروز عام سی شکل وصورت کا بے حد ذہین نوجوان تھا۔ C.A کرنے کے بعد دیگر ممالک سے کورس کیے وہ اسلام آباد میں بزنس سیٹ کر چکا تھا۔ امشلہ خوب صورت تھی مگر روشنا سے قدرے کم امشلہ نے بھی آئیڈیل بنا رکھا تھا اس کے باوجود بھی وہ شہروز کے ساتھ ارینج میرج کرنے پر راضی ہوگئی تھی۔ روشنا نے اسے تحیر میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ کنفیوژن کی کیفیت میں تھی عثمان کے رونے کی آواز سے وہ ماضی سے حال میں واپس آگئی۔

''کہاں کھوگئی تھیں؟'' روشنا نے استفسار کیا۔

''کہیں بھی نہیں بس ایسے ہی۔'' عثمان کو تھپکتے ہوئے امشلہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تمہیں ابھی تک میرا آئیڈیل یاد ہے۔ مجھے لگا تھا تم بھول گئی ہوگی۔'' روشنا کے لہجے میں کرب پنہاں تھا۔ امشلہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کی گہری چھاپ تھی۔

''اگر میں یہ کہوں کہ مجھے میرا آئیڈیل ہی ملا ہے اس وقت بھی تو اس وقت بھی تم مجھے بے یقینی سے دیکھو گی؟'' روشنا نے اس کی بھوری آنکھوں میں نظریں جمائے استفسار کیا تھا اور نہایت بے رحمی کا شکار ہو کر کافی کے سپ لینے لگی۔ محسوس ہو رہا تھا وہ کافی کی تمام تر تلخی اپنے اندر اتار رہی ہو۔

''روشی! تم مجھے میری وہ روشنا ہرگز بھی نہیں لگیں جو بہت زندہ دل تھی۔'' امشلہ نے روشنا کو بغور دیکھتے ہوئے جملہ ادا کیا تھا۔

''امشلہ ڈیئر! میں وہی روشنا ہوں تمہارا میرے لیے پہلے کی طرح پریشان ہونا اچھا لگا۔'' امشلہ کے ہاتھوں کو گرمجوشی سے دباتے ہوئے روشنا نے قدرے تاسف سے کہا تھا۔

''تم میرے لیے اتنا پریشان نہ ہو۔'' روشنا نے کہا۔

''روشنا! تم ذہنی الجھن کا شکار لگ رہی ہو۔ تمہارے دل میں جو کچھ بھی ہے کہہ دو۔ آخر ایسی کیا وجہ رہی مجھے حرف بہ حرف سب بتاؤ۔'' امشلہ نے اپنائیت سے کہا تھا۔

روشنا، امشلہ کا حوصلہ پا کر بیتے دنوں کی روداد اس کے گوش گزار کرنے لگی۔

''تمہارے مما، پپا کے انتقال کے بعد تم سے بھی رابطہ ختم ہو گیا میں بالکل تنہا ہوگئی تھی۔ ہمارا معاہدہ تھا ہم دونوں کی دوستی میں کبھی کوئی تیسرا فریق شریک نہیں ہوگا۔ میں نے اس معاہدہ کو کبھی نہیں توڑا۔ اسٹڈی سے بھی ہم فارغ ہو ہی چکے تھے تمہارے نہ ہونے کے باعث وقت گزرتا ہی نہیں تھا۔ میں ان دنوں سخت بوریت کا شکار تھی۔ میں نے آرٹ اسکول جوائن کر لیا۔ وہاں میں آرٹ سکھانے لگی۔ وقت اچھا گزرنے لگا۔ مما، پپا، بھیا میری شادی پر زور دینے لگے مگر میں انہیں اپنے آئیڈیل کی بابت کیا بتاتی۔ سب مجھے پاگل اور خبطی سمجھتے میں نے بس اتنا ہی کہا کہ میں ابھی شادی کا ارادہ نہیں رکھتی۔ خاندان کے بے حد اچھے پرپولز میں نے ریجیکٹ کیے مجھے اپنے آئیڈیل کی تلاش تھی۔ میں بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔ جب ہی میرے پپا نے مجھے اور مما کو ایک بزنس ڈنر میں چلنے کے لیے کہا مگر ان دنوں میری پیاری بھابی علینہ تخلیق کے عمل سے گزر رہی تھیں۔ دن قریب تھے بھیا ان کے ساتھ ہی رک گئے۔ میں بھی بھابی کے ساتھ ہی رکنا چاہتی

تھی مگر پپا نے رکنے نہیں دیا۔ میں نہایت بے دلی سے تیار ہوئی کیونکہ میں بھابی کو ہرگز بھی تنہا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس قدر پیاری جو ہیں۔ نہ وہ بھی روایتی بھابی بنیں نہ میں روایتی نند۔ ہم بالکل بہنوں کی طرح تھے۔ بھابی نے محبت سے میرے گال چھوئے اور مجھے جانے کے لیے کہا میں نے بلیک ڈریس زیب تن کیا اور مما، پپا کے ساتھ چل دی۔

پرل پیلس بے حد شاندار تھا۔ مجھے آج تک اپنا وسیع عریض بنگلہ ہی شاندار لگتا تھا مگر پرل پیلس دیکھ کر مجھے اپنا بے حد عالیشان بنگلہ معمولی سا لگا۔ وسیع و عریض لان میں فنکشن ارینج کیا گیا تھا۔ جہاں سبزہ بے حد نمایاں تھا۔ لان کے درمیان میں سوئمنگ پول تھا۔ اس کے اطراف میں رنگ برنگی مسحور کن مہک سے مزین پھولوں کی باڑھ تھی، درختوں و پودوں کی کٹنگ منفرد تھی لان کے عین وسط میں سفید محل بنا تھا۔ اس کے ماتھے پر "پرل پیلس" درج تھا۔ پرل پیلس کا آدھا حصہ گریزی سے ڈھکا ہوا تھا۔ تمام ترکھڑکیاں، دروازے گلاس کے تھے مجھے اسے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا کہ میں کسی خواب محل میں آ گئی ہوں۔ میں پرل پیلس کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوئی۔ میں نے پپا سے تعریف کی تو وہ فقط مسکرا کر رہ گئے۔ پارٹی آرگنائز کرنے والے شخص کو میں نے اب تک دیکھا نہیں تھا۔ یا میں ماحول کی دلکشی میں اتنا محو تھی کے میرے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ مجھے ذرا خبر نہ تھی جب ہی مجھے احساس ہوا۔ مجھے کوئی دیکھ رہا ہے۔ میں نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا تھا مگر وہاں خواتین اور چند مردوں پر مشتمل گروہ کسی بات پر قہقہہ لگا رہا تھا۔ میں اس پر براجمان ہو گئی منتخب کردہ کرسی ترچھی ہونے کے باعث مجھے بالکنی میں بلیک ڈنر سوٹ میں کوئی دکھا تھا۔ بے تحاشہ سبزہ اور آنکھیں چندھیا دینے والی روشنی کے سبب مجھے واضح نہیں دکھ رہا تھا کہ وہاں کون ہے؟ پھر کچھ لمحے بعد بالکنی میں موجود دروازہ بند ہو گیا تھا۔ اب وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔

میں بام کے پاس جا بیٹھی کے سامنے سے وہی بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس شخص دکھائی دیا۔ اس وقت اس کے نقوش واضح تو نہ تھے مگر وہ اب میرے سامنے پپا سے محو گفتگو تھا۔ اسے دیکھ کر میں بالکل سحر زدہ ہو گئی تھی اس کی شخصیت بالکل چھا جانے والی تھی۔ قد ہائٹ، سرخ سفید رنگت، ذہانت سے بھرپور آنکھیں، ستواں ناک، گلابی لب میں ایک ٹک اسے دیکھنے لگی۔ پپا نے سحر توڑا۔

"بیٹا! یہ میرے بزنس پارٹنر زیان واصف ہیں۔ میں نے اپنا نیا بزنس ان کے ساتھ ہی شروع کیا ہے۔ بے حد ذہین واقع ہوئے ہیں۔ مسٹر زیان واصف بے حد کم عمری سے انہوں نے بزنس سنبھالا ہوا ہے۔" پپا نے تعارف کروایا تھا۔

"اور زیان! یہ میری وائف عافیہ ملک اور یہ میری سویٹ اینڈ کیوٹ ڈاٹر روشنا ملک جسے رنگوں سے بے حد محبت ہے۔" پپا نے زیان کو ہمارا تعارف کروایا۔ زیان واصف نے مجھ پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور صرف سلام کرنے پر اکتفا کیا اور پپا کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ میں ہرگز بھی اتنی معمولی نہ تھی کہ زیان اس طرح مجھے نظر انداز کرتا مگر زیان واصف کا گریز میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ آئیڈیلزم کی ماری لڑکی کا آئیڈیل ملتے ہی وہ ہواؤں میں اڑنے لگی مگر زیان واصف کا گریز سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ جہاں بھی جا رہا تھا میری نظریں اس کا ہی طواف کر رہی تھیں۔ زیان واصف یہ جان گیا تھا کہ میں مسلسل اسے ہی دیکھ رہی ہوں۔ وہ بھولے سے بھی مجھ پر نگاہ غلط نہیں ڈال رہا تھا۔ ڈنر بھی سرو کیا جا چکا تھا۔ میں بے دلی سے پلیٹ میں چمچہ ہلا رہی تھی۔ میرے اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ آئیڈیل ملا بھی تو وہ جو مجھے ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کر رہا۔ میرے دل میں عجیب "وسوسے" آسمائے

تھے۔ شاید یہ کسی اور سے محبت کرتا ہے اور وہ محبت اس قدر مضبوطی سے اس کے دل میں موجزن ہے۔ جس کے باعث وہ مجھے دیکھنا تک گوارہ نہیں کر رہا۔ میں اپنے ہی خیالوں میں مگن تھی۔

جب ہی بے بی پنک فیبرک میں 4 سالہ کیوٹ سی بچی زیان واصف تک آئی تھی۔

''ڈیڈی! پارٹی کب ختم ہوگی۔'' بے حد لاڈ سے اس کا ہاتھ تھامے بچی اسے ڈیڈی کہہ رہی تھی۔ میں جو مما پپا کے ساتھ اس سے گھر جانے کی اجازت لینے آئی تھی۔ بچی کے ڈیڈی کہنے پر ٹھٹکی اور بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ میں اس وقت ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ ذہن ماؤف ہونے لگا تھا۔ زیان واصف نے پہلی بار مجھے بغور دیکھا تھا۔

وہ آنکھوں کی جنبش سے جو دل کی بستی لوٹ گیا
آنکھوں سے آنکھیں چار ہوئیں اور ہاتھ سے ساغر چھوٹ گیا
دل اس کا بھی ہے میرا بھی ہے فرق قتیل تو صرف اتنا
وہ پتھر ہے جو ثابت ہے یہ شیشہ تھا جو ٹوٹ گیا

اس کی نگاہیں مجھے بہت کچھ باور کروا رہی تھیں۔ مجھے اب اس کے گریز کی وجہ سمجھ آئی تھی۔ میں نے مضبوطی سے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔ جیسے اس حقیقت سے نظریں چرا رہی ہوں۔

''او کے میرا بیٹا آپ چلو میں بس ابھی آیا۔'' بچی کے رخساروں پر پیار کرتے ہوئے اس نے بے ساختہ مجھے دیکھا تھا۔

میرے چہرے پر تاریک سایہ آکر گزر رہا تھا۔ اسے یہ جاننے میں لحہ بھی نہ لگا تھا کہ میں گہری اذیت کا شکار ہو رہی ہوں۔ اس نے مجھے نظر انداز کیا اور پپا کو الوداع کہنے لگا۔ میں نے مڑ کر الوداعی نظر اس پر ڈالی تھی۔ میں جان گئی تھی وہ سراب ہے مگر دل اس سے دستبرداری پر آمادہ نہ تھا۔ وہ مجھے ہی دیکھ رہا تھا مگر اس کے چہرے سے کچھ بھی اخذ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کا چہرہ ہر احساس سے مبرا تھا۔ میرا دل بند ہونے لگا۔ تو میں دل کی کرچیاں سمیٹتے ہوئے کھوکھلے وجود کے ہمراہ اپنے کمرے میں بند ہوگئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی بے بسی پر ماتم کرنے لگی۔

''مجھ سا جہاں میں کوئی نادان بھی نہ ہو
کر کے جو عشق کہتا ہے نقصان بھی نہ ہو
رونا یہی ہے اسے چاہتے ہیں ہم
سعد جس کے ملنے کا امکان بھی نہ ہو''

ان دنوں میں گہری اذیت سے دوچار تھی۔ ذہن ماؤف دل بند ہونے لگا تھا۔ یقیناً اس کی بیوی بھی ہوگی جو اس سے بے حد محبت بھی کرتی ہوگی۔ وہ اپنی بیٹی سے تو بہت محبت کرتا ہے۔ مجھے میرا آئیڈیل ملا بھی تو شادی شدہ جس کے بیوی اور بچے ہیں۔ میں کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ہر شے سے دلچسپی ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ مما، پپا، بھابی سب ہی میرے ابنارمل ایکٹ کو ملاحظہ کر رہے تھے مگر وجہ کوئی بھی جان نہیں پایا تھا۔ کیونکہ میں نے بھابی سے بھی کچھ شیئر نہیں کیا تھا۔ انہیں بتانے کے لیے میرے پاس تھا بھی کیا۔ میں لان میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ مما، بھیا، بھابی کے ہمراہ ہاسپٹل گئے ہوئے تھے اور پپا بزنس کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے۔ میں متوقع خوش خبری پر وقتی طور پر بے حد خوش تھی۔ جب ہی گیٹ کیپر نے مجھے اطلاع دی کہ زیان

واصف آئے ہیں۔
وہ کبھی اس طرح ہمارے گھر نہیں آئے تھے۔ اپنی حیرت کو قابو کرتے ہوئے میں نے انہیں گیسٹ روم میں بٹھانے کے لیے کہا اور خود کو کمپوز کرنے چل دی۔
چند منٹس بعد لوازمات کی ٹرالی تھامے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ جہاں زیان واصف بلیک پینٹ، وائٹ شرٹ میں ملبوس میری پینٹنگ دیکھ رہے تھے۔ ڈرائنگ روم میں جابجا میری بنائی گئیں پینٹنگز آویزاں تھیں۔ وہ انہماک سے اسے دیکھ رہے تھے۔ میرے سلام کرنے پر ان کی نظروں کا ارتکاز ٹوٹا تھا۔ انہوں نے پلٹ کر مجھے دیکھا تھا۔
"وعلیکم السلام!" زیان نے جواب دیا تھا۔ ان کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور نگاہیں اب سامنے وال پر لگی تصویروں پر تھیں۔ میں ابھی تک دروازے پر ہی ایستادہ تھی۔ جیسے میں ان کے گھر کے واقعی دروازے میں کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت طلب کرنا چاہ رہی ہوں۔
"آپ کھڑی کیوں ہیں آئیں بیٹھیں۔" جو مجھے کہنا چاہیے تھا وہ زیان نے مجھے نہایت مودبانہ انداز میں کہا تھا۔
"جی اچھا۔" کہہ کر میں صوفے میں ٹک گئی۔ وہ میرے عین سامنے صوفے پر براجمان تھے میں نے نظریں نیچی کر لی تھیں۔ مجھے میرا اتمام تر کانفیڈنس جاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔
"آپ پپا سے ملنے آئے ہیں؟" آخر ہمت مجتمع کر کے میں نے پوچھ ہی لیا۔
"جی نہیں۔" زیان نے نہایت برجستگی سے جواب دیا۔ میں آنکھیں وا کیے حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
"میں آپ سے ملنے آیا تھا۔" زیان نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
"مجھ سے؟" میں نے حیرت سے گنگ ہو کر پوچھا۔
"جی ہاں، میں آپ سے ہی ملنے آیا ہوں۔ جس لڑکی کو رنگوں سے اس قدر محبت ہے۔ یقیناً اس کی زندگی خوابوں، خیالوں پر محیط ہو گی۔ مجھے آپ کی تاریکی نے سونے نہیں دیا۔ اس لیے میں آپ سے ملنے چلا آیا۔" اس نے میری آنکھوں میں جھانک کر نہایت نرمی سے کہا تھا۔
"آپ کو اس طرح ہرگز نہیں آنا چاہیے تھا۔ میرے چہرے میں کوئی تاریکی نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی میری وجہ سے آپ کی فیملی ڈسٹرب ہو۔ کم از کم آپ کو اپنی بیوی اور بیٹی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اب آپ اس طرح مجھ سے ملنے بھی مت آئیے گا۔ برائے مہربانی آپ جا سکتے ہیں۔" میں نے تمام لحاظ و مروت بالائے طاق رکھ کر گویا بات ختم کی۔ مجھے زیان کا یہ انداز ذرا نہ بھایا تھا۔
زیان واصف نے پہلی بار مجھ پر مسکراتی نظر ڈالی تھی۔ جیسے اسے میرے ری ایکشن کے بابت پہلے سے پتا ہو۔ اس کی مسکراہٹ اس جیسی دلکش تھی مگر اس کی اس دلکش مسکراہٹ نے میرا دل جلا دیا تھا۔ کوئی اور لمحہ ہوتا یا وہ شخص میرڈ نہ ہوتا تو میں اس کی اس مسکراہٹ پر مرمٹتی۔ میں ہرگز بھی کسی کا گھر توڑنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ مجھے معلوم ہے گھر بنانے میں کتنے ارمان کتنے خواب، خواہش کو دان کرنا پڑتا ہے۔ مکان کو گھر بنانا کوئی آسان کام نہیں۔ ایک عورت بے حد مشکل سے اپنے گھر کو گھر بناتی ہے۔ اپنی محبت اپنے دن اور راتیں تیاگ کر وہ اس گھر کو گھر رہنے دیتی ہے۔ تو میں کیونکر کسی کا گھر تباہ کرتی۔
مجھے ایسے لوگوں سے ہمیشہ سے نفرت رہی ہے۔ جو کوئی تیسرا فریق بن کر دو لوگوں کی محبت میں شریک

ہو جائیں۔ شادی کے بعد ایک عورت کے پاس اس کے شوہر کے علاوہ ہوتا ہی کیا ہے۔ عورت کا تو کوئی گھر ہوتا ہی نہیں۔ میکہ چھوٹ جاتا ہے وہاں کے لوگوں کو بہت خوش ہوں کہہ کر لڑکی کو ہر وقت مطمئن رکھنا ہوتا ہے۔ اگر عورت کے شوہر پر بھی ڈاکہ ڈال لیا جائے تو اس عورت کے پاس کیا باقی بچے گا؟

ہمیں کوئی حق نہیں دوسروں کی ہنستی بستی زندگی اجاڑ دیں دوسروں کے ارمانوں کے شیش محل میں آگ لگا دیں اور محبت کے اس مقبرے میں بڑے استحقاق سے براجمان ہو جائیں۔ یہ تمام اسباب تھے جو زیان واصف کو مکمل طور پر میں نظر انداز کر رہی تھی۔

''بے حد اچھی سوچ کی حامل ہیں آپ، آپ کا دل بھی بے تحاشہ خوب صورت ہے۔ میرے نزدیک میرے لیے آپ کی پسندیدگی کچھ خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ بہت سی لڑکیاں آج بھی میری منتظر ہیں مگر آپ مجھے ان سب سے زیادہ مختلف لگی تھیں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کو رکا تھا۔

اس کی آنکھوں میں گہرا رنج ہلکورے لے رہا تھا۔ ایک بار پھر اس نے اپنے لب وا کیے۔

''میں آج بھی فارعہ سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں۔ جتنی پانچ سال قبل کیا کرتا تھا۔ اس کا اور میرا ساتھ نہایت مختصر رہا۔ ہماری بیٹی انشراح زیان کے پیدائش کے کچھ ماہ بعد ہی فارعہ کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ وہ تو بے تحاشہ خوش تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی ہمراہی میں بے حد مطمئن زندگی گزار رہے تھے۔ پھر پتا نہیں اس کا نروس بریک ڈاؤن کیوں ہو گیا تھا۔ مجھے آج تک وجہ سمجھ نہیں آئی۔ فارعہ کو یوں کھو دینے کا دکھ مجھے آج بھی بے چین کیے رکھتا ہے۔ انشراح کی پرورش میں نے خود کی۔ میری فیملی کے نام پر صرف ایک عدد بیٹی ہے۔ والدین کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ قدم قدم پر محرومیوں نے میرا استقبال کیا۔ اب میں خود میں اتنا حوصلہ نہیں پاتا کے کسی اپنے کو کھو دوں۔ میں اپنی بیٹی کو اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔

آپ کی جانب سے اپنے لیے پسندیدگی دیکھ کر میں واقعی ہول گیا تھا۔ میں ہرگز آپ کو برباد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا جو خود برباد ہو وہ بھلا کیونکر کسی کو برباد کر سکتا ہے۔ آپ کا رنگ و تتلیوں سے محبت کرنا اس بات کی یقین دہانی کروانے کے لیے کافی ہے کہ آپ کا دل کس قدر خوب صورت ہے۔ میرے اس دل میں فارعہ نے بسیرا کر رکھا ہے اور دوبارہ میں وہ جگہ کسی کو دے نہیں سکتا۔'' وہ جذب کہ عالم میں میری آنکھوں میں نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔ میں یک ٹک اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ میرا آئیڈیل کتنا پیارا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں اس کے تمام دکھ چن لوں۔

''اس لیے میں آپ کو حقیقت سے آگاہ کرنے چلا آیا تاکہ ضمیر کی عدالت میں سرخرو رہوں۔ اب میں چلتا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا میرے گلابی چہرے پر اس نے الوداعی نظر ڈالی تھی۔ تمام لوازمات یوں ہی رکھے تھے میں زیان واصف کی باتوں میں اس قدر مگن تھی کہ انہیں کافی تک کا پوچھ نہیں پائی۔

''کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے؟ فارعہ کی جگہ ہرگز بھی نہیں چاہیے۔ بس مجھے آپ کا ساتھ چاہیے۔'' انہیں جاتا ہوا دیکھ کر میں نے بے ساختہ کہا تھا۔ وہ فوراً مڑے تھے۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ اتنی اچھی ہیں۔ آپ کو کوئی بھی اچھا شخص مل جائے گا میری ہمراہی میں آپ تاعمر تہی دامن رہیں گی۔ میں خود تہی داماں ہوں میں کسی کو کیسے خوش رکھ پاؤں گا۔'' وہ میری جانب متوجہ تھا۔

''کوئی بھی کیوں؟ کیا وہ اچھے شخص آپ نہیں ہو سکتے؟'' میں نے انہیں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں کیونکہ میں اچھا شخص ہرگز بھی نہیں ہوں۔" زیان واصف نے میری نیلی آنکھوں میں جھانک کر لب بھینچ کر کہا تھا۔

"جیسے بھی ہیں آپ میرے آئیڈیل ہیں اور مجھے میرا آئیڈیل مل گیا ہے۔ میں نے ہمیشہ سے اپنے آئیڈیل سے محبت کی ہے۔ اپنی تمام تر چاہتیں اسی کے لیے بچا کر رکھی ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے میں آپ کو شادی کی آفر کر رہی ہوں مگر آپ یقین جانیے یہ میری مجبوری ہے اگر آپ نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں اپنی جان دے دوں گی۔" یہ کہتے ہوئے میرا گلا رندھ گیا تھا اور آنکھیں چھلک رہی تھیں۔ انہوں نے بے یقینی سے میرے پاگل پن کو دیکھا تھا۔

ان کو مجھ جیسی میچور لڑکی سے اس ری ایکشن کی ہرگز بھی توقع نہ تھی۔ یہ محبت بھی ناں انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی آپ عرش سے فرش پر آ کر گرتے ہو آپ کی عزت نفس، انا کہیں گم ہو جاتی ہے۔ یا آپ اسے تھپکی دے کر سلا دیتے ہو اور آپ اپنے محبوب کے رحم و کرم پر ہوتے ہو کہ وہ آپ کی جھولی میں تھوڑی سی محبت ڈال دے۔ اگر محبوب ایسا کرتا ہے تو آپ ہواؤں میں اڑنے لگتے ہو۔ محبوب کی ذرا سی نظر التفات آپ میں زندگی بھر دیتی ہے اور محسوس ہوتا ہے اس دنیا میں آپ سے زیادہ کوئی خوش نہیں ہے۔ آپ سے زیادہ کسی کے لیے دنیا خوب صورت نہیں ہے۔ اس نے میرے پاگل پن کو ملاحظہ کرتے ہوئے ایک گہری سانس لی تھی جیسے وہ ہار گیا ہو۔

"میں اس شرط پر آپ سے نکاح کروں گا آپ میرے گھر میں میری انشراح کی ماں بن کر آئیں گی۔ آپ مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کریں گی اوکے؟ اپنے گھر والوں کو مطلع کر دیجیے گا کہ میں کل آؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ میں زیان واصف کے نام سے منسوب ہونے والی تھی اور مجھے کیا چاہیے تھا۔ میں حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بت بنی بیٹھی تھی۔

"نادانی میں انسان کیسے کیسے غلط فیصلے لمحے میں کر لیتا ہے۔ اسے ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ مستقبل قریب میں یہ نادان فیصلے کون سا رخ دکھائیں گے اگر اسے اس بات کا ذرا بھی ادراک ہو جائے تو انسان کبھی ایسے فیصلے نہ کرے۔ مجھ پر بھی ادراک کا یہ در وا ہونے والا تھا۔

☆......☆

"میں ذہنی کشمکش کا شکار تھی۔ زیان مان تو گئے تھے۔ اب مجھے مما، پپا کو راضی کرنا تھا۔ ان لوگوں کو منانا اتنا بھی آسان نہیں تھا۔ میرا خواب یوں پورا ہو جائے گا یہ تو میرے گمان میں بھی نہ تھا۔ مما، بھابی کے ہمراہ گھر آ گئی تھیں۔ اپنے بے حد پیارے اور گول مٹول سے بھتیجے کو دیکھ کر میں بے تحاشا خوش تھی۔ دو دو خوشیاں ساتھ سمیٹ کر میں ہواؤں میں اڑ رہی تھیں۔ بھابی مسکراتی نظروں سے مسلسل مجھے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے آج میری گڑیا کچھ زیادہ ہی خوش ہے؟" بھابی نے میرے ہاتھوں پر نرمی سے ہاتھ رکھے محبت سے استفسار کیا تھا۔

"جی ہاں بھابی! میں خوش نہیں بے حد، بے انتہا، بے تحاشہ خوش ہوں ایک تو پھپھو بننے کی خوشی اور ایک اور خوشی ہے جس میں آپ کو میرا بھرپور ساتھ دینا ہوگا۔" میں نے بھابی سے راسب (بھتیجے) کو لیتے ہوئے بے حد مسرور ہو کر بتایا۔

"اچھا جی! ایسی کون سی خوشی ہے جس میں مجھے اپنی چندا کا ساتھ دینا ہوگا؟" بھابی نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔ میں نے من و عن تمام باتیں بھابی کے گوش گزار کیں اور یہ بھی کہ زیان کل آئیں گے۔

بھابی گم سم تھیں انہیں میری خوشی عزیز تو تھی مگر وہ شادی شدہ اور ایک بچی کا باپ تھا۔ مما، پپا اور بھیا کو راضی کرنا اتنا بھی آسان نہ تھا۔ بھابی ہنوز خاموش تھیں۔ ان کے دلکش چہرے پر سنجیدگی کی گہری چھاپ تھی۔

"بھابی! کیا آپ خوش نہیں ہیں؟" میں نے ان کی خاموشی سے گھبرا کے ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کو ان سے استفسار کیا۔

"چندا! میں بہت خوش ہوں کہ تمہیں تمہارا آئیڈیل مل گیا مگر مما، پپا اور رضا ضرور احتجاج کریں گے۔" انہوں نے متفکر لہجے میں کہا۔

"بھابی پلیز! آپ مما کو بتا دیں اگر زیان مجھے نہ ملے تو میں واقعی جان دے دوں گی۔" میں نے نروٹھے پن سے کہا اور بھابی کو متفکر چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆

رات ڈنر میں پپا نے زیان کے متعلق مجھ سے استفسار کیا تھا۔ میں مسلسل خاموش تھی۔

"کیا یہی تمہارا آخری فیصلہ ہے روشنا بیٹا؟" پپا نے پرشفیق لہجے میں استفسار کیا تھا۔ میری آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ بھابی نے مما کو تمام باتیں تفصیلاً بتا دیں تھیں۔ ڈنر ٹیبل پر ہر ایک موجود تھا۔ بھیا خاموش تھے۔

"بیٹا! نہیں اگر تمہیں لگتا ہے تم زیان کے ساتھ خوش رہ سکتی ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ وہ ایک بے حد سلجھا ہوا شخص ہے۔ مجھے وہ بے حد پسند ہے اسے پہلی مرتبہ دیکھ کر ہی مجھے تمہارا خیال آیا تھا کہ کاش یہ ایکسٹرا اور ڈیزی اور جینٹس شخص میری روشنا کا ہمسفر بن جائے مگر جب مجھے علم ہوا وہ ایک عدد بچی کا باپ ہے میرا سپنا ٹوٹ گیا۔ خیر اگر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں کیوں کہ زندگی تمہیں گزارنی ہے ہمیں نہیں۔ واقعی وہ ایک ایماندار انسان ہے۔

"کیوں رضا؟" تمام باتیں کہنے کے بعد ان کا رخ اب بھیا کی جانب تھا۔ وہ ان سے تائیدی لہجے میں استفسار کر رہے تھے۔

"جی پپا! زیان واصف ایک بہترین اور آئیڈیل شخص ہے۔" بھیا نے بھی مجھے محبت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

میرے دل میں ڈھیروں اطمینان اور سکون اتر آیا تھا۔ میری توقع کے برخلاف سب باآسانی مان گئے تھے۔ بھابی اور مما نے مجھے بے ساختہ گلے لگایا میری بھابی اتنی پیاری ہیں نجانے انہوں نے کس طرح سب کو راضی کر لیا مجھے اپنی قسمت پر بے ساختہ رشک آیا تھا کہ میرے اردگرد کس قدر چاہنے والے لوگ موجود ہیں۔

پوری رات جاگتے گزری مجھے زیان واصف کا بے صبری سے انتظار تھا۔

☆......☆

وہ مقررہ وقت پر ڈھیروں مہمانوں کے ہمراہ پہنچے تھے۔ مما، پپا، بھیا سب ہی ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ میں بھابی کے پاس بیٹھی راسب کو تھامے ہوئی تھی۔ تب ہی مما، زیان کے ہمراہ بھابی کے روم میں آئی تھیں۔ مما، بھابی کے سامنے انہوں نے مجھے ڈائمنڈ رنگ پہنائی تھی۔ مما اور بھابی نے باری باری مجھے گلے لگایا تھا۔ زیان میری جانب دیکھ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر اپنائیت کا احساس جاگا تھا۔

"شادی اس مہینے کے آخر میں قرار پائی تھی۔ بری کے تمام ترجوڑے زیان نے مجھے میری پسند سے دلوائے

تھے۔ اسی دوران انشراح کے توسط سے پایا تھا۔ اس لیے وہ مجھے اور زیادہ عزیز ہوگئی تھی۔

اس دوران میں فارعہ کی ممی اور بھائی سے بھی ملی تھی۔ وہ لوگ بھی بے حد اچھے تھے۔ ہماری شادی میں بھی انہوں نے شرکت کی تھی۔ میں روشنا ملک سے روشنا زیان بن گئی تھی۔ یہاں تک کا سفر تو نہایت آسان تھا مگر روشنا زیان سے حقیقت کا سفر بے حد کٹھن رہا۔ میں زیان واصف کی زیست کا حصہ تو بن گئی اس کی بچی کی ماں بھی بن گئی مگر بیوی نہ بن سکی۔ زیان میرا بہت دھیان رکھتے ہیں مگر ان کے دل میں ابھی تک فارعہ ہے۔ میں کہیں بھی نہیں ہوں۔

روشنا کے لہجے میں کرب پنہاں تھا۔ تمام تر حقیقتیں آشکار کر کے وہ اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔ امشلہ بالکل ساکت تھی۔

''بہت دیر ہوگئی ہے اب چلنا چاہیے۔'' دونوں کے درمیان جامد خاموشی کو روشنا نے ہی توڑا تھا۔

''تم میرے گھر چلو ناں؟'' امشلہ نے آفر دی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ روشنا کی روشن آنکھوں کی ویرانی اسے دہلا رہی تھی۔

''پھر کبھی سہی امشلہ! فی الحال تو میں یہیں ہوں۔ تمہارے گھر انشاء اللہ ضرور آؤں گی۔'' فون نمبر ایکسچینج کیے دونوں کافی شاپ کے باہر نکل آئیں۔

تب ہی بلیک سوک اس سے ذرا فاصلے پر رکی تھی۔ زیان واصف کی گاڑی کو رکتا دیکھ کر روشنا بھی وہیں رک گئی۔ جب کہ امشلہ کی نظریں اسی جانب تھی۔

گاڑی سے اترتے شخص کو امشلہ نے بغور دیکھا تھا۔ وہ واقعی روشنا کے تصوراتی بندے سے گہری مشابہت رکھتا تھا۔ امشلہ کو اسے دیکھ کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اپنی دوست کے لیے اس کے دل سے ڈھیروں دعا نکلی تھی۔

''روشنا! آپ یہاں؟'' زیان نے تعجب سے استفسار کیا۔

''جی گھر میں بور ہو رہی تھی تو واک پر نکل آئی۔ وہیں میری فرینڈ امشلہ مل گئی۔ میٹ مائی فرینڈ امشلہ شہروز۔'' روشنا نے زیان سے امشلہ شہروز کا تعارف کروایا۔

''السلام وعلیکم!'' امشلہ نے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' زیان نے نرمی سے جواب دیا۔

''کیسے مزاج ہیں آپ کے؟'' زیان نے امشلہ سے پوچھا تھا۔

''اللہ کا کرم ہے ٹھیک ہوں۔'' امشلہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ امشلہ نے دونوں کو اپنے گھر چلنے کے لیے بھی کہا تھا۔ Next time کا کہہ کر زیان نے معذرت کر لی تھی۔ زیان نے امشلہ کو گھر ڈراپ کرنے کی آفر بھی کی مگر امشلہ نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ شہروز لینے آئیں گے۔ دونوں اسے الوداع کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

☆......☆

''یہ آپ کی کون سی فرینڈ تھی؟'' کارٹرن کرتے زیان کا انداز استفہامیہ تھا۔

''میری ایک ہی تو فرینڈ ہے امشلہ شہروز تصویریں تو آپ نے دیکھ رکھی ہیں۔'' روشنا نے جواب دیا۔

''یہ وہ تصویروں والی لڑکی ہے۔ کافی بدل نہیں گئی؟'' زیان کے ذہن میں وہی پتلی، سانولی سی لڑکی گھوم گئی۔ جس کے ساتھ روشنا کی بے شمار تصویریں تھیں مگر اب تو گوری، دمکتی رنگت، ہری بھری متناسب جسامت کے ساتھ وہ بالکل الگ ہی لگی تھی۔

''ہاں واقعی بدل تو گئی ہے۔ توجہ اور محبت اچھے اچھوں کو بدل دیا کرتی ہے۔'' روشنا نے یہ کہہ کر نظریں موڑ لی تھیں۔ زیان واصف نے بے ساختہ اسے دیکھا تھا۔ ان دلکش نینوں میں چلتے مژگان دہلیز عبور کر کے ان آنکھوں کے پہرے دار بن گئے تھے۔ زیان اسے مین گیٹ پر ہی چھوڑ کر کار زن سے بھگا لے گیا۔ روشنا تھکے قدموں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی۔

☆......☆

شام ڈھلے جب وہ گھر آیا۔ روشنا کو لیپ ٹاپ پر مصروف پایا۔ وہ روزانہ رات کے وقت ہی گھر آیا کرتا تھا۔ آج کچھ Documents گھر میں رہ گئے تھے۔ وہی لینے کے لیے بے وقت گھر آیا تھا۔
روشنا کو لیپ ٹاپ پر انشو کے ساتھ مصروف پا کر اسے حیرت ہوئی تھی۔ روشنا کو زیان کو دیکھ کر یوں لگا کے جیسے اسے کسی نے چوری کرتے پکڑ لیا ہو۔
''ممی! کیا ہوا؟ خاموش کیوں ہوگئیں؟'' imo پہ انشو نے روشنا کی عدم توجہ پا کر استفسار کیا تھا۔ لیپ ٹاپ کا رخ دروازے کی جانب نہ تھا جب ہی انشو زیان کی آمد سے بے خبر تھی۔ زیان نے بھی روشنا کو مخاطب نہیں کیا تھا۔
''کچھ نہیں جانو۔'' روشنا نے ناسمجھی کے انداز میں کہا۔
''مس یو ممی! آپ کو پتا ہے ڈیڈی مجھے بالکل بھی یاد نہیں کرتے جب کہ آپ مجھ سے روزانہ بات کرتی ہیں۔'' انشو نے منہ بسورتے ہوئے کہا تھا۔
''بیٹا! ڈیڈی مصروف ہوتے ہیں ناں اس لیے۔'' روشنا نے بغور زیان کو دیکھا تھا۔
''اتنے بھی مصروف نہیں ہوتے۔ ڈیڈی وہ مجھے مس ہی نہیں کرتے۔'' انشو کے لہجے میں حسرت تھی۔
''ایسی کوئی بات نہیں ہے آج آپ کے ڈیڈی آپ کو کال کریں گے۔'' روشنا نے گول مول جواب دیا کہ زیان واصف نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''اوکے ممی! گرینی مجھے بلا رہی ہیں۔ کل اسی وقت آن لائن ہو جایئے گا۔ لو یو ممی بائے۔''
''لو یو ٹو بیٹا۔ اپنا خیال رکھنا۔'' کہہ کر روشنا نے لائن منقطع کر دی تھی۔ لیپ ٹاپ آف کیے روشنا کا رخ اب زیان کی جانب تھا۔ زیان کام میں مصروف تھا۔
''آپ کو کچھ چاہیے؟ چائے وغیرہ؟'' بالوں کو کیچر میں مقید کرتی روشنا کا انداز سوالیہ تھا۔
''جی نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' زیان کا انداز نرالا تھا۔ روشنا نے بغور اسے دیکھا تھا۔
''بائی داوے میری بیٹی کب سے imo پر آن لائن ہونے لگی اور مجھے مطلع کرنا بھی ضروری خیال نہیں کیا آپ نے؟'' زیان نے فائل بند کرتے غضبناک ہو کر پوچھا تھا۔
''روزانہ اس وقت ہماری بات ہوتی ہے۔ آپ کو فرصت کب ہے؟ صبح کے گئے آپ کی واپسی رات کو ہوتی ہے۔ آپ کو خود سے دور بیٹی کا ذرا بھی احساس اور پرواہ ہے؟'' روشنا نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے آئینہ دکھایا تھا۔
''میں مصروف رہتا ہوں کم از کم آپ مجھے باخبر ہی کر دیتیں۔'' زیان نے اس بار لہجے کو نرم کرتے کہا تھا۔
''آپ مجھے فارغ ملیں تب میں آپ سے کچھ کہوں ناں۔ آپ کو کالز میٹنگز اور بزنس ڈنر سے فرصت نہیں ہوتی۔'' روشنا یہ کہہ کر رکی نہیں تھی یلو آنچل کندھے پر ڈالے وہ کمرے سے نکلی تھی۔ زیان نے اس کے تیور کو بغور

ملاحظہ کیا تھا۔ غلطی اس کی تھی اپنی غلطی پر شرمسار ہوتے اس نے فارعہ کے گھر کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ یہ ہی نمبر تھا جس سے بات ہوا کرتی تھی نمبر ڈائل کرتے تاریک سایہ اس کے چہرے سے گزرا تھا۔ فارعہ بے ساختہ یاد آئی تھی۔ اس کی یادوں سے نظریں چراتے انشراح سے چند باتیں کر کے وہ روشنا کو یکسر نظر انداز کیے بزنس میٹنگ کے لیے نکلا تھا۔ روشنا کی اس کی زندگی میں حیثیت ہی کیا تھی۔ اس کے ہونے نہ ہونے سے زیان واصف کو کچھ خاص فرق کب پڑتا تھا۔

☆......☆

کچھ دیر قبل ہی زیان کی واپسی ہوئی تھی۔ وہ اسٹڈی میں موجود تھا۔ تمام وقت اس کا اسٹڈی روم میں ہی گزرتا تھا۔ روشنا آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے بال سنوار رہی تھی۔ جب اس کی سوچ میں امشلہ شامل ہوگئی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی امشلہ سے اپنا موازنہ کرنے لگی۔

یونیورسٹی میں اسے بیوٹی کوئن کا ٹائٹل ملا کرتا تھا۔ امشلہ، روشنا کے مقابلے میں قدرے کم تھی امشلہ کا متوسط طبقے سے تعلق تھا۔ اس کے پاس اتنی آسائشیں بھی نہ تھیں مگر اب تو امشلہ کی جھب ہی نرالی تھی۔ محبت نے یقیناً بدل دیا ہے اسے اس کے چہرے پر کس قدر الوہی سی چمک تھی۔ اس کی سانولی رنگت دودھ کی مانند دمک رہی تھی۔ روشنا نے بے ساختہ آئینے سے نظریں چرائی تھیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، گوری رنگت زردی مائل ہو چلی تھی۔

''امشلہ محبت کے ہاتھوں آباد اور میں محبت کے ہاتھوں برباد ہوئی۔''

''میری عزیز دوست تاحیات خوش وخرم رہے۔'' اس کے دل سے بے ساختہ دعا نکلی تھی۔ جب ہی ماضی کی یادیں چھلکنے لگیں۔

☆......☆

امشلہ کے گھر والوں نے اس کا رشتہ شہروز سے طے کر دیا تھا۔ جو بے حد معمولی شکل وصورت کا نوجوان تھا۔ وہ تو امشلہ کے پاسنگ بھی نہ تھا۔ بہت گہرا رنگ وہ ذرا بھی ہینڈسم نہ تھا۔ امشلہ کا بھی ایک آئیڈیل تھا جو روشنا سے کچھ حد تک مماثل تھا مگر اس کے باوجود بھی امشلہ نے شہروز کے لیے حامی بھر دی تھی۔ وہ C.A کرنے کے بعد آسٹریلیا، اسکاٹ لینڈ و دیگر ممالک سے ڈگریز لے کے لوٹا تھا۔ وہ بے حد ذہین نوجوان تھا۔ ان دنوں وہ اسلام آباد میں سیٹل تھا۔ امشلہ کا راضی ہونا روشنا کے لیے باعث حیرت تھا۔ جب ہی غصے سے بھری وہ روشنا کے گھر پہنچی تھی۔

''تم نے شہروز بھائی کے لیے ہامی کیسے بھری امشلہ؟ وہ تمہارے آئیڈیل سے کسی طرح میچ نہیں کرتے۔ وہ تو تمہارے پاسنگ بھی نہیں ہیں۔ مانا کہ وہ بے حد ذہین ہیں مگر وہ اس جیسے ہرگز بھی نہیں ہیں جسے تم نے چاہا تھا۔'' روشنا ہنوز غصے میں تھی۔

''وہ خواب تھا بکھر گیا، خیال تھا ملا نہیں
دل کو میرے کیا ہوا، یہ کیوں بجھا پتا نہیں''

''میں کیا کروں روشنا! میرے مما، پپا نے بے حد مان سے میرے لیے شہروز کو منتخب کیا ہے۔ میں ہرگز بھی انکار نہیں کر سکتی میرے والدین کی تمام تر امیدیں مجھ سے ہی تو وابستہ ہیں۔ یقین کرو میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ مجھے اپنے آئیڈیل سے کب محبت ہوئی مجھے اس کا علم نہیں۔ شہروز کے ساتھ پوری زندگی گزارنا میرے لیے دشوار ضرور ہوگا مگر ناممکن ہرگز نہیں مگر انشاء اللہ میں ان کے ساتھ ایڈجسٹ ہونے کی اپنی بھرپور کوشش کروں گی

اپنے والدین کا مان میں ہرگز نہیں توڑوں گی۔" امشلہ نے بھیگے لہجے میں کہا تھا۔ اداسیوں نے اس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔ اس کے لہجے میں صدیوں کی تھکن تھی۔

"امشلہ! میں انکل، آنٹی کو منالوں گی۔ وہ شہروز بھائی اور ان کی فیملی کو منع کر دیں گے۔" روشنا نے ایک بار پھر سمجھانے کی سعی کی تھی۔

"نہیں روشی! شہروز نے کسی کے دباؤ میں آ کر نہیں بلکہ اپنی پسندیدگی سے میرے لیے رشتہ بھیجا ہے۔ مما، پپا کے مطابق شہروز میرے لیے پرفیکٹ ہیں۔ وہ مجھے تا عمر خوش رکھیں گے۔ تم میرے لیے دعا کرو میں ہمیشہ خوش اور مطمئن رہوں اور اپنے والدین کا مان بھی نہ توڑوں۔"

"جس کے خواب سجائے تھے وہ ملا نہیں
قسمت کا فیصلہ جان لیا اب، ہمیں کسی سے گلہ نہیں"

امشلہ نے تمام تر باتیں بے بسی سے اس کے گوش گزار کی تھیں۔

"تم میری سمجھ سے بالا رہو امشلہ! مجھے اس سے تم پر بے انتہا غصہ آ رہا ہے۔ خیر یہ تمہاری خود کی زندگی ہے میں صلاح دے سکتی ہوں۔ عمل کرنا تمہارا خود کا کام ہے اگر مجھے میرا آئیڈیل نہ ملا تو میں مرنا قبول کروں گی مگر کسی ان چاہے شخص کا ساتھ قبول کرنا نہیں۔ مجھے اپنے آئیڈیل سے محبت نہیں عشق ہے۔ تم اپنے آئیڈیل سے اتنی جلدی دستبردار ہو جاؤ گی اس بات کا مجھے گمان تک نہ تھا۔" روشنا نے نہایت تنفر سے کہا تھا۔

"روشنا! چھوڑو یہ آئیڈیل کی باتیں یہ سب کتابی باتیں ہیں۔ اس آئیڈیل کی وجہ سے تمہیں تہی دامنی کے سوا کچھ بھی نہیں ملے گا۔ مجھے واقعی سبق مل چکا ہے۔ جو میرا کبھی تھا ہی نہیں اس کے بچھڑ جانے کا ملال کیا کرنا۔ جو صرف میرا اپنا ہے مجھے اس کے لیے جینا ہے۔" امشلہ نے روشنا کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اپنے فیصلے پر قائم ودائم تھی۔

"یہ سب حقیقت ہے امشلہ! کوئی کتابی باتیں نہیں۔ تم ایک دن مجھے میرے آئیڈیل کے ساتھ دیکھو گی۔ اس وقت میرے چہرے اور ہر اک انداز میں دلکشی پنہاں ہوگی اور تمہیں مجھے دیکھ کر ضرور رشک ہوگا۔ شہروز کے لیے اگر منع کر دیتی تو یقیناً میرا آئیڈیل بھی میرے ہمراہ ہوتا۔" روشنا نے ایک جذب کے عالم میں یہ سب کچھ کہا تھا اور رکی نہیں تھی۔ امشلہ نے بے یقینی سے روشنا کی جانب دیکھا تھا۔ جیسے اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا ہو۔ روشنا آئیڈیل بناتے بناتے امشلہ سے بہت آگے نکل چکی تھی اور اپنی عزیز از جان سہیلی کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے ان زخموں کو کرید رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اسے چیلنج کر بیٹھی۔

"ضرور، روشنا اس دن کا مجھے بے خبری سے انتظار ہوگا۔ جب میں تمہیں تمہارے آئیڈیل کے ہمراہ دیکھوں اور تمہاری قسمت پر مجھے رشک ہو۔" امشلہ نے آنسوؤں سے بھیگے لہجے میں بے ساختہ کہا تھا۔

جسے سن کر روشنا کے پیر وہیں جم گئے تھے۔ وہ امشلہ تک آئی تھی اور دونوں سہیلیاں ایک دوسرے کو خود میں بھینچے تا دیر روتی رہیں۔ امشلہ اپنا سپنا ٹوٹ جانے پر ماتم کناں تھی اور روشنا، امشلہ کے دکھ میں دکھی ہو کر نیر بہا رہی تھی۔

☆......☆

"امشلہ مجھے میرا آئیڈیل تو مل گیا مگر میرے انداز میں کوئی دلکشی نہیں ہے۔ دلکشی تو تمہارے اک اک

انداز میں پنہاں ہے۔ اپنی داستان میں گم ہو کر میں تمہاری لائف کے بابت تو پوچھنا ہی بھول گئی مگر تمہیں دیکھ کر میں سمجھ گئی کہ میری امشلہ بے حد مطمئن ہے۔ اللہ تمہیں بے حد خوش رکھے امشلہ۔

''مجھے میرا آئیڈیل تو مل گیا مگر رشک مجھے تمہاری قسمت پر ہو رہا ہے۔'' آئینے میں خود کو دیکھتے روشنا نے خود کلامی کی تھی۔ وال کلاک کے الارم سے اس کا سحر ٹوٹا تھا۔ گھڑی رات کے تین بجا رہی تھی۔ زیان واصف دیر تک جاگنے کا عادی تھا۔ روشنا اکثر آدھی رات کو چائے، کافی کا پوچھ لیا کرتی تھی۔ اسی غرض سے اس نے کمرے سے منسلک اسٹڈی کا دروازہ ناک کیا تھا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اسٹڈی روم مکمل طور پر گھپ اندھیرے میں گم تھا۔ اس نے ٹٹول کر سوئچ بورڈ تلاشا۔ بٹن دباتے ہی کمرہ پوری طرح روشنی سے منور ہو گیا۔ زیان صوفے پر آڑا ترچھا لیٹا تھا۔ اس کے سینے پر فارعہ کی تصویر رکھی ہوئی تھی۔

جسے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا رکھا تھا۔ لبوں پر دھیمی سی مسکان تھی۔ جسے دیکھ کر روشنا کو یہ جاننے میں لمحہ بھی نہ لگا کہ وہ خوابوں میں فارعہ کے ساتھ مگن ہے۔ اس نے نہایت کرب سے یہ منظر دیکھا اور دروازہ کھلا چھوڑ کر بیڈ کے سائیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''سمجھے تھے دوسروں سے بہت مختلف تجھے
کیا مان لیں کہ تو بھی ہمارا نہیں رہا
تم اعتبار اس کے لیے کیوں اداس ہو
اک شخص جو کبھی بھی تمہارا نہیں رہا''

آنسو تواتر سے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔ پوری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔

''زیان واصف! میں تم سے شکوہ بھی نہیں کر سکتی کہ تم مجھ سے زیادہ فارعہ کو کیوں کر اہمیت دیتے ہو۔ جواب اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ میں تو جیتا جاگتا وجود ہوں جسے صرف تمہاری محبت اور تھوڑی سی توجہ درکار ہے مگر یہ خاردار راہ میری خود کی منتخب کردہ ہے۔ تم نے مجھے پہلے ہی یہ باور کروا دیا تھا کہ تمہارے دل میں صرف فارعہ ہے۔ میں نے تو صرف اور صرف تمہارا ساتھ مانگا تھا۔ جو بخوبی تم نے مجھے دیا اب معاہدے سے یہ دل کیوں مکر رہا ہے۔

اس کے گولڈن براؤن بالوں سے پورا چہرہ ڈھکا تھا۔ چہرہ آنسوؤں سے تر وہ زیان کی تصویر تھامے اردگرد سے بے نیاز زار و قطار رو رہی تھی۔ جب ہی زیان اسٹڈی روم سے نکل کر روشنا تک آیا تھا۔ فارعہ کی تصویر جواب بھی اس کے ہاتھوں میں تھی۔ زیان نے پہلے اپنا پھر روشنا کا ہاتھ دیکھا۔

''روشنا! آپ رو کیوں رہی ہیں؟'' پانی گلاس میں انڈیلتے اس نے استفسار کیا تھا۔ اپنی تصویر اس کے ہاتھوں میں دیکھ کر اس نے ٹھنڈی سانس لی تھی۔ اسے وجہ جاننے میں فقط کچھ پل ہی لگے تھے۔

''برا خواب دیکھ لیا تھا۔'' ایک ہی گھونٹ میں پانی کا گلاس خالی کر کے روشنا نے جواب دیا۔

''کبھی تو نے خود بھی سوچا کہ یہ پیاس ہے تو کیوں ہے
تجھے پا کے بھی میرا دل اداس ہے تو کیوں ہے''

آنکھوں کی سرخی رت جگے اور مسلسل رونے کی چغلی کھا رہی تھی۔ وہ ''برا خواب'' کسے کہہ رہی تھی۔ زیان بخوبی اس سے واقف تھا۔

''اب آپ سکون سے سو جائیں میں یہیں ہوں۔'' بیڈ کے دوسری جانب بیٹھتے ہوئے زیان نے ملائمت

سے کہا۔ کمبل گردن تک تان کر روشنا نے سختی سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ زیان واصف نے نہایت کرب سے اس پاگل لڑکی کو دیکھا۔ اس کے ہاتھوں سے اپنی مسکراتی تصویر لیتے ہوئے تاریک سایہ اس کے چہرے پر لہرایا تھا۔ یہ وہی تصویر تھی جو فرسٹ ویڈنگ اینی ورسری میں فارعہ نے کھینچی تھی۔ وہ دونوں تصاویر تھامے گم صم بیٹھا تھا۔ نگاہیں روشنا کے حزن زدہ چہرے پر مرکوز تھیں۔ جہاں سب کچھ پا کر کھو دینے کا گہرا رنج موجود تھا۔ زیان واصف نے نظریں چرا کر رخ دوسری جانب موڑ لیا۔

☆......☆

صبح معمول کے مطابق وہ سویرے ہی جاگی تھی۔ زیان کو جگا کر اس نے کچن کا رخ کیا۔ گھر میں ملازمین موجود تھے مگر کوکنگ وہ خود ہی کیا کرتی تھی۔ آملیٹ بناتے ہوئے اس کے سیل فون نے رنگ کرنا شروع کر دی۔ اس نے Yes کا بٹن پریس کر کے سیل فون کانوں سے لگا لیا۔

''السلام وعلیکم! جی کون؟'' آملیٹ کا آمیزہ فرائنگ پین میں ڈالتے ہوئے روشنا نے استفسار کیا تھا۔

''جی کون کی بچی میں امشلہ تمہاری اکلوتی عزیز از جان دوست۔ محترمہ کیسے مزاج ہیں آپ کے؟'' امشلہ نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

''میرے مزاج تو بخیر ہیں تم سناؤ۔'' روشنا نے مصنوعی بشاشت سے کہا۔ رات بھر رونے کے باعث اس کی آواز ٹھیک طرح سے نکل نہیں رہی تھی۔

''اگر کسی نے پوچھ لیا اداسیوں کا سبب
تو موسموں کا گلہ کر کے ٹال دیں گے ہم''

''مجھے تو تم ہرگز بھی خیریت سے نہیں لگ رہی ہو روشنا کم از کم مجھ سے جھوٹ کہنے سے گریز کیا کرو۔ خیر آج ڈنر پر تم زیان بھائی اور انشراح انوائٹڈ ہو۔ شہروز بھی میری پیاری سہیلی سے ملنا چاہتے ہیں۔'' امشلہ نے کھلکھلاتے ہوئے کہا۔ شہروز کا نام لینے سے اس کا لہجہ ہی الگ تھا۔

''پہلے زیان سے تو پوچھ لوں۔ کہیں وہ مصروف نہ ہوں اور ڈیئر انشراح میری جان تو اپنی نانی کے گھر لاہور گئی ہوئی ہے۔'' روشنا نے معذرت ہوتے کہا۔

''انشو آ جائے تو پھر اسے نیکسٹ ٹائم ساتھ لانا۔'' امشلہ نے کہا۔

''ہاں ضرور میں زیان سے پوچھ کر تمہیں کنفرم کر دوں گی۔'' روشنا نے کہتے ہوئے کچن سے منسلک ڈائننگ پر لوازمات سجائے۔

''کیا کر رہی ہو تم؟'' امشلہ نے پوچھا تھا۔

''ابھی تو میں زیان کے لیے ناشتا لگا رہی ہوں۔ تم بھی ناشتا کر لو۔'' روشنا نے محبت سے کہا۔

''جانو! میں ناشتا کر چکی۔ شہروز آفس اور ارمغان اسکول جا چکے۔ اب عثمان کو ناشتا کروا رہی ہوں۔'' امشلہ نے جواب دیا۔

''ویری گڈ کافی بزی روٹین ہے تمہاری۔'' روشنا نے کہا۔

''بچوں کی وجہ سے مصروفیت بڑھ جاتی ہے۔ حالانکہ شہروز تو مجھے یہ سب کرنے سے منع کرتے ہیں۔ پر تمہیں پتا ہے ہم سے فارغ رہا نہیں جاتا۔''

''ہاں یہ تو ہے میرا بھی کچھ یہی حال ہے۔'' روشنا نے جواب دیا۔

"تم مجھے زیان بھائی سے کنفرم کر کے جلدی بتا دو اپنا دھیان رکھنا اللہ حافظ۔" کہہ کر امشلہ نے لائن منقطع کر دی تھی۔ روشنا اس کے آواز کے سحر میں کھو سی گئی اس کی ہنسی اس قدر مترنم تھی۔ لگا ماحول میں جلترنگ سے بج اٹھے ہیں۔

"کیا ہوا آپ اس طرح کیوں کھڑی ہیں؟" زیان واصف نے بلیک رسٹ واچ کلائی میں باندھتے ماتھے پر بل ڈالے بت بنی روشنا سے استفسار کیا۔

"کک...... کک...... کچھ نہیں امشلہ کی کال آئی تھی۔ اس نے ہمیں آج ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔" روشنا نے گنگنا کر جواب دیا۔ زیان واصف نے بغور اسے دیکھا۔ وہ ڈائننگ کی کرسی گھسیٹے مستقل اسے دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر چلیں گے ہم۔" زیان نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"کیا واقعی؟" اس نے مسرور ہوتے بے یقینی سے استفسار کیا۔ زیان واصف نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے پانی کا گھونٹ بھرا۔

"اتنی چھوٹی سی بات پر خوش ہو جاتی ہے۔" اس کی بے معنی سی خوشی میں اس کا انداز قابل دید تھا۔ آج اس چھوٹی سی خوشی کو پا کر اس کا انداز ہی الگ تھا۔ زیان واصف نے بریک فاسٹ کرتے اور آفس جانے تک اس کے پرمسرت انداز کو بغور ملاحظہ کیا تھا۔

☆......☆

وہ پین اور ڈائری تھامے رائٹنگ ٹیبل پر جھکی ہوئی تھی۔ اسی وقت زیان واصف ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے کمرے میں داخل ہوا۔

"پلیز ایک کپ کافی بنا دیں۔" ٹائی بیڈ پر اچھالتے زیان نے کہا۔ زیان نے پہلی مرتبہ خود کافی کی فرمائش کی تھی۔

"جی ابھی لائی۔" وہ بے یقینی و حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ہمراہ پین، پیڈ، رائٹنگ ٹیبل پر چھوڑے کافی بنانے چل دی۔

زیان واصف جو شاور لینے کے ارادے سے واش روم کی جانب بڑھ رہا تھا۔ پیڈ پر درج عنوان "خواہش" پر ٹھٹھکا تھا اور اس کی لکھی گئی نظم کو بغور پڑھنے لگا۔

"خواہش"

"تم کبھی تو مجھ سے پیار جتاتے
تنہا راہوں میں ہمیشہ ساتھ نبھاتے
تمہیں شوخ رنگ مجھ پر بھاتے
ارد گرد تم میرے اکثر منڈلاتے
اپنی چاہتوں کا احساس بار ہا دلاتے
اپنی شدتوں کا برملا اظہار کر جاتے
بڑے چاہ اور ارمان سے مجھے اپنا بناتے
تم کبھی بھی نہ مجھ کو ستاتے
روٹھ جانے پر اکثر تم مجھے مناتے

کسی غلطی پر بھی نہ تم مجھے رلاتے
کافی کی فرمائش کرنے اکثر آتے
میرے دکھ درد تم سہ نہ پاتے
میری بے تکی باتوں پر انہماک سے تم سرہلاتے
کانوں میں دھڑکن نغمہ گنگناتے
کاش تم میرے سپنوں جیسے ہوتے تو
دن یونہی گزرتے ہنستے مسکراتے"

"روشنا تم نے مجھ سے عشق میں اپنے جذبات کاغذوں کے نذر کردیئے۔ تم اور کروگی بھی کیا۔ میں خود تہی داماں ہوں بھلا تمہارے دامن میں خوشیاں کیسے بھروں۔" زیان نے خودکلامی کی تھی۔

☆......☆

وہ لوگ مقررہ وقت پر ڈنر میں پہنچے تھے۔ امشلہ اور شہروز نے ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔ شہروز مجتبیٰ نے زیان واصف سے گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ روزولا قابل دید اور انٹیریئر ڈیزائننگ قابل دید تھا۔ چھوٹا مگر خوب صورت سالان گریزی سے بھرپور تھا۔ لان کے در و دیوار بوگن ویلیا کی بیلوں سے آراستہ تھے۔ پورے لان میں رات کی رانی کی مسحور کن مہک چھائی ہوئی تھی۔ لان کے آدھے حصے میں شیڈ ڈالا ہوا تھا جو کہ امریکن اسٹائل کا تھا۔ اس جانب بچوں کا پلے ایریا تھا۔ اس کی دوسری جانب مصنوعی تالاب بنا ہوا تھا۔ جس میں رنگ برنگی ڈھیروں مچھلیاں موجود تھیں۔ سامنے ہی وڈبراؤن ماربل ہاؤس تھا۔ جس کے ماتھے پر "روزولا" درج تھا۔ مین گیٹ کے اطراف میں ریڈ، اورنج، یلو، پنک روزیز کے امتزاج کے پودے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جو روزولا کی دلکشی کو چار چاند لگانے کے لیے کافی تھے۔ گلاب کے پودوں نے روزولا کو خوب صورتی سے ہمکنار کر رکھا تھا۔ گھر کے اندر قدم رکھتے ہی زیان اور روشنا گھر کے باذوق مکینوں کو سراہے بنا نہیں رہ سکے تھے۔

تمام در و دیوار مہنگی لکڑی سے بنائے گئے تھے۔ زیان کے گھر کو دیکھ کر روشنا بے حد متاثر ہوئی تھی اور اب امشلہ کا گھر دیکھ کر وہ انسپائر ہوئے بنا نہیں رہ سکی۔ امشلہ کے انداز سے ہرگز بھی عمارت کا غرور نہیں چھلکا تھا۔ ماحول کی دلکشی کو اپنی آنکھوں میں جذب کرتے زیان واصف نے بے ساختہ سراہا تھا۔

"شکریہ ہماری پیاری سی وائف کو گھر سنوارنے کا بے انتہا شوق ہے۔ میرے مکان کو انہوں نے ہی تو گھر بنایا ہے۔" شہروز نے شکریہ ادا کرتے ہوئے شرارت سے امشلہ کو دیکھتے ہوئے کہا جو سرخ جوڑے میں خود بھی سرخ ہوگئی تھی۔

زیان واصف نے بغور اس لونگ کپل کو دیکھا تھا۔ پھر اس کی نگاہ روشنا تک گئی تھی۔ جس کے چہرے پر اس خوشی کا شائبہ تک نہ تھا جو اسے امشلہ کے چہرے میں دکھا تھا۔

☆......☆

"آسیب زدہ گھر کا میں وہ در ہوں محسن
دیمک کی طرح کھا گئی جسے دستک کی تمنا
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں یہ عجیب عیب چھپا ہے
میں جس شخص کو چھولوں وہ میرا نہیں رہتا"

روشنا پر اچٹتی نگاہ ڈال کر وہ شہروز کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ جو کہ بلیک سیٹی، بلیک صوفہ سیٹ سے آراستہ تھا۔ اسکائی بلیو قالین، پردے، ڈیکوریشن پیسز تک اسکائی بلیو تھے۔ ڈرائنگ روم بلیک اینڈ اسکائی بلیو کنٹراس کا بہترین امتزاج تھا۔ سامنے ہی ایکوریم میں ننھی منی مچھلیاں اِدھر اُدھر پھر رہی تھیں مختصراً ان کی یہ چھوٹی سی جنت ان کے لیے بے انتہا چاہت و محبت کی غماز تھی۔

امشلہ اور روشنا بھی ڈرائنگ روم میں براجمان تھیں اور اپنی ہی باتوں میں مگن تھیں۔

''زیان! یہ دونوں خواتین ہمیں ہرگز بھی بات کرنے کا موقع فراہم نہیں کریں گی۔ چلو ہم ہی لان میں چلتے ہیں۔'' شہروز تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔ زیان نے بھی جوس کا گلاس خالی کرتے اس کی تقلید کی تھی۔ دونوں سہیلیاں فقط مسکرا کر رہ گئیں اور دوبارہ سے اپنے بیتے دنوں کے قصے یاد کرنے لگیں۔

''زیان! آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟'' لان میں زیان کے ساتھ چلتے ہوئے شہروز نے استفسار کیا تھا۔

''میری کوئی خاص مصروفیات تو نہیں ہیں۔ MBA اور MCOM کرنے کے بعد کراچی میں اپنی ایک فرم چلا رہا ہوں۔ فی الحال اسلام آباد میں بھی اپنا دوسرا بزنس سیٹ کر رہا ہوں۔ ارادہ تو کب سے تھا مگر مصروفیات کچھ زیادہ تھیں۔ اب وہاں سے تھوڑا ریلیکس ہوا تو فوراً اسلام آباد آنے کا ارادہ کر لیا۔ میں اکیلے ہی آنے کا سوچ رہا تھا مگر یہاں کام زیادہ تھا اسی لیے روشنا کو ساتھ لے آیا۔ تھوڑی مصروفیات کم ہوں تو اسے شمالی علاقہ جات دکھانے لے جاؤں گا۔'' زیان واصف نے تفصیلاً جواب دیا۔

''ہوں ویری گڈ! ایسے ٹورز تو لازمی ہونے چاہیے۔'' شہروز نے سراہا تھا۔

''تمہاری کیا مصروفیات ہیں؟'' زیان واصف نے بھی شہروز کی تقلید کرتے تمام لحاظ بالائے طاق رکھ دیئے تھے۔

''یہ ہوئی ناں یاروں والی بات۔'' شہروز نے زیان کا ہاتھ گرمجوشی سے دبایا تھا۔

زیان واصف کو یہ صاف گو انسان بے حد اچھا لگا تھا۔ رنگت کالی تھی تو کیا ہوا دل تو آئینے کی طرح صاف و شفاف تھا۔ بلیک پینٹ، لیمن شرٹ اور بلیک ٹائی لگائے شہروز کافی اچھا لگ رہا تھا۔

''میری مصروفیات تو بے تحاشہ ہیں یار! CA کرنے کے بعد ابراڈ سے دیگر کورسز کیے۔ وہاں جاب بھی کی، مالز بھی کھول رکھے ہیں۔ جن کی وجہ سے وقت بے حد کم ملتا ہے۔ اس لیے سال میں دو ٹورز اپنی وائف اور بچوں کے لیے رکھتا ہوں۔ ابھی سنڈے کو ہی ہم آسٹریلیا سے آئے ہیں۔ امشلہ کو سڈنی دیکھنے کا بے حد شوق تھا تو ہم نے وہاں 15 دن گزارے۔ اب انشاء اللہ حج کا ارادہ ہے۔'' شہروز نے بتایا۔

''Shoping city میرے پسندیدہ مالز میں سے ہے۔ تمہارا کلیکشن بے حد اچھا ہے۔ خوشی ہوئی کے میرے پسندیدہ مال کے مالک تم ہو۔ تمہارے خیالات بھی بہت اچھے ہیں یار انشاء اللہ حج ٹور میں، میں اور روشنا بھی تم لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔'' زیان واصف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''Realy are you serious?'' شہروز نے بے یقینی سے استفسار کیا۔

''Yes i am serious'' زیان نے یہ کہتے ہوئے شہروز کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''ویری گڈ پھر ہماری اچھی گزرے گی پارٹنر۔'' شہروز نے پُر مسرت انداز میں کہا۔

''چلو چل کر دیکھتے ہیں ان خواتین کے مذاکرات ختم ہوئے کہ نہیں۔'' بہت سا وقت ایک ساتھ گزارنے کے

بعد شہروز یہ کہہ کر آگے بڑھا تھا۔
"اسی وقت اس کے سیل فون نے رنگ کرنا شروع کر دیا۔
"زیان جگر! تم ڈرائنگ روم میں بیٹھو میں اس سے جان چھڑا کے آتا ہوں۔ میرے مینجر سے میری خوشی برداشت نہیں ہوتی۔" شہروز مجتبیٰ نے سیل فون کو گھورتے بے چارگی سے کہا تھا۔ زیان واصف نے مسکراتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ زیان واصف نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ جب کہ شہروز لان کی جانب بڑھ گیا۔
دروازے میں ایستادہ دبیز پردے ہٹا کر وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو ہی رہا تھا۔ جب اپنا نام سن کر چونکے بنا نہیں رہ سکا۔ یہ غیر اخلاقی حرکت تھی مگر وہ نا چاہتے ہوئے بھی ان کے مابین گفتگو سننے لگا۔
"زیان بہت اچھے ہیں امشلہ! مگر انہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔ میں نے صرف ان کا ساتھ مانگا تھا جو خوشی انہوں نے مجھے دیا۔ انہوں نے پہلے ہی مجھے بتا دیا تھا کہ وہ فارعہ کی جگہ مجھے نہیں دے پائیں گے۔ مجھے اس وقت تو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مجھے میرا آئیڈیل مل رہا تھا مجھے اور کیا چاہیے تھا۔ انہوں نے اسٹڈی روم کو اپنا بیڈ روم بنا رکھا ہے۔
تمہیں کیسے بتاؤں لوگوں کی ٹٹولتی نظریں مجھے کس قدر شرمندہ کرتی ہیں کہ شادی کے پانچ سال بعد بھی میری گود خالی ہے۔ ہر کوئی مجھے میڈیکل چیک کپ کی ترغیب دیتے نہیں تھکتا۔ اب تو مما اور بھائی بھی میرے لیے پریشان رہنے لگی ہیں۔ ایسی سچویشن میں میرا مر جانے کا دل کرتا ہے۔ امشلہ میں نے یہ باتیں کسی سے شیئر نہیں کیں مگر ان تمام باتوں کو دل میں دفن کر کے مجھے لگتا ہے میرا دل ایک دن بند ہو جائے گا۔ اب میں لڑ جھگڑ کر محبت کی بھیک تو نہیں مانگ سکتی نا۔ کیوں کہ یہ خار دار راہ میری خود کی منتخب کردہ ہے اس میں زیان کا تو کوئی دوش نہیں۔ میں نے تمہیں کہا تھا ناں امشلہ کہ تمہیں مجھے دیکھ کر ایک دن رشک ہوگا کے مجھے میرا آئیڈیل مل گیا۔ میرے چہرے اور ہر اک انداز میں دلکشی جھلکے گی مگر مجھے تمہیں دیکھ کر رشک ہوتا ہے۔ تمہارے چہرے اور ہر انداز میں دلکشی پنہاں ہے۔ شکر ہے تم نے میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی اپنا آئیڈیل ذہن سے نکال کر شہروز بھائی کا ہاتھ تھام لیا۔ سراب کے پیچھے بھاگنے والوں کا انجام عمر بھر کی آبلہ پائی ہے۔ تم نے پہلے ہی مجھے یہ باور کروا دیا تھا۔ آئیڈیلزم آپ کو کہیں کا نہیں چھوڑتا تم مجھے ہی دیکھ لو۔ محبت نے مجھے برباد اور تمہیں آباد کیا۔" وہ یہ کہہ کر رکی تھی پانی کا گلاس لبوں سے لگائے اس نے لمبے لمبے سانس لیے تھے۔ امشلہ کا روم روم سماعت بنا روشنا کو سن رہا تھا۔
"میں نے زیان اور انشراح کے لیے اپنی زیست وقف کر دی۔ وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں بنا کہے ہر ضرورت پوری کرتے ہیں۔ جب دلوں میں محبت کا کہیں گزر بسر نہ ہو تو ہر شے بے معنی نظر آتی ہے۔ جبر اور محبت میں یہی تو فرق ہوتا ہے۔" روشنا نے نہایت کرب سے کہا تھا۔
"روشی کسی کا بے حد دھیان رکھنا بھی تو محبت ہی ہے نا۔ زیان بھائی واقعی تم سے محبت کرنے لگے ہیں مگر وہ خود اس حقیقت سے انجان ہیں اور تم خود بھی اس حقیقت سے بے خبر ہو۔ فارعہ تو ان کی پہلی محبت ہیں وہ انہیں کبھی بھی نہیں بھولیں گے مگر تمہارے بنا وہ رہ بھی نہیں پائیں گے۔" امشلہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
"کیا فائدہ ایسی محبت کا جس کو پانے کے لیے میں ہر پل ترستی رہی ہوں۔ میرے کتنے ہی اہم ماہ و سال بیت گئے۔ کاش میں آئیڈیل نہ بناتی یا اگر بناتی بھی تو کسی عام شکل وصورت والے شخص سے شادی کر لیتی تو کم از کم وہ مجھ سے محبت تو کرتا۔ روٹھ جانے پر مجھے مناتا۔ اسے میری خوشیوں اور غموں سے غرض تو ہوتی اور مجھے

میرے اتنے اہم ماہ و سال گزر جانے کا ملال تو نہ ہوتا عشق سراب ہے ہرگز بھی حسین خواب نہیں ہے۔ اس عشق کے پیچھے بھاگ بھاگ کر میرا وجود اور دل لہولہان ہو چکا ہے۔'' روشنا کا گلا رندھ گیا تھا۔

''روشی! چپ کر جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' امشلہ نے اسے گلے لگایا تھا۔ عزیز از جان سہیلی کے آنسو اسے تکلیف میں مبتلا کر رہے تھے۔

''سوری یار! مینجر جان نہیں چھوڑ رہا تھا۔ مال میں کچھ ایشوز آ گئے ہیں چھوٹی چھوٹی چیزیں خود مینج کرنے کے بجائے مجھے فون کھڑکا دیتا ہے۔'' شہروز نے بیزاری سے کہا۔ زیان خاموش کھڑا تھا۔

''تم اب تک یہاں کیوں کھڑے ہو؟ حد ہو گئی ان خواتین کی گفتگو کی محفل اب تک برخاست نہیں ہوئی۔ انہیں احساس ہی نہیں کہ زیان بے چارہ کب سے کھڑا کشمکش میں مبتلا ہے کے اندر جائے یا نہیں۔'' تیز تیز بولتے شہروز نے دبیز پردے ہٹائے تھے۔

''کب سے'' سن کر امشلہ اور روشنا پریشان ہو گئی تھیں۔ یعنی ان کی تمام گفتگو زیان واصف نے بغور سنی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی زیان نے روشنا کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ اس کے انداز سے ہرگز بھی ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ سب کچھ سن چکا ہے۔ یا وہ ایسا پوز کر رہا تھا۔ روشنا اور امشلہ سمجھ نہیں پائی تھیں۔

زیان کے ملازم نے ڈنر سرو کر دیئے جانے کی اطلاع دی۔ ان چاروں نے ڈائننگ کا رخ کیا تھا۔ امشلہ سوچ رہی تھی کہ اگر زیان نے گفتگو سن بھی لی ہے تو اسے مثبت انداز میں لے اور اپنی کوتاہیوں کو ختم کر لے۔ جب کے روشنا بالکل خاموش تھی۔ زیان نے بے تکلفی سے ڈنر کیا تھا۔ وہ باری باری لوازمات چکھ کر امشلہ کو سراہنا نہیں بھول رہا تھا۔

تمام چیزیں امشلہ نے خود بنائی تھیں۔ شہروز بھی مسلسل مسکراتی نظر امشلہ پر ڈال رہا تھا۔ روشنا زیان واصف کے اس طرح ہنسنے بولنے پر حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو چکی تھی۔ شاندار ڈنر کروانے پر زیان نے امشلہ کے سر پر ہاتھ رکھے اسے کئی نیلے نوٹ تھمائے۔ جسے شکریہ کے ساتھ امشلہ نے فوراً قبول بھی کر لیا۔

''آرام سے بھئی بے فکر رہو، میں ہرگز بھی واپس والٹ میں رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔'' زیان کا انداز شرارتی تھا۔ امشلہ جھینپ گئی۔

''آج سے ہماری پیاری وائف کی بیسٹ فرینڈ ہماری چھوٹی بہن ہیں۔'' زیان نے روشنا کے چہرے پر رنگوں کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''لفظ پیاری وائف۔'' پر وہ بے اختیار ٹھٹھکی تھی۔ پانی کا گھونٹ حلق میں اٹک گیا تھا جس کے باعث اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ امشلہ نے روشنا کا ہاتھ گرمجوشی سے دبایا تھا۔ اسے یہ یقین ہو چلا تھا کے روشنا کی زندگی میں جلد ہی خوشیاں لوٹنے والی ہیں۔ ڈھیروں دعاؤں کے ہمراہ شہروز اور امشلہ نے ان دونوں کو رخصت کیا تھا۔ روشنا بے ساختہ امشلہ کے گلے لگی تھی اس کے دل کا بوجھ اسے جاتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

☆......☆

امشلہ کے گھر سے آنے کے بعد زیان واصف نے اسٹڈی روم کا رخ کیا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے وہ صوفے پر گرنے کے سے انداز میں براجمان ہو گیا۔ وہ مسلسل خود احتسابی میں مبتلا تھا۔

''میں کیوں اسے اذیت سے دوچار کر رہا ہوں۔ اس معصوم کا کیا قصور ہے۔ وہ تو میری چاہت اور محبت میں یکسر بدل چکی ہے۔ میری بچی کو کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہوئی مگر میں فارحہ کی محبت میں اس قدر گم ہوں کے مجھے

میری بچی کے ساتھ ساتھ اس کے شب و روز کی بھی خبر نہیں مگر اس نے کبھی کوئی شکوہ بھی نہیں کیا۔ اس کے لب ہمیشہ خاموش رہتے ہیں۔ اسے میری وجہ سے کیا کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ میں یہ سب چیزیں کیسے بھول سکتا ہوں۔" وہ اپنی کنپٹی کو انگلیوں سے دباتے ہوئے مستقل خود اذیتی کا شکار تھا۔

"ہمیں بھی عرض تمنا کا ڈھب نہیں آتا
مزاج یار بھی سادہ ہے کیا کیا جائے"

"وہ رات رات بھر جگا کرتی ہے۔ اسے میرے شب و روز کی کس قدر پرواہ ہے مگر مجھے اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔" مستقل سوچتے ہوئے اس نے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ روشنا ہنوز خاموشی سے لیٹے خلا میں گھور رہی تھی۔ زیان واصف نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا۔

"کتنا ملتا ہے ہمارا دکھ یہ بھی تہی داماں ہے اور میں بھی یہ میری وجہ سے اذیت کا شکار ہے اور میں فارعہ کی وجہ سے۔ کس قدر مماثلت ہے ہمارے دکھوں میں۔" کرب سے سوچ کر زیان واصف نے روشنا کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی تھی۔

"روشنا آپ اب تک سوئی نہیں؟" زیان واصف نے اس کے عین سامنے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے استفسار کیا۔

"بس سونے ہی لگی تھی۔ مما کی کال آگئی تھی۔" اپنے خیالوں میں گم روشنا نے قدرے چونک کر لیٹے سے اٹھ بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا کہہ رہی تھیں مما؟" زیان واصف نے متوجہ ہو کر پوچھا۔ وہ لفظ مما پر بے ساختہ ٹھٹکی تھی۔ آج زیان اسے حیران کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ روشنا کی مما کو آنٹی ہی کہتا تھا۔

"جی وہ سفینہ کی شادی ہے ناں میری پھپھو کی بیٹی کی۔ وہ لوگ ہمیں انوائٹ تو کر کے گئے تھے۔ مما، بھائی اور راسب بھی اسلام آباد آئے ہوئے ہیں۔ تمام کزنز نے بہت اصرار سے مجھے رکنے بلایا ہے۔" روشنا نے یاد دہانی کروانے کے بعد قدرے حیران ہو کر تمام باتیں اس کے گوش گزار کیں۔ زیان واصف نے کبھی بھی اس کی ذات کی گرہیں کھولنے کی کوشش نہیں کی تھیں اور نہ ہی ان کے بابت بھی اتنا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔

"ہوں ٹھیک ہے پھر میں کل آپ کو ڈراپ کر آؤں گا شام میں تیار رہیے گا۔" وہ اپنی ٹون بدلتے ہوئے کہہ کر رکا نہیں تھا۔ روشنا نے بھیگی آنکھوں سے اس دھوپ چھاؤں سا مزاج رکھنے والے شخص کو بغور دیکھا تھا۔

"میرے وہاں رکنے پر انہیں کونسا فرق پڑے گا۔ میری ان کی زندگی میں کوئی اہمیت اور جگہ نہیں اور میرے بغیر ان کی زیست مکمل ہے۔" روشنا نے بے بسی سے سوچ کر آنکھیں میچ لی تھیں۔

☆......☆

آفس سے آنے کے بعد زیان واصف نے اسے اس کی پھپھو کے گھر ڈراپ کر دیا تھا۔

"کتنی ویرانی تھی اس کے دلکش نینوں میں کتنا کرب تھا اس کے لفظوں میں۔ میں نے اسے روکنے کی سعی ہی نہیں کی۔ وہ یقیناً سوچ رہی ہو گی کہ اس کے میری زندگی میں رہنے اور نہ رہنے سے میری ذات اور زیست کو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔" مستقل سوچتے ہوئے وہ انجان راستوں پر محو سفر تھا۔ جیسے اس کی منزل کہیں کھو گئی ہو۔ وہ اپنی منزل کو تلاشنے میں مگن تھا۔ جب ہی سیل فون کی بپ پر اس کا سحر ٹوٹا تھا۔ کار سائیڈ پر روکتے اس نے اسکرین پر موجود نمبر دیکھا تھا۔ نمبر فارعہ کی مما کا تھا اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

''السلام وعلیکم۔'' زیان واصف نے ناک کرتے ہوئے سلام کیا۔
''وعلیکم السلام ڈیڈی! میں آپ اور ممی کو بہت مس کر رہی ہوں۔ ابھی ممی کو فون کیا تھا اس کے بعد آپ کو کیا ہے۔''
''ڈیڈی، ممی مجھے بہت یاد آرہی ہیں۔'' انشراح نے چھوٹتے ہی اپنا مدعا نہایت معصومیت سے بیان کیا۔
''تو بیٹا! آجاؤ نا ہم بھی آپ کو بہت مس کر رہے ہیں۔'' زیان واصف نے خود کو کمپوزڈ کرتے ہوئے کہا۔
''ڈیڈی! میں نیکسٹ سنڈے آجاؤں گی ممی کو میری طرف سے پیار کہیے گا میں نے ان کو کہہ دیا ہے۔ آپ بھی ان کو کہہ دینا آپ کو پتا ہے ڈیڈی میری ممی دنیا کی بیسٹ ممی ہیں۔'' انشراح نے محبت سے گندے لہجے میں کہا تھا۔
''اچھا صرف ممی اچھی ہیں ڈیڈی نہیں ہیں اچھے؟'' زیان واصف نے مسکرا کر استفسار کیا۔
''آپ بھی اچھے ہیں پر ممی آپ سے بھی زیادہ اچھی ہیں وہ ہر وقت میرا اتنا خیال رکھتی ہیں۔ آپ کو تو میں یاد ہی نہیں آتی۔'' انشراح نے کھلکھلاتے ہوئے شکوہ کیا۔ ماں کی محبت اس کے ذہن، دل میں بسی ہوئی تھی۔
''بیٹا! اب آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔'' زیان واصف نے دل میں اعتراف کرتے ہوئے کہا۔
''او کے ڈیڈی! اللہ حافظ۔'' انشراح نے لائن منقطع کر دی۔
''سوتیلی ماں کا تصور ہی کتنا ہولناک ہوتا ہے مگر روشنا نے تو اسے اپنی جان سے زیادہ چاہا تھا۔ شاید فارعہ کی محبت میں خود سے جڑی لڑکی کے ساتھ ساتھ انشراح کو بھی فراموش کیے ہوا ہوں۔ انشو بھی مجھ سے زیادہ روشنا سے محبت کرتی ہے۔ کس قدر اہم ہے روشنا میرے لیے اور انشراح کے لیے۔ اس کے بغیر ہم بالکل ادھورے ہیں۔ میری بچی کو اس نے ماں کا پیار دیا ہے اور میں نے اسے دکھ، تکلیف اور آنسو دیے ہیں۔'' وہ مسلسل ذہنی اذیت سے دوچار تھا۔

☆......☆

آفس جانے کے لیے وہ معمول سے آدھے گھنٹے کی تاخیر سے جاگا تھا۔ روشنا کے ایک دن گھر میں نہ ہونے سے اس کی زیست میں کتنا فرق پڑا تھا۔ ملازم نے ناشتا لگا دیا تھا۔ چائے کا مگ بے دلی سے خالی کرتے وہ آفس جانے کے لیے کھڑا ہوا۔ اس کا دل کسی بھی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ آفس میں بھی وہ بے دلی سے کام نمٹا رہا تھا۔
''اسے میں کتنا یاد کر رہا ہوں۔ شاید نہیں یقیناً میں اس سے محبت کرتا ہوں مگر میں خود اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر پا رہا تھا۔ امشلہ نے ٹھیک کہا تھا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے اسے کتنے دکھ دیے ہیں۔ کاش وہ کبھی کوئی شکوہ ہی کر لیتی تو میرے دل میں اتنا بوجھ تو نہ ہوتا۔ وہ کبھی اس طرح مجھے چھوڑ کر بھی تو نہیں گئی۔ جو مجھے اس حقیقت کا ادراک ہوتا۔'' آفس ٹائم ختم ہونے سے قبل ہی وہ کوٹ کاندھے پر ڈالے اٹھ کھڑا ہوا۔ مسلسل ذہنی اذیت میں مبتلا وہ پاگل ہونے کو تھا۔ نجانے وہ کونسا جذبہ تھا۔ جس کے تحت وہ انجان رستوں پر سفر کرتے کرتے روشنا کی پھپھو کے گھر کار روک چکا تھا۔
''میں اس کے بغیر نہیں رہ پاؤں گا۔'' وہ کار لیے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ گیٹ کیپر نے اسے دیکھ کر سلام کرتے ہوئے دروازہ وا کر دیا تھا۔ ملازم نے اسے گیسٹ روم میں بٹھا کے روشنا کو اس کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ اسے وہاں بیٹھے فقط کچھ پل ہی ہوئے تھے۔ جب سٹنگ روم میں روشنا گھبرائی ہوئی داخل ہوئی۔
''السلام علیکم! آپ اس وقت سب خیریت تو ہے نا؟'' روشنا نے پریشان کن لہجے میں استفسار کیا۔

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل وضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

"کچھ بھی خیریت نہیں ہے۔" زیان واصف گویا ہوا۔ اس کا انداز تخاطب روشنا کو مسلسل ہولا رہا تھا۔
"کیوں کیا ہوا ہے؟ انشو تو ٹھیک ہے نا؟" روشنا مزید پریشان ہوئی۔
"انشو ٹھیک ہے۔ میں ٹھیک نہیں ہوں تم میرے ساتھ چلو میری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ تم کل فنکشن میں آ جانا مگر فی الحال میرے ساتھ چلو۔" زیان واصف نے ملتجی لہجے میں کہا۔ روشنا اس کا انداز سمجھنے سے قاصر تھی۔
"اچھا میں ابھی آتی ہوں۔" روشنا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر بعد وہ بیگ کاندھے پر ڈالے زیان کے سامنے تھی مما اور پھپھو بھی اس کے ساتھ ہی چلی آئیں۔
"زیان بیٹا! کیا ہوا ہے تمہیں؟ سب خیریت ہے ناں بیٹا؟" مما بہت فکر مند نظر آ رہی تھیں زیان کو ان کا فکر مندانہ انداز بہت اچھا لگا۔
"جی مما! سب خیریت ہے۔ میں اور روشنا تمام فنکشن انشاء اللہ اٹینڈ کریں گے۔ ابھی ہمیں اجازت دے دیں۔" زیان واصف نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔ وہ بھی فقط "مما" پہ ٹھٹکے بنا نہ رہ سکیں۔
"ٹھیک ہے بیٹا! اللہ تم دونوں کو اپنی امان میں رکھے۔" دعا کے ساتھ مما اور پھپھو نے ان دونوں کو رخصت کیا تھا۔

☆......☆

شام کے سائے گہرے ہو چلے تھے وہ اردگرد سے بے نیاز کار کی فرنٹ سیٹ پر زیان واصف کے ہمراہ براجمان تھی۔ زیان واصف کا یہ انداز اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھی۔ ونڈو سے باہر جھانکتے ہوئے وہ زیان واصف سے یکسر بے نیاز تھی۔ زیان واصف نے اس کے گریز کو ملاحظہ کرتے ہوئے سی ڈی پلیئر آن کر دیا تھا۔

"بھیگی بھیگی سڑکوں پہ میں تیرا انتظار کروں
ہولے ہولے دل کی زمیں کو تیرے ہی نام کروں
صنم رے، صنم رے تو میرا صنم ہوا رے"

روشنا ہنوز خاموش تھی۔ اور نظریں بدستور باہر مرکوز تھیں۔ زیان واصف نے اب تک اک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی۔ جب ہی مسلسل اک ہی راستے پر سفر کرتے کرتے وہ تھک سی گئی۔ پھپھو کے گھر سے ان کے گھر کا راستہ اتنا بھی طویل نہ تھا۔ انہیں وہاں سے نکلے کافی وقت گزر چکا تھا۔ مستقل ایک ہی راستے میں گاڑی دوڑاتے زیان کے لب ساکت تھے۔
"یہ ہمارے گھر کا راستہ تو نہیں ہے؟" انجان سڑکوں پر سفر کرتے روشنا نے آخر پوچھ ہی لیا۔
"روشی جی میں نے کب کہا کہ یہ راستہ ہمارے گھر کا ہے۔ یہ راستے تو پیار، محبت، عشق کے ہیں۔ کیا ان راستوں پر تم میری ہمسفر بنو گی؟" زیان واصف نے اس کی حیرت سے حظ اٹھاتے ہوئے مسکرا کر استفسار کیا۔
"جی......" روشنا حیران تھی۔
"کچھ نہیں تمام مطلب بعد میں سمجھاؤں گا۔ پہلے اس کافی شاپ میں چلتے ہیں۔ مجھے یہاں کی کافی بہت پسند ہے۔" کار کو پارک کرتے ہوئے زیان واصف نے روشنا کی جانب کا دروازہ وا کیا تھا۔
روشنا نے ناسمجھی کے انداز میں اس کی تقلید کی تھی۔ میز منتخب کر کے زیان واصف اس کے عین سامنے

براجمان تھا۔ گلدان سر سے گلاب کی ادھ کھلی کلی ان کے درمیان حائل تھی کافی شاپ نہایت پرسکون گوشے میں قائم تھا۔

وال ٹو وال گلاس کے تھے اسے وہاں کا ماحول کافی اچھا لگا مگر زیان واصف کی بولتی نظروں سے وہ کنفیوژ ہو رہی تھی۔ وہ مسلسل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں۔ اب کوئی بھی شے ہمارے درمیان حائل نہ ہو۔'' اس نے گلدان سائیڈ پر کرتے ہوئے سرخ گلاب اسے تھمایا تھا۔ روشنا نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

''میری زندگی ایسے تو نہ دیکھو۔'' زیان نے شرارت سے کہا۔ روشنا نے نظریں جھکالی تھیں۔ میں گزرے ہوئے ماہ و سال تمہیں واپس تو نہیں کرسکتا روشی مگر جو آنے والے ماہ و سال ہیں انہیں ضرور پر مسرت بنا سکتا ہوں۔'' زیان واصف نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ روشنا نے بے ساختہ نظریں اٹھائی تھیں۔ محبت تو مجھے تم سے اس وقت سے ہے جب میں نے پہلی مرتبہ تمہیں دیکھا تھا۔ اس وقت تم مجھے موم کی تراشیدہ کوئی مورت لگی تھیں۔ جو ماحول کے حسن میں اس قدر گم تھی کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا تھا کے محویت سے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ مجھے فارعہ کے ساتھ عشق ہے۔ جب ہی تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ میں خود کون سا سکون میں رہا ہوں۔ تمہیں تڑپا کر سکون مجھے بھی نہیں ملا۔ تمہیں رلا کر قرار مجھے بھی نہیں آیا۔ امثلہ درست کہتی ہے۔ مجھے تم سے محبت ہے جس کا علم مجھے خود بھی نہیں تھا مگر اب مجھے علم ہوگیا ہے۔ میں اپنی تمام ترکوتاہیوں کی معافی مانگتا ہوں۔ تم خوش رہوگی تو میں بھی خوش رہوں گا۔'' اس نے روشنا کے نرم و نازک ہاتھ کو تھام کر کہا تھا۔ پلیز یہ ڈل اور بورنگ کلرز زیب تن کرنا چھوڑ دو۔'' زیان نے اس کے زرد ڈریس کو دیکھ کر کہا جس میں وہ مرجھایا ہوا سرسوں کا پھول لگ رہی تھی۔

اس نے کہا کہ تجھ کو دلانی ہیں چوڑیاں
میں نے کہا کے اب وہ موسم گزر گیا
میں نے کہا کے نیند کا موسم گزر گیا

''مجھے یہ خوشی کتنے اہم ماہ و سال گزر جانے کے بعد ملی۔ جس پر میں خوش بھی نہیں ہو پا رہی۔ آئیڈیلزم واقعی کتابوں میں اچھا لگتا ہے۔ حقیقت میں یہ کتنا دکھی کرتا ہے کوئی مجھ سے پوچھے۔ یہ ٹین ایج کا پاگل پن ہے۔ جس کا شکار میں خود بھی ہوئی ہوں۔'' وہ نجانے اور کیا کیا سوچ رہی تھی۔

''کہاں کھوگئی؟'' زیان نے اس کے دلکش نینوں کے آگے ہاتھ لہرائے تھے۔

''کہیں نہیں بس یونہی۔'' روشنا نے اتنا ہی کہا۔

''تمہیں بہت ملال ہے نا؟ اپنے ماہ و سال کے بیت جانے کا؟'' زیان واصف نے محبت سے مخمور لہجے میں کہا تھا۔ روشنا نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلایا۔

''مجھے معاف نہیں کروگی؟'' زیان کا انداز سوالیہ تھا۔

''آپ کی جب کوئی غلطی نہیں تو معافی کیسی؟'' روشنا نے نرمی سے جواب دیا۔

''غلطی نہیں جاناں! میری جانب سے غلطیاں ہوئی ہیں۔'' جو انسان اس دنیا میں نہیں اس کے ساتھ انصاف کرتے کرتے، جیتے جاگتے وجود کے ساتھ ناانصافی کر بیٹھا۔ میں فارعہ کی محبت میں یہ فراموش کیے ہوئے تھا کے تمہیں کن کن مشکلات کا سامنا ہے۔ روشنا مجھے معاف کردو۔ میں سمجھتا تھا فارعہ کے بعد میں کسی سے محبت

کر ہی نہیں سکتا۔ تو میری یہ منطق کھوٹا سکہ ثابت ہوئی۔ ہر محبت کا اپنا الگ انداز اور اپنا الگ مقام ہوتا ہے۔"
ویٹر کو کافی کا آرڈر دینے کے بعد زیان واصف نے تفصیلاً جواب دیا تھا۔

"میں نے آپ کو معاف کیا۔" روشنا نے اس کی یونہی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"بہت شکریہ روشی! میں تم سے بے تحاشا محبت کرنے لگا ہوں۔ تم نے تو میری زندگی روشنیوں سے بھر دی ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں اپنی روشنی کو کبھی بھی مدھم ہونے بھی نہیں دوں گا۔" زیان واصف نے اسے یقین دلایا تھا۔

"اور اک بات میری جان! عشق سراب نہیں اک بہت حسین خواب ہے محبت انسان کو سرتاپا بدل دیتی ہے۔ تمہاری محبت نے یکسر بدل دیا ہے مجھے اس کا بارہا اعتراف ہے۔" زیان کے اقرار پر روشنا کے دل میں ڈھیروں اطمینان اور سکون اتر آیا تھا۔

"روشنا! تاحیات تم میرا ساتھ دو گی ناں؟" زیان نے آنکھوں میں محبتوں کا جہاں آباد کیے بے حد آس سے پوچھا تھا۔

"جی ہاں میں ہر قدم پر آپ کا ساتھ دوں گی۔" روشنا نے اس کے آنکھوں میں جلتے محبت کے شمعوں کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

میرے تصور کا جہاں آباد ہے تیرے خیال سے
کتنا ملتا ہے تیرا حال میرے حال سے
ہمارے تعلق کے بارے میں ذرا فرصت سے غور کرنا
الجھا پڑا ہے یہ مسئلہ کتنے سال سے

اس کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگاتے زیان نے کہا۔

"کیا آپ ہر قدم پر میرا ساتھ دیں گے؟" روشنا نے اپنے محبوب شوہر سے استفسار کیا تھا۔

"میں ہر قدم، ہر راہ، ہر منزل، ہر جگہ، ہر پہر، ہر لمحے تمہارا ساتھ دوں گا۔ کیونکہ مجھے تم سے بے حد، بے انتہا، بے تحاشہ محبت جو ہے۔" زیان نے روانگی سے کہا تھا۔

اس کی روانگی پر روشنا کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ اس کی کھلکھلاہٹ سے اردگرد جلترنگ سے بج اٹھے تھے جسے زیان واصف نے بغور سنا تھا۔ اس کی ہنسی اس جیسی شفاف اور مترنم تھی۔ زیان واصف نے چہرے پر ہاتھ رکھے محویت سے اسے دیکھا تھا۔

"محبت اور چاہت اچھے اچھوں کو بدل دیا کرتی ہے۔" اسے روشنا کا یہ جملہ بے ساختہ یاد آیا تھا۔ وہ روشنا کو تاعمر خوش رکھنے کا عہد کیے اپنی شریک زندگی کا ہاتھ تھامے واپسی کے راستے پر محو سفر تھا۔

چاند ستاروں کے ہمراہ ان کے ملن سے شرما کر بادلوں کے اوٹ میں جا چھپا تھا۔ چاند چھپنے اور نکلنے کا منظر بغور دیکھتے ہوئے روشنا نے سی ڈی پلیئر آن کرتے ہوئے اپنا سر زیان واصف کے کندھے پر رکھ دیا تھا۔

زیان واصف نے مسکراتی نگاہوں سے اس تھکی ماندی لڑکی کو بغور دیکھا تھا۔ جو بہت سی مسافت بس اس کے لیے ہی طے کر کے آئی تھی۔ زیان واصف نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھے اسے خود سے مزید قریب کیا تھا۔

☆

مریم شاہ بخاری

ناولٹ

روگِ محبت

اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے وہ اپنی بھیگی پلکوں کو اپنے ہاتھ سے مسلسل مسل رہا تھا' ایک درد سا تھا جو اس کے چار سو بکھرا ہوا تھا' عجیب ہی لڑکی تھی وہ۔ پانچ برس ہو گئے اسے بچھڑے مگر ایسے لگتا ہے جیسے وہ یہیں کہیں ہے میرے آس پاس' اس کی مسکراتی ہوئی بھوری آنکھیں اور ان میں چھلکتی شرارت' آہ...... وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر چلتا ہوا بیڈ پر آن بیٹھا تھا' اس کے ذہن کے پردے پر گزشتہ کل کی فلم چلنے لگی تھی۔

☆☆☆☆

ڈاکٹر سید علی رحمٰن کا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا' ذہین اور سمجھدار' اس کے والد رحمٰن شاہ بخاری کو بہت شوق تھا کہ ان کا بیٹا ڈاکٹر بن کر لوگوں کی خدمت کرے علی رحمٰن نے اپنے باپ کی خواہش کو عملی جامہ پہنایا محنت اور لگن سے اپنا گوہر مقصود پالیا' اس نے کہیں جاب کرنے کے بجائے اپنا ذاتی کلینک کھولنے کا فیصلہ کیا تھا سو مختصر سے عرصے ہی میں اس نے اپنے ہی محلے میں ایک چھوٹا سا کلینک کھول لیا' وہ چاہتا تو اپنے گاؤں سے ملحقہ شہر میں وہ کلینک کھول کر خوب پیسے کما سکتا تھا مگر اس کا مطمع نظر صرف دولت نہیں تھی وہ صرف سچے دل سے لوگوں کا اصل مسیحا بننے کی خواہش رکھتا تھا' ایسا مسیحا جو لوگوں کو زندگی بخشتا ہو اس کی اک پھونک مریضوں میں زندگی کی لہر دوڑا دے اس کی نیت صاف تھی اس کے دل میں خلوص تھا خدا نے اس کے ہاتھوں میں ایسی شفاء رکھی کہ چند ہی دنوں میں اس کا شہرہ اپنے گاؤں سے نکل کر آس پاس کے علاقوں میں جا پھیلا لوگ دور دور سے اس کے پاس علاج کی غرض سے آنے لگے' کلینک پہ مریضوں کا تانتا بندھا رہتا وہ ماتھے پہ شکن لائے بنا ان کے مسائل حل کرتا رہتا' اس کے ہونٹوں پر ہمیشہ اک نرم سی مسکراہٹ رہتی' سید علی رحمٰن...... خوبرو نوجوان تھا اور اب خیر سے برسر روزگار بھی' اماں کو اس کے سر پہ سہرا سجانے کی فکر لاحق ہو گئی انہوں نے جھٹ پٹ لڑکی ڈھونڈی اور اس کی نسبت طے کر دی' علی نے فرمانبردار بچوں کی طرح سر تسلیم خم کر دیا اور اماں جان مطمئن ہو گئیں' ٹھیک چھ ماہ بعد ''فاطمہ شاہ'' ''مسز علی شاہ'' بن کر ان کے آنگن میں جلوہ افروز ہو گئی زندگی نہایت پرسکون انداز میں آگے بڑھنے لگی اس پرسکون جھیل میں بے چینی کا پہلا پتھر نہایت خاموشی سے پھینکا گیا تھا' وہ ''انجانی دیوانی سی لڑکی'' ان کی زندگی میں مداخلت کرنے چلی آئی تھی۔

☆☆☆☆

''تو آئے گا تو مل کو سنواریں گے اسے ہم دونوں
اپنی تقدیر میں نے اس لئے الجھا رکھی ہے''

علی نے حیرت سے انجانے نمبر سے آنے والے اس ٹیکسٹ کو پڑھا تھا۔

''پتہ نہیں کون ہے پاگل''۔ اس نے بڑبڑاتے



ہوئے ٹیکسٹ کو ڈیلیٹ کر کے موبائل ٹیبل پر رکھ دیا تھا اسے پچھلے چند روز سے اس قسم کے کئی ٹیکسٹ پڑھنے کو مل رہے تھے جنہیں وہ پڑھ کر آرام سے ڈیلیٹ کر دیتا تھا' اس نے کبھی بھی جاننے کی کوشش نہ کی تھی کہ یہ کون ہے؟ جو اسے اوٹ پٹانگ قسم کے ٹیکسٹ بھیج رہا ہے یا رہی ہے' شاید یہی وجہ تھی کہ چند روز کے بعد یہ پیغامات خود بخود آنے بند ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆

اس روز کسی مریض کو دیکھنے کے لئے دوسرے گاؤں گیا ہوا تھا جب واپس آیا تو ایک دلچسپ منظر سامنے تھا ایک نقاب پوش نازک اندام کرسی پر بہت مزے سے بیٹھی ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں بخار چیک کرنے والا آلہ تھا جو اس نے اپنے سامنے بیٹھے بچے کی بغل سے نکالا تھا۔

''ارے تمہیں تو بہت تیز بخار ہے چلو میں تمہیں انجکشن لگا دیتی ہوں''۔ اس کی خوبصورت آواز میری سماعت سے ٹکرائی تھی جبکہ بچے کی نظر مجھ پر پڑ چکی تھی اس نے ہنستے ہوئے میری طرف اشارہ کیا تھا۔

''اوہو بدتمیز کیا مسئلہ ہے؟'' وہ جھنجلا کر میری طرف پلٹی تھی دوسرے ہی لمحے وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

''آ...... آ...... آپ...... وہ میں تو......'' وہ جلدی سے کرسی چھوڑ کر بینچ پر جا بیٹھی تھی میری بے اختیار ہنسی نکل گئی تھی میں نے ہنستے ہوئے اس بچے کے گال کو کھینچا تھا۔

''بہت تیز ہو تم''۔ ساتھ ہی شرارت سے اسے دیکھا تھا وہ بری طرح جھینپ کر سر جھکا گئی تھی جی تو چاہ رہا تھا زور سے قہقہہ لگاؤں پر اپنے ہیلپرز اور کلینک میں اپنی پوزیشن کا احساس کر کے سنجیدہ ہو گیا۔

''آپ نے اس بچے کو چیک کروانا ہے''۔ میں نے سنجیدگی سے سوال کیا تھا اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر......؟'' میں نے سوالیہ انداز میں اس کو دیکھا اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی کوئی اندر داخل ہوا تھا۔

''السلام علیکم شاہ جی!'' ساتھ ہی اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تھے۔

یہ حاشر شاہ تھے ساتھ والے گاؤں سے آئے تھے۔

''وعلیکم السلام ...... کیا حال ہے جناب!'' میں نے بھی مسکراتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''اللہ کا کرم ہے آپ سنایئے''۔

''الحمد اللہ میں بھی ٹھیک ہوں' آیئے تشریف رکھیئے ناں''۔ میں نے بینچ کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی اپنی نشست پہ آن بیٹھا۔

''کہیئے کیسے آنا ہوا؟''

''یہ میری ہمشیرہ ہے اسے بہت دنوں سے بخار اور کان میں بہت شدید درد ہے اسے چیک کر لیجیے''۔ حاشر نے کہا تو میں نے چونک کر اس نقاب پوش کی جانب دیکھا تھا۔

''اچھا تو یہ حاشر کی ہمشیرہ ہے''۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔

''جی ضرور آیئے''۔ میں نے اسے نرم لہجے میں پکارا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور میرے سامنے پڑے اسٹول پر بیٹھ گئی نقاب میں سے جھانکتی آنکھوں میں شریری چمک ابھری تھی میں نے اس کا بلڈ پریشر اور بخار چیک کیا تھا بخار تو واقعی بہت تیز ہو رہا تھا بلڈ پریشر نارمل ہی تھا اب کان چیک کرنے کا مسئلہ تھا وہ نقاب میں تھی میں نے جھجک کر اسے نقاب اتارنے کو کہا تھا اس نے تذبذب سے بھائی کی طرف دیکھا تھا۔

''اتار دو کوئی بات نہیں بیٹا!'' اس نے بھائی کے کہنے پر نقاب کھول دیا وہ جھینپی جھینپی گھبرائی سی عام شکل وصورت والی لڑکی تھی یا پھر میں نے ہی اسے غور سے نہیں دیکھا' بہرحال جو بھی تھا یہ میری اس سے پہلی ملاقات تھی اس کے بعد وہ اکثر میرے کلینک آنے لگی' اپنی بڑی بھابی حاشر کی بیوی کے ساتھ' انہیں ہائی بلڈ پریشر اور شوگر کا مسئلہ تھا وہ ماہانہ چیک اپ کے لئے

میرے کلینک آئی تھیں حاشر اور اس کی بیوی کے ساتھ میں اچھا خاصا بے تکلف ہو گیا تھا جب مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ بھی سادات گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں تو مجھے حقیقتاً دلی خوشی ہوئی تھی یہ خون ہی کی کشش تھی کہ بے اختیار ان سے انسیت سی ہو گئی تھی میں نے کبھی بھی اس کو مخاطب نہ کیا تھا وہ چپ چاپ ہماری گفتگو سنتی رہتی' اس کی مسکراتی ہوئی آنکھیں ہر وقت میرا احصار کیے رکھتیں میں جتنا اس سے بچنے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی قریب ہو جاتی' میں گھبرا جاتا' مجھے اپنی عزت بہت پیاری تھی میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے میرے کردار کی طرف انگلی اٹھے میں نے خود کو ایک خول میں مقید کر لیا' بھول کر بھی اس کی طرف نہ دیکھتا' اس کے گھر والے میرے ساتھ نہایت شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے ایک دو بار ان کے گھر جانے کا بھی اتفاق ہوا تھا وہ چھوٹا سا مگر پختہ سا گھر تھا' اس گھر کے مکین نہایت ملنسار اور با اخلاق تھے میرے دل میں خود بخود ان کی محبت اور احترام پیدا ہوتا گیا' پر میں جب اس لڑکی کے بارے میں سوچتا تو خود سے ہی شرمندہ ہو جاتا' جانے وہ مجھ سے کیسی توقعات لگائے بیٹھی تھی جو کبھی پوری نہ ہونی تھیں اور نہ ہی میں پورا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

☆☆☆☆

آج پھر بہت دنوں کے بعد اس نمبر سے ٹیکسٹ موصول ہوا تھا' میں جھنجلا کر رہ گیا تھا' میں کال کرتا تو کال کاٹ دی جاتی' میں نے غصے میں سیل فون آف کر کے رکھ دیا۔

''بھاڑ میں جاؤ...... دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے میرا''۔ میں نے دل ہی دل میں اس انجانے نمبر کو خوب سنائی تھیں' کبھی کبھار مجھے لگتا کہ یہ وہی ہے لیکن پھر اپنی سوچ کر خود ہی جھٹک دیتا' میں نے آج تک اس کے ہاتھ میں سیل فون نہیں دیکھا تھا' دوسرا ان کا ماحول اور رکھ رکھاؤ دیکھ کر دماغ یہ بات تسلیم نہ کرتا تھا جبکہ دل چیخ چیخ کر شور مچاتا کہ یہ وہی ہے جس کے نام سے بھی میں واقف نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆☆

''جب سے دیکھا ہے تجھے ہوش کھونے لگے ہم
تیری آنکھوں کے مے سے یار بدہوش ہونے لگے ہم''

کمرے میں داخل ہوتی اشمل کو دیکھ کر وہ شرارت سے گنگنائی تھی' اشمل نے ہنس کر ''دیا'' کے ہاتھوں سے موبائل کھینچ لیا۔

''یہ گانا خالصتاً میرے لئے ہے یا پھر ''ان'' کے لئے''۔ دیا کھلکھلائی۔

''ارے جناب ہم نے تو آپ کو دیکھ کر گنگنایا ہے آپ جو مرضی سمجھیں سوچ ہے آپ کی''۔ وہ شریر سے انداز میں کہہ کر اشمل کو دیکھنے لگی۔

''ہونہہ...... اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مجھے سامنے رکھ کر گایا ان موصوف کے لیے جا رہا تھا ہے ناں''۔ اشمل نے اسے تیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا تھا' دیا نے معصومیت سے سر ہلا کر گویا اس کی بات کی تصدیق کی تھی۔

''دیا کی بچی رکو ذرا' ابھی بتاتی ہوں تمہیں''۔ وہ جو اشمل کے قریب آن بیٹھی تھی اس کے خطرناک تیور دیکھ کر گھبرانے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔

''ارے ناں...... ناں...... ناں''۔ جبکہ اشمل نے بیڈ پہ پڑا تکیہ اسے کھینچ مارا تھا۔

''ہائے میں مر گئی اماں بچاؤ''۔ دیا کی ایکٹنگ عروج پر تھی۔

''ارے بھئی مجھے تم میں اپنے وہ نظر آتے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت اور بھولا پن تھا اشمل کی بے اختیار ہنسی نکل گئی اس نے موبائل فون سے ایک تصویر لی اور ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔

''دیا! بہت محبت کرنے لگی ہو اس سے''۔

''ہاں...... بہت......'' اس نے مسکرا کر موبائل لے لیا۔

''کتنی؟'' اشمل نے پوچھا تو دیا نے بدستور مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر کے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگالی۔

''بتاؤ ناں''۔

''یار! ابھی محبت کو ماپنے والا آلہ ایجاد نہیں ہوا' بہر حال تمہاری تسلی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اس سے خود سے بھی زیادہ محبت کرنے لگی ہوں اگر وہ نہیں تو کوئی نہیں میری زندگی میں صرف اسی کے لئے جگہ ہے' بس''۔

''اگر وہ نہ ملا تو......'' اشمل نے بغور اس کی صورت دیکھی تھی۔

''تو سمجھ لینا دیا اسی روز مر جائے گی''۔

''اللہ نہ کرے کیسی باتیں کرتی ہو''۔ اشمل نے گھبرا کر اس کے سر پر چپت لگائی تھی جبکہ دیا کے چہرے پر بے حد سکون تھا محبت کی الوہی چمک۔

☆☆☆☆

چاند کی خوابناک
چاندنی میں
تمہارے سینے پہ
سر رکھ کر
ساری عمر بتادوں......!!!

رات کے بارہ بجے آنے والے اس ٹیکسٹ نے جہاں میرا دماغ خراب کیا تھا وہیں فاطمہ کو بھی بدگمان کر گیا تھا۔

''یہ کون ہے علی اور کس کا نمبر ہے یہ؟'' وہ خفگی بھرے انداز میں پوچھ رہی تھی میں کچھ دیر پہلے ہی کلینک بند کر کے گھر آیا تھا' سیل فون اس کے ہاتھ میں دیکھ کر میں چونکا تھا۔

''میں نہیں جانتا یہ کون ہے' اٹس رانگ نمبر یار''۔ میں نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے سیل فون اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''آپ نے کبھی کوشش بھی نہیں کی اس کے متعلق جاننے کی؟'' وہ ابھی بھی مجھے مشکوک نظروں سے گھور رہی تھی۔

''اوہ نہیں یار! تمہاری قسم ایسا کچھ بھی نہیں ہے میری زندگی میں بس تم ہو بس تم''۔ میں نے یہ کہہ کر فاطمہ کو اپنے بازوؤں میں قید کر لیا تھا' وہ کسمسائی تھی۔

''چھوڑیئے مجھے''۔

''ارے ناں چھوڑنے کے لئے تھوڑی اپنایا ہے' میری اکلوتی بیوی ہو اور پھر اب میرے ننھے منے کی ہونے والی اماں بھی تو ہو' بس اب بدگمانی چھوڑ و اور مجھے پیار کرو ناں''۔ میں شرارت سے بولتا ہوا اس کی طرف جھکا تو وہ شرما کر میرے سینے میں چہرہ چھپا گئی تھی۔

☆☆☆☆

رات کا وقت تھا دونوں چھت پر کھڑی چاند کو دیکھ رہی تھیں چاند اپنے جوبن پر تھا اس کی ٹھنڈی اور میٹھی چاندنی نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اس کے آس پاس ٹمٹماتے تاروں کی لودھم پڑ گئی تھی۔

''واہ...... کتنا دلکش منظر ہوتا ہے ناں چاندنی رات کا''۔ اشمل نے کھوئی کھوئی سی دیا کو دیکھا تھا۔

''آں......ہاں......'' وہ چونکی تھی۔

''ہوتا ہوگا''۔ دیا نے بے نیازی سے کہہ کر چاند پر نظریں جمادی تھیں۔

''یعنی تمہیں اس چاندنی رات کی خوبصورتی متاثر نہیں کر رہی''۔ اشمل نے حیرت سے اس کو گھورا تھا' دیا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

''کرتی تھی۔ اشمل! پر اب نہیں جب سے اسے دیکھا ہے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تم نے شاید اسے کبھی غور سے نہیں دیکھا وہ اس چاند سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت ہے اس کے ہونٹ' اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھیں اس کی کشادہ روشن پیشانی' خوبصورت ناک اور اس کے گال پر چمکتا سیاہ تل' مجھے کہیں اور دیکھنے ہی نہیں دیتا''۔ دیا اس کے تذکرے میں گم تھی اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں میں عجب روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔

''چند تجھی ذات' پاڑیاں نہ پریں سیں
تو اچھو منجھ رات رات مہنجو سجن
سدا ئیں سوجھرو''

وہ خاموش ہوئی تو اشمل نے نا سمجھ آنے والے انداز میں اسے الجھ کر دیکھا تھا۔

"یہ کون سی زبان تھی محترمہ! میرے پلے کچھ نہیں پڑا"۔ دیا کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"چلو تمہارے لئے اس کی ٹرانسلیشن بھی کردیتی ہوں"۔ وہ اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولی۔

"دیا نے پھر سے چاند پر نظریں ٹکاتے ہوئے کہا۔

"اے چاند تم چاہے کتنے ہی حسین ہو مگر میرے محبوب جیسے نہیں بن سکتے اس کا اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں کہ تم صرف رات کو چمکتے روشن لگتے ہو مگر میرا محبوب تو ہمیشہ روشن رہتا ہے"۔

"زبردست یار...... کیا تم نے خود لکھا ہے؟"

"نہیں تو پر جس نے بھی لکھا ہے خوب لکھا ہے"۔ دیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سنو! ادھر سے ریسپانس ملا کوئی کہ نہیں؟" اشمل نے سرگوشیانہ انداز میں سوال کیا تھا۔

"نہیں ابھی تک تو نہیں"۔ دیا ایکدم بجھ سی گئی تھی۔

"آخر کب یہ سلسلہ ختم ہوگا ہونہہ...... تم اسے صاف صاف بتا کیوں نہیں دیتیں"۔ وہ جھنجھلائی تھی۔

"بتا دوں گی وقت آنے پر"۔ دیا نے اپنی آنکھوں میں نمی اترتی محسوس کی تھی، اشمل نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔ دیا اس کی رشتے میں نند تھی پر اب نند سے زیادہ عزیز تر سہیلی بن چکی تھی، اشمل اس کے منجھلے بھیا کی بیوی تھی۔

☆☆☆☆

فاطمہ کی بدگمانی دور ہونے پر میں نے شکر ادا کیا تھا پر اپنے دل میں کھلبلی سی مچ چکی تھی جانے کیسی چبھن سی تھی جو کسی پل سکون نہ لینے دے رہی تھی۔

کسی بھی کام میں دل نہیں لگتا تھا مارے بندھے ہی اپنی ڈیوٹی پوری کر رہا تھا کافی روز ہوگئے تھے وہ کلینک نہیں آ رہی تھی اور نہ ہی اس کے گھر کا کوئی فرد آیا تھا میں بے ارادہ ہی اس کا منتظر رہنے لگا سیل فون بار بار چیک کرتا شاید کوئی پیغام آیا ہو، نظریں بے اختیار باہر کی جانب لگی رہتیں، میں خود اپنی بے قراری کو سمجھ نہیں پا رہا تھا جب میرا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا تو پھر مجھے اس کا انتظار کیوں رہتا ہے؟ میں اکثر یہ سوال اپنے آپ سے کرتا پر جواب ندارد۔ شاید مجھے بھی یہ بے نام سا بندھن اچھا لگنے لگا تھا کچھ نہ کہہ کر بھی جیسے بہت کچھ کہہ دینے والا، اس کی بے تحاشا بولتی آنکھوں کی بولی دلچسپ لگنے لگی تھی میرا دل بہت بوجھل سا رہنے لگا تھا۔

"اگر وہ تھی تو کھل کر سامنے کیوں نہیں آجاتی، کیا وجہ ہے کہ جو وہ چھپ رہی ہے، مجھ سے آپ شاید سمجھ رہے ہوں کہ مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے؟ ہے نا، جناب ایسی کوئی بات نہیں مجھے اس سے محبت نہیں ہے میں تو بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آخر وہ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہے، کیوں کر رہی ہے وہ میرے ساتھ ایسا، میری پرسکون زندگی میں ہلچل مچا دی ہے اس نے، بس یہی جاننا چاہتا ہوں، آپ لوگ اپنے دل سے اس غلط فہمی کو ذرا دور کرلیں میری زندگی میری بیوی فاطمہ سے شروع ہوتی ہے اور اسی پر ختم، خیر سے اب باپ بننے والا ہوں، میں بہت خوش ہوں بہت خوش"۔ یہ تو آنکھوں میں ایسے ہی نمی سی اتر آئی ہے شاید کچھ پڑ گیا ہے آنکھ میں۔

☆☆☆☆

"مبارک ہو علی میاں، بیٹا ہوا ہے"۔ بڑے جاں گسل لمحوں کے بعد دائی نے کمرے سے باہر آکر مجھے خوشخبری سنائی تھی۔

"خیر مبارک اماں! دونوں ٹھیک تو ہیں ناں؟" میں نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

"ارے ہاں ہاں اللہ کا شکر ہے زچہ و بچہ دونوں تندرست ہیں"۔ دائی ماں نے کہا تو ایک اطمینان سا میرے رگ و پے میں اتر گیا۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یہ لو دائی ماں میری طرف سے مٹھائی کے پیسے مزید بعد میں"۔ میں نے

جیب سے ہزار ہزار کے تین نوٹ نکالے اور اس کو تھما دیئے وہ خوش ہو کر مجھے دعاؤں سے نوازنے لگی تھی ایسے میں پتہ نہیں کیوں وہ دو آنکھیں چھم سے میرے تصور میں آ بسی تھیں لودیتی ہوئی محبت سے بھرپور آنکھیں۔

''جانے کہاں گم ہو گئی ہے؟ کوئی خبر ہی نہیں کہاں ہے؟ کیسی ہے؟'' میں بے اختیار سا ہو کر اسے سوچنے لگا تھا۔

''کیا خبر اس کی شادی ہو گئی ہو؟ وہ کہیں دور چلی گئی ہو؟'' ذہن میں خیال سا ابھرا تو دل جیسے کانپ سا گیا تھا' میں نے گھبرا کر اس کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے جہاں فاطمہ ننھے مہمان کے ساتھ میری منتظر تھی۔

☆☆☆☆

وہ انکشاف نہیں ایک ایٹم بم تھا جو اس کی ذات کے پرخچے اڑا لے گیا تھا اس کی آنکھوں میں ویرانیاں اتر آئی تھیں وہ وحشت زدہ سی اشمل کو دیکھ رہی تھی جو خود گم صم سی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''میں نے کہا تھا ناں دیا! اس اجنبی کی محبت میں اس قدر آگے مت بڑھو کہ پلٹنا مشکل ہو جائے مت شامل کرو اس کو اپنی زندگی میں بلا سوچے سمجھے''۔ اشمل دکھ سے بول رہی تھی جبکہ دیا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کی تغیر بنی کھڑی تھی' اس کی سماعتوں میں ابھی تک دھماکے سے ہو رہے تھے اشمل کی آواز اس کو دور سے آتی محسوس ہوئی تھی بار بار ایک ہی جملے کی تکرار ہو رہی تھی۔

''وہ شادی شدہ ہے' اس کا چند دنوں کا بیٹا بھی ہے وہ بہت خوش ہے''۔ اس نے گھبرا کر اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹنے کے لئے ہونٹوں پر ہاتھ جما لیا تھا' اس کا وجود لرز رہا تھا۔

''تت...... تمہیں کیسے پتہ اشمل؟'' وہ بمشکل بولی تھی۔

''تمہارے بھیا گئے تھے اس کے کلینک' وہیں انہیں پتہ چلا تھا بلکہ اس نے خود انہیں بتایا اور مٹھائی بھی کھلائی تھی''۔ اشمل نے بھیگی پلکوں کے ساتھ اسے بتایا تھا۔ وہ ٹوٹ گئی اس کا مان محبت' عشق سب ریت کی مانند بکھرتا چلا گیا اس سے پہلے کہ وہ نیچے گرتی اشمل نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا تھا۔

☆☆☆☆

''میرے ہونٹوں پہ اکثر یہ سوال رہا کرتا تھا کہ یہ درد کیا ہوتا ہے؟ یہ محبت کسے کہتے ہیں؟ پر اب جب سے چوٹ کھائی ہے تو جانا ہے یہ درد کسے کہتے ہیں؟ محبت کیا ہوتی ہے؟ بہت اذیت ہے بہت درد''۔ وہ اشمل کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی' اشمل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے پھر سے وہی ہنسی لا دے اس کی خوشی لوٹا دے پر وہ بھی بے بس تھی۔

''سمجھایا تھا ناں میں نے تمہیں محبت سوائے اذیت کے کچھ نہیں دیتی خاص طور پر یہ یکطرفہ محبت' یہ ایسی آگ ہے جو پورے وجود کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے میری چندا بھول جاؤ اس کو''۔

''نہیں نہیں''۔ وہ تیزی سے اس سے دور ہٹی تھی۔

''کیسی دوست ہو تم' تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ میں اسے بھول جاؤں گویا سانس لینا بھول جاؤں مارنا چاہتی ہو مجھ کو''۔ دیا کی آواز میں بسے درد نے اشمل کو تڑپا دیا تھا۔

''دیکھو دیا! خود کو اذیت مت دو وہ تمہارا نہیں ہو سکتا' پلیز سنبھالو خود کو' رحم کرو اپنی حالت پر' اپنے لئے نہ سہی گھر والوں کی خاطر سب کتنے پریشان ہیں وہ بار بار مجھ سے سوال کر رہے ہیں کیا کہوں میں ان لوگوں سے بولوں''۔ وہ اسے جھنجھوڑ رہی تھی جبکہ دیا ساکت تھی۔

''ٹھیک کہتی ہو تم' مجھے اسے بھلانا ہوگا اپنے آنسو خشک کرنے ہوں گے لوگوں کی خاطر ہنسنا بھی ہوگا اپنی حسرتوں کو دل میں دفنانا پڑے گا اپنی اس مردہ محبت کی لاش پر چپکے چپکے رونا ہوگا پر سوچو ذرا اشمل کیا یہ سب اتنا آسان ہے؟ کیا مجھ سے یہ سب ہو پائے گا؟ میں جی نہیں سکوں گی اگر مر نہ پائی تو زندہ لاش ہی کہلواؤں گی تو ٹھیک ہے میں زندہ لاش سہی' لو میں نے آنسو پونچھ ڈالے''۔ وہ درد بھرے انداز میں کہتی ہوئی اپنے آنسو صاف کرنے لگی جبکہ اشمل اس کے

اجڑے ارمانوں پر اشک ریز تھی اسے حوصلہ دیتے دیتے وہ اپنا ضبط کھو بیٹھی تھی۔

☆☆☆☆

میں بظاہر مریضوں کے ساتھ مصروف تھا پر دل میں جانے کیسی آگ سی جل رہی تھی من چاہ رہا تھا یہ سب چھوڑ چھاڑ کر کسی ویرانے کی طرف نکل جاؤں' دل شدت سے تنہائی کا طلب گار تھا آخری مریض کو چیک کر کے میں کرسی پر گر سا گیا تھا' سر درد سے پھٹا جا رہا تھا میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں' ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی جب ایک شناسا سی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''السلام علیکم شاہ جی!'' میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں' اور جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

''وعلیکم السلام! آپ کیسے...... آیئے''۔ ہاشم کے ساتھ کھڑی شخصیت کو دیکھ کر میرا دل خوشی سے جھوم گیا تھا تھوڑی دیر پہلے جو طبیعت میں بوجھل پن تھا اڑن چھو ہو چکا تھا۔

''بیٹھیں ناں''۔ وہ لوگ بیٹھ گئے تو میں بھی سنبھل کر ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''جی فرمایئے''۔ میں بظاہر ہاشم سے مخاطب تھا پر میری نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں جو اپنی بھابی کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی تھی اس نے ایک بار بھی میری طرف نہ دیکھا تھا میں دل ہی دل میں حیران ہوا تھا ہاشم نے چند رپورٹس اٹھا کر میری طرف بڑھا دیں۔

''یہ دیکھ لو علی!'' میں نے رپورٹس پکڑیں اور کھول کر دیکھنے لگا۔

''دیا شاہ...... یہ کون ہے......؟'' میں نے بے اختیار سوال کیا تھا' ہاشم نے انگلی سے اس کی جانب اشارہ کیا تھا میں چونکا اور پھر سے رپوٹس پڑھنے لگا جوں جوں رپورٹس پڑھتا جا رہا تھا میری پریشانی اور فکر بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

''آپ لوگوں نے کسی بڑے ڈاکٹر سے رابطہ نہیں کیا؟'' میں نے ہاشم سے سوال کیا تھا۔

''کئی ڈاکٹرز کو دکھایا ہے ہر طرح کی دوا دے لی پر ذرا بھی افاقہ نہیں ہوا''۔

''اچھا...... پر یہ کیس تو ہارٹ اسپیشلسٹ کا ہے ان کے دل کے والز بے حد کمزور ہو چکے ہیں میں تو پریشان ہوں اتنی سی عمر میں یہ سب''۔ میں الجھا تھا جبکہ وہ تو ایسے بے نیاز بیٹھی تھی جیسے اس کے بارے میں نہیں کسی اور کے بارے میں بات ہو رہی ہے اسے دو دفعہ اٹیک ہو چکا تھا اور آخری اٹیک اس کے لئے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا تھا' میں نے ہاشم کو مشورہ دیا۔

''آپ اسے اسلام آباد لے جایئے وہاں ایک سے بڑھ کر ایک ڈاکٹر موجود ہے ہو سکتا ہے کچھ حل نکل ہی آئے' میں آپ کو کوئی دوا نہیں دے رہا' مکمل پرہیز اور بہتر علاج ہی سے یہ مسئلہ حل ہو گا جو کہ میرے اختیار میں نہیں' آپ اسے جتنی جلدی ہو سکے کسی اسپیشل اور بہتر ڈاکٹر سے چیک کروایئے''۔ میں بول رہا تھا ہاشم اور اس کی بیوی کی نظروں میں الجھن' فکر مندی اور پریشانی واضح پڑھی جا سکتی تھی۔

''پر اسے بہت درد ہو رہا ہے بھائی!'' ہاشم کی بیوی نے فکر مندی سے کہا تو میں نے دیا کو اشارے سے اپنی طرف بلایا وہ خاموشی سے اٹھی اور میرے سامنے آ کر بیٹھ گئی اس کی نظریں بدستور جھکی ہوئی تھی اس کا کترایا کترایا سا رویہ میری سمجھ سے باہر تھا میں اسے چیک کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے چھوٹے چھوٹے سوال بھی کر رہا تھا جس کا جواب وہ صرف ہاں' ناں میں دے رہی تھی۔

''درد کتنا ہے؟'' میں نے نرمی سے پوچھا تو اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا تھا کیا کچھ نہ تھا ان آنکھوں میں...... شکوہ' اذیت' ویرانی' درد' میں نے گھبرا کر نظریں چرا لی تھیں۔

''بہت زیادہ...... بہت درد ہے''۔ وہ آہستہ سے بولی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



''ابھی ٹھیک ہو جائے گا'' میں نے جلدی سے کاغذ و قلم سنبھالا ایک پین کلر ٹیبلٹ کا نام لکھا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ جاتے ہوئے اسٹور سے لے لینا' انشاء اللہ آرام آجائے گا''۔ اس نے خاموشی سے وہ پرچی تھام لی پر اس کی بھیگی پلکیں مجھے بے چین کر گئی تھیں وہ لوگ چلے گئے تھے پر میری نگاہوں نے اس کا تعاقب دور تک کیا تھا اس کی چال میں عجب شکستگی سی تھی لڑکھڑاتے ہوئے قدم بالکل کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح جو اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر تہی داماں رہ گیا ہو' بے اختیار دل سے اس کی صحت یابی کی دعا نکلی تھی۔

☆☆☆☆

''کہتے ہیں کہ جذبے سچے ہوں تو وہ اپنا راستہ خود بخود بنا لیتے ہیں' منزلیں آسان ہوتی جاتی ہیں تو کیا میرے جذبوں میں کوئی کھوٹ ہے' جو مجھے اس تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا' کوئی راہ مجھے اس تک لے کر نہیں جاتی''۔ دیا بے بسی سے رو پڑی تھی۔

''یا خدا! میں کیا کروں انسان با اختیار ہو کر بھی کتنا بے بس ہے' اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں کتنی اذیت ہوتی ہے' بہت تکلیف' جی چاہتا ہے چیخ چیخ کر روؤں' پر کیا کروں میں رو نہیں سکتی' اپنا درد کسی کو بتا نہیں سکتی درد انگیز فریادیں لبوں پر آ کر دم توڑ جاتی ہیں۔ آہیں اور سسکیاں اندر ہی اندر گھٹ جاتی ہیں' اپنی آنکھوں میں آئے اس غم کے سمندر کو خشک کرنا پڑتا ہے لوگوں کی خاطر ہنسنا پڑتا ہے میں لمحہ لمحہ مر رہی ہوں یا خدا! مجھے اس اذیت سے نجات عطا کر یا پھر اس شخص کو میرا کر دے' اس کا درد مجھے مار ڈالے گا مار ڈالے گا مجھے''۔ وہ سسک کر رو رہی تھی اشمل جو اسے دوا دینے کے لئے آئی تھی دروازے میں ساکت کھڑی رہ گئی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ وہ اسے بھول چکی ہے پر۔

''محبت کی دولت کسی خوش قسمت کو ہی ملتی ہے اور دیا شاید خوش قسمت بھی ہے اور سب سے بدقسمت بھی۔ محبت کو کھو دینا کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے''۔ اشمل کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخسار پر آ رہے تھے۔

☆☆☆☆

''دیا! تم پاگل ہو' جانتی بھی ہو کیا کہہ رہی ہو''۔ اشمل چیخ ہی تو اٹھی تھی۔

''تم ...... تم اس سے محبت کی بھیک مانگو گی تم اپنی انا اپنا وقار داؤ پر لگا دو گی دیا ہوش کرو''۔

''نہیں اشمل! محبت بھیک نہیں ہے پر اگر مانگنے سے مل جائے تو حرج ہی کیا ہے؟''

''تم دیوانی ہو گئی ہو' وہ شادی شدہ ہے بچے کا باپ''۔

''تو......؟'' دیا نے کندھے اچکائے۔

''میرے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے' میری طرف سے وہ چار یا دس بچوں کا باپ بن جائے مجھے فرق نہیں پڑتا''۔

''اور اس کی بیوی......؟'' اشمل نے طنز کیا تھا۔

''بیوی......'' دیا ایک لمحے کے لئے چپ سی ہو گئی تھی۔

''میں اس کی نوکرانی بن جاؤں گی اگر وہ صرف ایک بار مجھے میرا علی دے دے سچ کہہ رہی ہوں اشمل! مجھے اس سے کوئی رقابت نہیں' بلکہ مجھے اچھا لگتا ہے کہ کوئی تو ہے جو اس کا خیال رکھتا ہے کتنی خوش قسمت ہے ناں وہ اس کے اس قدر قریب ہے جب جی چاہے اس کو چھو سکتی ہے اسے دیکھ سکتی ہے اس کی آنکھیں اشمل وہ اسے ان آنکھوں سے روز دیکھتی ہے اور ایک میں ہوں' جو اس کی جھلک دیکھنے کے لئے مری جا رہی ہوں اس سے کس قدر دور ہوں' اسے پا نہیں سکتی' بہت کوشش کرتی ہوں اسے بھول جاؤں پر وہ دشمن جاں بھولتا ہی نہیں ہے' اس کی محبت تو وجود میں لہو بن کر دوڑنے لگتی ہے' وہ تو میرے جسم میں روح کی طرح آن سمایا ہے اور اگر جسم سے روح ہی نکل جائے تو پھر پیچھے رہتا ہی کیا ہے؟'' دیا خاموش ہوئی تو

اشمل نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ دیا نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کچھ مت کہو' بس اک بار مجھے اپنی قسمت آزمانے دو' اگر مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو خاموش رہو پلیز''۔ دیا کے لہجے میں جہاں بھر کا درد بھر آیا تھا' اشمل نے بے بسی سے اسے دیکھ کر اثبات میں سر ہلا کر گویا اجازت دی تھی۔

☆☆☆☆

''علی! میں نہیں جانتی آپ میرے بارے میں کیا سوچو گے پر خدارا کچھ غلط مت سمجھنا' مجھے آپ سے بہت کچھ کہنا ہے' آج بہت ہمت کر کے اس ٹیکسٹ کے ذریعے آپ سے مخاطب ہوں علی! آپ نے مجھ سے پوچھا تھا ناں کہاں درد ہے' آپ اس درد کا مداوا نہیں کر سکتے' اس درد کا علاج تو کسی کے پاس بھی نہیں ہے یہ یکطرفہ محبت کا درد ہے میں جانتی ہوں آپ میرے نہیں ہو سکتے' میں نے خود کو بہت روکا بہت سمجھایا کہ اس راہ پر نہ چلوں جس کی کوئی منزل نہیں ہے جہاں صرف کانٹے ہیں پر یہ دل ہے کہ مانتا ہی نہیں علی مجھے آپ سے محبت ہے اتنی کہ شاید آپ اندازہ بھی نہ کر پائیں اگر آپ کو میری باتیں بری لگیں تو پاگل' نادان سمجھ کر معاف کر دیجئے گا''۔ ٹیکسٹ ختم ہو چکا تھا پر فاطمہ کے دل کی دنیا برباد ہو چکی تھی وہ انتہائی جارحانہ موڈ میں آ چکی تھی علی گھر پر نہیں تھا اس کا سیل فون چارجنگ پر لگا ہوا تھا یقیناً وہ اسے ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔

☆☆☆☆

میں رات گئے گھر لوٹا تھا تھکن میرے چہرے سے ہی ظاہر ہو رہی تھی فاطمہ نے واش روم سے باہر نکلتے ہوئے مجھے بغور دیکھا تھا میں اس کے اس طرح دیکھنے پر چونکا ضرور تھا۔

''کیا بات ہے بیگم! یوں کیا دیکھ رہی ہو''۔ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو جواباً اس نے میرا سیل فون میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

''خود دیکھ لیں علی! اور مجھے بھی بتا دیجئے گا اپنا فیصلہ ہاں یاد رکھیئے گا اس لڑکی کے لیے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں' جس روز وہ یہاں آئے گی میں اپنے بچے سمیت یہ گھر چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلی جاؤں گی' '۔ وہ انتہائی سرد لہجے میں کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی جبکہ میں دم بخود سا اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

''اسے کیا ہوا ہے......؟'' میں نے حیرت سے سوچا پھر ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھا کندھے اچکاتے ہوئے میں نے ان بکس اوپن کیا ایک سے دوسرا ٹیکسٹ پڑھتا گیا اس نمبر سے کیے گئے کھلے اقرار نے مجھے اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''اس کا مطلب فاطمہ نے یہ سب پڑھ لئے ہیں او مائی گاڈ''۔ میں سر پکڑ کر بیڈ پر ڈھے سا گیا تھا۔

☆☆☆☆

میں ساری رات سو نہیں پایا تھا عجب کشمکش میں مبتلا تھا' میرے اندر جنگ سی چھڑ چکی تھی۔

''میں جانتے بوجھتے خود کو برباد نہیں کر سکتا' میری بیوی اور میرا فیضان بیٹا مجھے ساری دنیا سے بڑھ کر عزیز ہیں' میں ان کے بغیر نہیں رہ پاؤں گا' مجھے فاطمہ کو منا لینا چاہیے میرا کیا واسطہ بھلا اس رانگ نمبر سے''۔ پر دل مچل مچل کر مجھے روک رہا تھا' اپنی نوزائیدہ محبت کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا' پر میں نے بے حس بن کر اپنی محبت کا گلا گھونٹ دیا اور فاطمہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''سنو یار بیوی! میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا میرا اس سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے یہ جو بھی ہے خود سے ہی کر رہی ہے میری بات کا یقین کرو میں صرف تمہارا ہوں''۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ میرے سینے سے آ لگی۔

''میں نے شرارت سے اسے دوبارہ بازوؤں میں جکڑا' وہ جھنجھلائی تو میں ہنس پڑا اور اسے بازوؤں

کی قید سے آزاد کر دیا۔

''یقین ہے ناں تمہیں کہ میں صرف تمہارا ہوں اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں''۔ میں نے یقین چاہا تو چائے کے لئے پانی چولہے پر رکھتی فاطمہ میری طرف پلٹی۔

''مجھے یقین ہے علی پر...... اس پر نہیں' دوسری عورت کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے بس اک لمحہ لگتا ہے مرد کو پھسلنے میں' میری ناراضی دور کرنا چاہتے ہو ناں' تو آئندہ اس نمبر سے آپ کے نمبر پر کوئی ٹیکسٹ نہ آئے بس''۔ وہ حتمی لہجے میں کہتی دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی جبکہ میں بے بس سا اسے تکتا رہ گیا۔

☆☆☆☆

''واہ ...... بہت دیوانگی ظاہر ہو رہی ہے یار تمہارے لئے' مجھے لگتا ہے وہ سچ مچ تمہیں بہت چاہتی ہے' اف یار...... کاش کوئی مجھے بھی اس قدر پیار کرے''۔ اچھا خاصا دکھی اور اداس نظر آنے کی ایکٹنگ کرنے والا یہ میرا بچپن کا دوست ''حسین'' تھا' اسے میں نے کلینک میں بلایا تھا تاکہ وہ میرے مسئلے کا مجھے کوئی حل بتا سکے پر وہ تو خود ٹھنڈی آہیں بھرنے لگا تھا۔

''یار علی! چھوڑ یار بھابی کی دھمکی کو' کرلے سیٹنگ اس سے''۔ وہ آنکھ دبا کر بولتا مجھے تاؤ دلا گیا تھا۔

''تم میرے ہاتھ سے قتل ہو جاؤ گے آج' چل نکل یہاں سے''۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کا راستہ دکھایا تو وہ قہقہہ لگاتا ہوا دوبارہ کرسی پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

''اچھا غصہ مت ہو مجھے اس کا نمبر دے ساری معلومات تمہیں شام تک مل جائیں گی کہ آخر کون ہے جو میرے یار کو تنگ کر رہی ہے؟ اچھا سن پتہ کر کے ٹاٹا کرنا ہے یا پھر''۔ وہ پھر شرارت سے بولتا جملہ ادھورا چھوڑ گیا میں اس کی آنکھوں میں چھپی شرارت کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

''بس میں نے تمہیں کہہ دیا ہے ناں میری جان چھڑوا اس سے' آئندہ میرے نمبر پر اس کا کوئی ٹیکسٹ وغیرہ نہ آئے''۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے جناب! اب چائے تو پلوا دے کہ ایسے ہی ٹرخا دے گا''۔ اس نے منہ بناتے ہوئے کہا تو میں ہنس دیا۔ اس نے مسکرا کر اپنے سیل فون میں نمبر سیو کر لیا تھا۔

☆☆☆☆

شام کو وہ کلینک آیا تو اچھا خاصا الجھا اور پریشان سا تھا' میں کلینک میں اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا وہ سیدھا میرے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا تھا اس کی اتری شکل دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔

''کیا بات ہے حسین! خیریت''۔ وہ بدستور سنجیدہ سا مجھے دیکھتا رہا۔

''کچھ بولو گے کہ نہیں''۔ میں نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکا۔

''سن تو واقعی نہیں جانتا کہ یہ کس کا نمبر ہے؟'' حسین نے سوال کیا تو میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں یار! میں واقعی نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟''

''پر وہ تو تجھے بہت اچھی طرح سے جانتی ہے علی! تیرے کلینک بھی آتی جاتی ہے''۔

''دیکھو پہیلیاں مت بجھواؤ' میرے کلینک پر تو کئی لوگ آتے ہیں''۔

''دیا شاہ کو جانتا ہے؟'' اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا تو میں ٹھٹک گیا۔

''دیا...... میرے ہونٹوں سے نکلا تھا دل میں درد سا اٹھا تھا۔

☆☆☆☆

دیا کی آنکھوں میں پھر سے وہی شوخی اتر آئی تھی

وہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔

"دعا کرو میری خوشی کو کسی کی نظر نہ لگے"۔ اشمل ہنس کر آمین کہہ دیتی۔

"کچھ بتاؤ بھی تو سہی کیا کہا ہے علی نے جو یوں باؤلی ہوئی جا رہی ہو"۔ اشمل موقع ملتے ہی اس کے پاس چلی آئی تھی۔

"ابھی تو کچھ نہیں کہا بس تعارف ہوا ہے"۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی تو اشمل نے اسے گھورا۔

"بس تعارف پر ہی اتنی باؤلی ہوئی جا رہی ہو"۔

"نہیں تو اور بھی باتیں ہوئی تھیں"۔ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔

"اچھا تو اور کیا باتیں ہوئیں؟" اشمل نے اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے پوچھا جو اپنے ہی خیالوں میں مست کھڑی تھی۔

"تم نے اپنی دیوانگی کے بارے میں نہیں بتایا اسے"۔ اشمل نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے گویا اس کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

"ہاں بتایا ناں"۔ دیا اس کے انداز پر ہنسی تھی۔

"کیا بتایا جلدی بولو؟" اشمل نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

"یہی کہ یہ پاگل سی، احمق نادان لڑکی آپ کی محبت میں دل کی مریضہ بن چکی ہے اور اپنی باقی ماندہ زندگی آپ جیسے مسیحا کے سنگ گزارنا چاہتی ہے"۔ وہ شریر سے لہجے میں کہتی ہنسی تھی اس کی آنکھوں میں آج انوکھی ہی چمک تھی زندگی سے بھرپور ہنسی اس کے لبوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"تو پھر اس نے کیا کہا؟" اشمل کی بے چینی بڑھ چکی تھی۔

"ابھی تو کچھ خاص نہیں، بس یہ کہا کہ آج سے آپ میری دوست ہو، مستقبل میں کیا ہوگا یہ سوچ کر بتاؤں گا"۔ دیا نے کہا تو اشمل الجھ گئی۔

"یہ باتیں اس نے تم سے کال پر کی تھیں؟"

"نہیں ٹیکسٹ پہ کی تھیں"۔ دیا نے جواب دیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"تمہیں یقین ہے وہ علی ہی ہے اور نمبر بھی اسی کا ہے؟"

"نمبر تو اس کا نیا ہے اور باتوں سے تو سو فیصد علی ہی لگتا ہے"۔

"بے وقوف ہو تم، کسی پر اتنی جلدی اعتبار نہیں کرنا چاہئے"۔

"اوہو چھوڑو بھی وہ علی ہی ہے میرا دل کہتا ہے"۔ دیا نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے اس کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔

☆☆☆☆

حسین نے دیا کا نام میرے سامنے لیا تو دل بے کل سا ہو گیا، جی چاہا تھا کہ ابھی اسی وقت دیا کے سامنے جا کر اپنی نیم مردہ محبت کا اعتراف کر لوں جو اس کے وصل کی گھڑیاں گن رہی ہے پر اسے ہجر کی سولی پر چڑھنا پڑ رہا ہے، محبت کی مسافت میں وہ تنہا نہیں میں نے بھی یہ سفر اس کے سنگ کیا ہے، میں نے بھی آبلہ پائی کا کرب سہا ہے، میں نے بھی اس رستے پر اُگے ہوئے کانٹوں کی اذیت سہی ہے، ہجر کا درد جھیلا ہے، راتوں کو کئی بار اٹھ کر اس کو پکارا ہے یہ پلکیں کئی بار بھیگی ہیں، دل ہمک ہمک کر اس کے ساتھ کا تمنائی ہے، یہ مچل مچل کر اس کی راہوں میں بچھ بچھ جانا ہے اور اس سے کہوں کہ یہ آنکھیں ہر لمحہ تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں، میرا دل تمہارے سنگ خوش رہنا چاہتا ہے، تمہیں پا کر اک نئے جہان کی سیر کرنا چاہتا ہے، محبت کی سنگلاخ وادیوں میں اُتر کر اس کا نشہ پانا چاہتا ہے، اس کی آغوش میں سر رکھ کر اک گہری اور میٹھی نیند سونا چاہتا ہے، بہت جی چاہتا ہے یہ سب اس سے کہہ دوں مگر دنیا کے رسم و رواج راہ میں حائل ہو جاتے ہیں کئی مجبوریاں راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہیں، کیا معاشرہ ہماری اس محبت کو قبول کر

پائے گا؟ یہ زمانے والے ہمیں جینے نہیں دیں گے غیر تو غیر اپنے طعنے دے دے کر لہولہان کر ڈالیں گے' اتنی کڑی فصیلوں کو پاٹنا ہمارے بس میں نہیں ہے' دیا میں تمہیں کبھی خوشیوں بھری زندگی نہ دے پاؤں گا' آج میں اعتراف کرتا ہوں میں ایک کمزور انسان ہوں جو اپنے ناتواں کندھوں پر اس محبت کا بوجھ نہیں لاد سکتا' میری دعا ہے کہ تم جہاں رہو خوش اور آباد رہو"۔ علی کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر گرے تھے اور حسین سوچ رہا تھا یہ کیسی محبت ہے؟ زندہ درگور کردینے والی اس کے دل سے آواز آئی تھی۔

☆☆☆☆

دیا کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا' تقدیر نے اس کے ساتھ بہت بھیانک مذاق کیا تھا' وہ جو تقدیر کو آزمانے نکلی تھی بری طرح شکست کھا چکی تھی اس کا پورا وجود لہولہان تھا اس کی روح پر ایسے گھاؤ لگے تھے کہ جو کبھی بھر نہ پائیں اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھیں بظاہر خشک تھی پر دل میں اذیت کا لاوا سا ابل رہا تھا' اس نے لرزتے ہاتھوں سے ایک ٹیکسٹ ٹائپ کیا اور علی کو سینڈ کردیا۔

☆☆☆☆

"میں جو حقیقت آپ کو بتانے جارہا ہوں یقیناً آپ کے لئے بہت تکلیف دہ ہوگی پر میں آپ کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتا' میں علی نہیں ہوں میں اس کا دوست حسین ہوں' میں نے یہ سب صرف علی کی وجہ سے کیا' بہر حال میں نے یہ سب اسے بتایا تو وہ حیران ہوا اس نے مجھے کہا کہ وہ کسی دیا کو نہیں جانتا ہو سکے تو میری اس سے جان چھڑوا دو اور آئندہ اس کا ٹیکسٹ میرے نمبر پر نہ آئے' میں آپ کا دل سے احترام کرتا ہوں اور آپ کو مشورہ دوں گا کہ علی کو بھول جائیے اس کا خیال دل سے نکال دیں"۔ ٹیکسٹ ختم ہوا تو انھمل نے صدمے سے گم صم کھڑی دیا کو دیکھا تھا اس کی رنگت ہلدی کی مانند زرد ہو رہی تھی اس نے گھبرا کر اس

کا بازو پکڑ لیا' مگر وہ اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھی وہ ہوش کی دنیا سے بیگانہ ہو کر فرش پر گری تھی۔

☆☆☆☆

حسین ابھی ابھی اٹھ کر میرے پاس سے گیا ہے اس نے دیا کو جو ٹیکسٹ کیا تھا وہ مجھے دکھانے آیا تھا میں بظاہر مطمئن سا ہو گیا تھا پر اندر ہی اندر کوئی چیز تھی جو مجھے پریشان کر رہی تھی مجھے بہت گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے اف کیا کروں میں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تبھی میسج ٹیون نے مجھے چونکا دیا میں نے ٹیکسٹ اوپن کیا تو وہ دیا کے نمبر سے آیا تھا۔

"اگر میں
مرجاؤں تو
میری قبر کے سرہانے
بیٹھ کر
بس اتنا کرنا دو آنسو
ٹپکا کر آنکھوں سے
میری وفا کی
قیمت چکا دینا

اک سرد آہ میرے لبوں سے نکلی تھی۔

"کوئی کسی کے لئے نہیں مرتا دیا جب تم میری بے وفائی کے بارے میں جانو گی اور یہ جانو گی میں تمہارے متعلق کیا سوچتا ہوں تم میری طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرو گی"۔ میں نے تنفر سے سوچا تھا اور بھول گیا تھا کہ دیا واقعی کسی ایسے صدمے کو سہار نہیں پائے گی رات کا پچھلا پہر تھا نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی میں بہت اداس اور پریشان سا تھا' میرے پہلو میں فاطمہ اور فیضان محو خواب تھے تب پھر میسج ٹیون بجی تھی میں نے جلدی سے سیل فون اٹھا کر ان بکس اوپن کیا تھا' دیا کا نام دیکھ کر میں چونک گیا ٹیکسٹ پڑھنے لگا تو دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔

"علی مجھے بچالو' بہت تکلیف ہے' علی آجاؤ"۔

کتنی دردبھری پکار تھی میں تڑپ گیا تھا۔ میں نے

جلدی جلدی دیا کے نمبر پر کال ملائی تھی مسلسل بیل جا رہی تھی مگر کوئی بھی ریسیو نہیں کر رہا تھا آخر تیسری دفعہ ملانے پر کال ریسیو ہو ہی گئی۔

''السلام علیکم''۔ فون ریسیو ہوتے ہی میں نے کہا۔

''وعلیکم السلام ! کس لئے فون کیا ہے آپ نے''۔ دوسری طرف سے روئی روئی آواز ابھری تھی یہ کوئی اور خاتون تھی دیا تو نہیں' میں گھبرا گیا تھا۔

''جی مجھے دیا سے بات کرنی ہے''۔

''سوری دیا آپ سے بات نہیں کر سکتی کیونکہ آپ نے اسے بات کرنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا وہ مر گئی ہے''۔ دوسری طرف سے دی گئی اطلاع نے جیسے میری روح کھینچ لی تھی۔

''نہیں ابھی کچھ دیر پہلے''۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تھا پر لائن کاٹ دی گئی تھی میں صدمے سے ساکت بیٹھا رہ گیا تھا مجھے ایسا لگا جیسے میں اپنے ہوش کھو بیٹھوں گا۔

''مم...... مم...... مجھے جانا چاہئے''۔ میں جلدی سے اٹھا اور باہر پیدل ہی نکل آیا تھا آدھی رات کا وقت تھا اور میں تنہا' کچھ دیر سوچ کر حسین کو کال ملانے لگا نیند میں ڈوبی آواز تھی۔

''حسین ! میں علی بول رہا ہوں' جلدی سے بائیک لے کر باہر گلی میں آؤ ایمرجنسی ہے''۔

''کیا...... کک کیا ہوا ہے؟'' وہ گھبرا گیا تھا۔

''آؤ پھر بتاتا ہوں''۔ میں نے بڑی مشکل سے خود پر ضبط کے بندھ باندھے تھے۔ کچھ ہی دیر میں حسین بائیک پر میرے پاس آن پہنچا' میری حالت دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

''اوئے کیا ہوا......؟'' وہ حد سے زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔

''وہ مر گئی ہے دیا''۔ میں نے جانتے بوجھتے اسے مار ڈالا' جانتا تھا وہ نہیں سہہ پائے گی پھر بھی اسے شاک دیا' ایسا شاک کہ وہ زندگی سے روٹھ گئی''۔ میں سسک پڑا تھا' خود حسین ساکت تھا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' میں نے مختصر سے لفظوں میں اسے ساری بات بتائی تھی۔

''او مائی گاڈ!'' اس کے ہونٹوں سے نکلا تھا۔

ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے نظریں چرائے کھڑے تھے۔

☆☆☆☆

آج 26 نومبر کو اس کی پانچویں برسی ہے' میں خود کہاں زندہ ہوں؟ مر چکا ہوں اور اپنی حسرتوں کی قبر میں دفن ہوں اور جانے کب تک رہوں گا یہ آتی جاتی سانسیں ہی مجھے اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں' یا پھر وہ لمحے جب میں اس کی قبر پر جا کر دعا کرتا ہوں اور رو رو کر اس سے معافی مانگتا ہوں مگر وہ مجھ سے بولتی ہی نہیں' وہ سچ میں میری جان چھوڑ گئی ہے پر جاتے جاتے میرا سب کچھ اپنے ساتھ لے گئی ہے میں اپنی زندگی کا اک اک لمحہ اس کی یاد میں بسر کرتا ہوں' فاطمہ نے مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیا ہے وہ بھی شاید سمجھ چکی ہے کہ میرے پاس اب کچھ نہیں رہا اس کے لئے۔

☆☆☆☆

''5 سال بیت گئے ہیں دیا تمہیں ہم سے بچھڑے یہ لمحے کیسے گزرے ان کا درد کوئی نہیں جان سکتا اور ہاں تمہارا درد بھی تو کوئی نہ سمجھ سکا جس کے لئے قسمت کو آزمانے چلی تھیں وہ آتا ہے اور وہ بھی کب جب تم ہمیشہ کے لئے خاک اوڑھ کر سو چکی ہو' میں نے اسے دیکھا تھا بہت ٹوٹا ہوا اور شرمندہ ہے' پر کیا فائدہ دیا؟ کاش...... وہ تمہاری زندگی میں کبھی نہ آیا ہوتا''۔ اشمل دیا کی قبر کے پاس بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھی اشک اس کی آنکھوں سے موتیوں کی لڑی مانند ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پہ گر رہے تھے۔

☆☆......☆☆......☆☆

افسانہ



"اگر تم پھول نہیں بن سکتے تو کانٹا بھی مت بنو اور یہاں میں تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں کہ اگر تم کانٹا نہیں بنو گی تو ایک دن پھول بن ہی جاؤ گے۔"

اور یقین جانیے، میں نے پھول بننے کی بہت کوشش کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ہر دفعہ ناکام رہی، یہ بات نہیں کہ میں ہمت ہار گئی بلکہ حقیقتاً شاید میں تھک گئی۔

پھول بننے کی کوشش کی ابتداء میں نے اس دن سے کی جب سسرال میں میرا پہلا دن تھا۔ ماشاء اللہ بھرا پرا سسرال تھا میرا۔ چار نندیں، دو جٹھانیاں، چار دیور، ساس، سسر......! میری کوشش تھی کہ میں پہلے دن سے ہی سب کے دلوں میں گھر کر جاؤں اور کوشش کی ابتدائی میں نے پہلے دن ہی اس وقت کی جب میری ساس کسی رشتے دار سے کہہ رہی تھیں۔

"کوئی ایسا خاص امیر خاندان بھی نہیں ہے۔ بہو کا، ارے اس سے زیادہ امیر تو میرے بھائی کا خاندان ہے۔ میرے بھابی نے اپنی بیٹی کو جہیز میں کار تک دی تھی۔ انہوں نے کیا دیا؟ کچھ نہیں نہیں، وہی گھسی پٹی چند چیزیں۔"

میرا دل جل گیا یہ سن کر لیکن میں نے صبر کیا۔ رخصتی کے وقت بھی میری نندوں نے جتایا۔

"بھائی کا لہنگا اتنا شاندار نہیں جیسا میری دوست کا تھا۔ اڑھائی لاکھ کا تھا، یہ تو ساٹھ ستر ہزار والا ہے۔"

میں ایک دفعہ پھر سہہ گی۔

اور پھر ہر گزرتے دن پر سہنا میری عادت بن گئی۔ میں صبر کر جاتی لکن آخر کب تک؟ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ حد اس دن پار ہو گئی جب میں اپنے میکے جانے کے لیے تیار ہوئی تو میری ساس نے روک دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں روز اُدھر جانے کی اِدھر ہی رہو۔" مجھے تپ چڑھی دو گھنٹے لگا کر تیار ہوئی تھی میں۔

"کیوں امی جی! آج عثمان کی سالگرہ ہے۔"

انہوں نے مجھے آنکھیں دکھائیں۔

"مجھے زیادہ سوال جواب پسند نہیں ہیں۔"

"میں تو جاؤں گی۔" مجھے ضد چڑھ گئی۔ جب میرے میاں کو کوئی اعتراض نہیں تو ان کو کیا تکلیف ہے۔

"میں بھی دیکھتی ہوں تو کیسے جائے گی۔" وہ ڈھال بن کر دروازے کے آگے کھڑی ہو گئیں۔

اور پھر اگلے اڑھائی گھنٹے میری ان سے تو تو میں میں ہوئی۔ نہیں جانے دیا انہوں نے مجھے۔ میرا دل بھر آیا، ضبط اور صبر کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

اور پھر یہ جھگڑے معمول بن گئے۔ بات بے بات کے جھگڑے، لڑائیاں...... تکرار...... ہار ظاہر ہے میری ہوتی۔ نندیں طنز کے تیر چلاتیں۔ جٹھانیاں مجھے روتا دیکھ کر خوب ٹھٹھے مارتیں، پھول نا بن سکی میں۔

☆......☆

چھ سال ہو گئے میری شادی کو لیکن حیثیت وہی رہی سسرال میں جو اول روز سے تھی۔ ساس جوتے کی نوک پر رکھتیں۔ نندیں تمسخر اڑاتیں۔ آئے روز کے جھگڑے اور تکرار سکون غارت ہو گیا تھا۔

"یہ کھانا بنایا ہے؟ مجھے تو یہی نہیں پتا چل رہا کہ گوبھی پکی ہوئی ہے یا کریلے؟" ساس کے تیر۔

"اماں! جو مرضی سمجھ کر کھا لیں۔ ذائقہ تو کسی کا بھی نہیں ہو گا۔" چھوٹی نند کا چٹکلا۔

"اوئی ماں! اتنی مرچیں، بواسیر سے ماروگی کیا بہو؟"

"ہائے ہائے جلی ہوئی روٹیاں۔"

"کچے چاول۔"

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ چمچ زور سے پلیٹ میں پٹخ کر اٹھ گئی۔

"اتنے نخرے ہیں تو خود پکا لیا کریں، دس دس گھنٹے چولہے کے آگے کھڑے ہو کر تو کرانیوں کی طرح پکاؤ پھر نخرے بھی سہو۔"

"بہو! یہ کس زبان میں بات کر رہی ہو؟"

میرے شوہر نے بھی مجھے گھورا۔ ساس بیٹے کی

ہمدردی پا کر پھیل گئیں۔
''بس یہ عزت رہ گئی ہے میری اس گھر میں بیٹے۔''
''عالیہ تمہیں تمیز نہیں ہے؟'' میرے شوہر نے گھر کا۔
''معافی مانگو۔'' میرا دل بھر آیا۔
سب کچھ چھوڑ چھاڑ میکے آ گئی۔ کانٹا بن گئی میں۔
اِدھر میری ضد اُدھر ان کی انا۔
''گئی خود ہے تو آئے گی بھی خود، ہم میں سے کوئی بھی لینے نہیں آئے گا۔'' میری ساس نے امی کو کھری کھری سنائیں۔
''میں نہیں جاؤں گی اس دوزخ میں دوبارہ۔'' میں دن میں سینکڑوں دفعہ چلاتی۔
چھ سال ہو گئے تھے مجھے ایک ایک کی برداشت کرتے، ضبط کرتے، صبر کرتے لیکن اب میری بس ہو گئی تھی۔ مجھے چار ماہ گزر گئے امی کے گھر رہتے رہتے، نہ اُدھر سے کوئی لینے آیا نہ اِدھر سے میں گئی۔
اس دن میں خالہ کلثوم سے ملنے ان کے گھر گئی تھی۔ خالہ کلثوم ویسے تو میری امی کی خالہ تھیں لیکن میں بھی ان کو خالہ ہی کہتی تھی۔ وہ اچھی باریش بزرگ ہیں، کافی باوقار سی، چار بیٹے ہیں ان کے، چاروں شادی شدہ اور چاروں کی بیویاں انھی کے ساتھ رہتی ہیں۔
وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئیں، چائے کے دوران وہ مجھ سے سسرال کے بارے میں پوچھنے لگیں۔ میں نے آنسوؤں کے ساتھ ساری بات بتا دی۔ ساری بات سن کر وہ ہلکے سے مسکرا دیں اور میرے سر پر ہاتھ رکھا۔
''ارے بیٹی! بس اتنی سی بات پر اتنا زیادہ پریشان؟''
''یہ چھوٹی بات ہے خالہ؟''
''تو اور کیا......'' میں الجھ گئی۔
''دیکھ میں تجھے بتاتی ہوں۔'' وہ ہولے ہولے بولنے لگیں۔
''میں جس گھر میں بیاہ کر گئی تھی۔ وہاں آٹھ نندیں تھیں۔ ساس بھی اللہ بخشے بہت لڑاکا۔ میں بڑی دھان پان سی۔ وہی بیٹی تیری سسرال والا حال۔ بات بے بات طنز، تمسخر، میں جب وداع ہوئی تھی تو اماں نے بس ایک بات کہی تھی۔
''بیٹی زبان نہ کھولنا، منہ نہ کھولنا، لاکھ چوٹیں آئیں، سی نہ کرنا۔ بس میں نے وہ نصیحت پلو سے باندھ لی۔ زبان نہیں کھولی۔ ایک دفعہ بھی۔ دل ہی دل میں جو کہا سو کہا۔ زبان پر ایک حرف بھی نہیں۔ اللہ پاک اجر ضرور دیتا ہے۔ نندیں بیاہی گئیں۔ ساس اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ چار بیٹے دیے اللہ نے۔ اللہ نظر بد سے بچائے، چار ہیرے جیسی بہوئیں میرے حلق سے آواز نکلنے سے پہلے آ جاتی ہیں۔
''دیکھ بیٹی پھول بن گئی ناں۔'' مجھے سمجھ آنے لگی تھی۔
''جو پھول نہ بن سکے وہ کانٹا بھی نہ بنے۔ تیرے سے یہی غلطی ہوئی۔ تو پھول نہیں بن پائی تو کانٹا بن گئی۔ بیٹی رانی! پھول یا کانٹا بننا ہمارا اپنا اختیار ہے۔ یہ چند چھٹانک کی زبان، یہی ہے ساری بات، یہ بات قابو میں ہے تو سمجھ بن گئے پھول ورنہ کانٹا۔ اس زبان کو قابو میں رکھنا سیکھ۔ پھول نا بنی تو کانٹا بھی نہیں بنے گی۔''
اور مجھے اس دن ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ گُر کی بات تو وہی تھی جو خالہ کلثوم نے کہہ دی تھی۔ زبان اگر قابو میں ہے تو آپ پھول ہیں ورنہ کانٹا۔
میں نے تو اپنا محاسبہ کر لیا اور سسرال واپس آ کر کانٹا نہ بننے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔
اب باقی آپ کا کام ہے۔
دیکھ لیں اور اپنا محاسبہ کر لیں۔
آپ پھول ہیں
یا
کانٹا؟
☆

عائشہ انصاری

افسانہ

دو ٹوٹتی آرزوئیں

ابھی ابھی اس کی نند اسے کمرے میں چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ خوشی اور گھبراہٹ کی ملی جلی کیفیت میں تھی۔ نئے رشتے میں بندھ جانے کی خوشی اور نئی جگہ کے لیے گھبراہٹ صاف اس کے چہرے کو نکھار بخش رہی تھی۔ ہر آہٹ پر دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی پھر کسی کو نہ پا کر خود ہی شرما کر مسکرا دیتی۔

''تم اب اپنے کمرے میں جاؤ دلہن انتظار کر رہی ہوگی۔'' رات کے دو بج رہے تھے جب ماں جی نے فہد کو کہا۔ وہ فوراً اٹھ گیا۔

''اور ہاں صبح جلدی اٹھ جانا دلہن کے گھر والے ناشتہ لے کر آ رہے ہیں۔ میری تو ٹانگوں میں درد ہے۔ میں نہ اٹھ پائی جلدی تو دلہن برا نہ منائے۔ اسے ذرا بتا دینا اچھے سے میری طبیعت کے بارے میں، سمجھ گئے نا بیٹا؟'' وہ مسکرا کر بولتے ہوئے فہد کو بہت کچھ سمجھا گئیں تھیں۔

''جی! ماں جی بے فکر ہو کر سو جائیں آپ۔'' وہ کہتے ہی آگے بڑھا تھا کہ پھر سے کوئی بات یاد نہ آجائے ماں جی کو۔

آہٹ پر ذرا سا سر اٹھا تھا پھر جھکا لیا گیا۔ دھڑکن تیز ہو گئی جیسے دل کانوں میں آ گیا ہو۔ چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ جم گئی۔

''السلام علیکم، کیسی ہیں آپ؟'' خوب صورت مردانہ آواز نزدیک سے ابھری تھی۔ وہ سمٹ گئی۔

''وعلیکم السلام۔'' نمرہ بس اتنا کہہ سکی آواز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی شرم اور گھبراہٹ کو محسوس کر رہا تھا۔ نمرہ ایک سمجھدار اور سگھڑ لڑکی تھی۔ اس نے پیاری زندگی خود کو سینت سینت کر رکھا تھا۔ صرف ایک شخص کے لیے اپنے سارے جذبات و احساسات سنبھال کر رکھنے والی یہ لڑکی بہت حساس تھی۔ صرف اپنے شریک سفر سے عزت اور محبت کی طلب گار۔

''یہ آپ کے لیے!'' سامنے ایک سرخ مخمل کی ڈبیہ رکھی گئی تھی۔

''آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔'' یہ دوسرا جملہ صرف اس کے لیے تھا مگر...... نمرہ سرخ ڈبیہ کو دیکھ رہی تھی اس انتظار میں کہ وہ اسے خود نکال کر پہنائے گا لیکن......

''ماں جی لے کر آئیں تھیں مجھے تو عورتوں کی خریداری نہیں کرنی آتی آپ کو پسند آئی۔'' ڈبیہ کھول کر پھر سامنے رکھ دی گئی۔ وہ محض سر ہلا گئی اس کی اس حرکت پر۔

''مجھے پتا تھا آپ کو پسند آئے گی۔'' وہ خوش ہو کر بولا تھا۔ نمرہ نے اسے دیکھا وہ اچھا لگ رہا تھا۔ فہد اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں جھکا گئی۔

''میری ماں جی اور عالیہ آپ کو بہت پیار اور چاہ سے اس گھر میں لے کر آئی ہیں، میں چاہتا ہوں آپ ان دونوں کا بہت خیال رکھیں۔ شکایت کا موقع نہ دیں۔ ماں جی بہت حساس ہیں، بابا ہمیں جلد چھوڑ



گئے پھر ماں جی نے مشکلیں کاٹ کر ہمیں پالا۔ میں ان کو بہت خوشی اور آرام دینا چاہتا ہوں۔ تم میرا ساتھ دو گی نا؟" نمرہ اس کی باتیں سن کر حیرت میں فوراً سر ہلا گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کیا یہ باتیں سننے کے لیے وہ اب تک اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ وہ کچھ اور بھی بول رہا تھا مگر اس کی آواز اب دھیمی کسی کھائی سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

"تم میری ماں جی کو خوش رکھو گی تو میں تم سے مطمئن رہوں گا۔" اس دھیمی آواز کے ساتھ ایک اور واضح آواز اسے سنائی دی۔

"میں آپ کو ساری زندگی خوش رکھوں گا۔" کھائی سے آتی آواز اب بھی دھیمی تھی۔

"میں آپ کی تمام ضرورتیں پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔" یہ آواز بلاشبہ اس کے شریک سفر فہد کی تھی جو دوسری آواز سے بے حد دھیمی تھی۔

"میں آپ کی ہر خواہش پوری کروں گا۔" آواز واضح اور صاف تھی۔

"عالیہ چھوٹی ہے۔ حالات نے اسے کچھ تلخ کر دیا ہے مگر دل کی اچھی ہے تم اسے پیار سے سمجھاؤ گی تو وہ سمجھ جائے گی۔" فہد کہہ رہا تھا۔ نمرہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"میں آپ کو اتنا پیار دوں گا کہ آپ سارے غم بھول جائیں گی۔" آواز کہیں دل سے آئی تھی۔ صاف واضح۔

"میں چاہتا ہوں آپ میری ماں جی کے مطابق خود کو ڈھال لیں۔ وہ آپ کو بہت پیار سے رکھیں گی۔" آوازیں مسلسل اس کے کانوں میں شور برپا کر رہی تھیں۔

"اور آپ...... آپ کتنا پیار دیں گے مجھے؟ آپ نے تو پہلے مرحلے پر ہی مجھے میری اوقات سمجھا دی ہے۔ میں کس لیے لائی گئی ہوں یہاں؟" دل سسک اٹھا تھا۔ وہ محض سوچ کر رہ گئی۔ آنکھوں سے دو آنسو موتیوں کی طرح گود میں رکھے ہاتھوں پر گرے تھے۔ فہد اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ مزید سر جھکا گئی۔

"آپ تھک گئیں ہوں گی آرام کر لیں۔ ادھر ڈریسنگ روم ہے چینج کر لیں۔" وہ ایک نظر اسے دیکھتا ہوا اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔ وہ سلگ کر رہ گئی۔ اس کے خواب نئی زندگی کے پہلے مرحلے پر کرچی کرچی ہو گئے۔ وہ خود پسند نہ تھی کہ اپنی چند تعریفیں سن کر خوش ہو جاتی، نہ دولت کی ہوس، نہ خود غرض اور نہ ہی شوہر کو اپنی مٹھی میں کرنا چاہتی تھی، بلکہ وہ سب کا خیال رکھنے والی اور سمجھدار تھی۔ اسے فہد کی باتیں بری نہیں لگی تھیں بلکہ اس موقع پر کی گئی جیسے وہ بہت خاص سمجھا کرتی تھی۔ اس طرح کی باتیں کرنے کے لیے ساری زندگی پڑی تھی مگر یہ وقت یہ موقع بار بار نہیں آتا، جن باتوں کو سننے کا دل منتظر تھا وہ اب کہاں سے سنے گی؟ خواب دیکھا تھا جو خواب ہی رہ گیا۔ خوابوں کو تعبیریں نہیں ملتی اگر مل بھی جائیں تو بہت دیر سے۔" ہر بات کا ایک وقت اور موقع ہوتا ہے اگر بات اس کے اصل موقع پر کی جائے تو اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ کیا تھا اگر وہ کچھ پیار بھری باتیں کر لیتا مگر تعریف بھی کی تو جیسے احسان، گفٹ بھی دیا تو جیسے احسان! اسے ذرا احساس نہ ہوا کہ وہ کیا سوچ رہی تھی۔ احساس ہی تو زندگی ہے اگر احساس مر جائے تو وہ زندگی بے رنگ ہو جاتی ہے۔ وہ جان گئی تھی۔ فہد ان مردوں میں سے ہے جو صرف عورت کا حق اور ضرورت پوری کرتے ہیں مگر پیار بھری بات کرنے یا سننے کو محض ایک بے وقوفی سمجھتے ہیں لیکن محبت بھی تو ضروری ہے یہ دنیا محبت ہی کی ایک سب سے بڑی نشانی ہے۔ انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ چاہا جائے مگر...... وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔

......☆......

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین

افسانہ

وطن کا قرض

''زندگی کیا ہوتی ہے؟ یہ کوئی کسی مرتے سسکتے انسان سے پوچھے' یہ زندگی جس پر ہم اتنا ناز کرتے ہیں اپنے ابدی گھر کو بھول کر اس عارضی دنیا کی موج مستیوں میں کھو جاتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ زندگی تو موت کی



امانت ہے جو کسی بھی وقت ہم سے چھین لی جاتی ہے پھر ہم اس زندگی جیسی ناقابل اعتبار شے پر کیوں بھروسہ کرتے ہیں؟ میں نے گلریز خان! ایک ماں کو اپنے جواں سالہ بیٹے کی لاش پر ماتم کرتے دیکھا ہے ایک نو بیاہی دلہن کو اپنے بے گناہ سہاگ کی دردناک موت پر اجڑتے دیکھا ہے ارے تمہیں کیا معلوم دکھ اور کرب کیا چیز ہے؟ افلاس اور بھوک سے بلکتے بچے جو کچروں کے ڈھیر سے روٹی تلاش کرتے ہیں جو ان کے لئے کسی ہفت اقلیم سے کم نہیں ہوتی مگر تمہیں کیا پتہ تم جو دن رات دولت میں کھیلتے ہو جو چاہے دولت سے خرید سکتے ہو مجھے بتاؤ' کیا تم دولت سے ایک ماں کو اس کی زندگی کا واحد سہارا' ایک بیوہ کو اس کا سہاگ لوٹا سکتے ہو'۔ رائمہ نے اپنے سامنے بیٹھے گلریز سے غصے و تاسف سے پوچھا۔

گلریز کو اس کی دلی کیفیت کا اندازہ تھا وہ ایک مشہور نیوز پیپر میں نیوز رپورٹر اور بطور صحافی کے فرائض انجام دے رہی تھی اور بہت حساس اور دردمند دل رکھتی تھی اس طرح کی ہر خبر کی کوریج کے بعد اس کی یہی کیفیت ہوتی تھی اور اپنے اندر کا سارا ابال وہ گلریز پر نکالتی تھی جو نہ صرف اس کا فرسٹ کزن بلکہ اس کا غمگسار بھی تھا' اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ ملک کے مایہ ناز مل اونر کا بیٹا تھا مگر تن



پر امپورٹڈ برانڈڈ لباس کے باوجود اس کا تن بہت ہی سادہ اور ہر قسم کی بناوٹ سے پاک تھا مگر رائمہ اس کا شمار بھی دوسرے بے فکرے اور لاابالی امیرزادوں میں کرتی تھی ابھی بھی گلریز نے اس کو موجودہ ذہنی کیفیت سے نکالنے کے لئے مذاقاً کوئی بات کہی تھی ہمیشہ کی طرح رائمہ اس پر اپنا سارا غبار نکال چکی تھی جسے خاموشی سے گلریز خان سن رہا تھا وہ اس حساس کومل سی لڑکی کی دلی کیفیت کو سمجھ سکتا تھا' مگر آج آخری جملہ اسے کسی تازیانے کی طرح لگا تھا وہ اسے اتنا بے حس اور لاپروا سمجھتی تھی اسے آج پہلی مرتبہ دکھ و افسوس ہوا۔

''اوہ کم آن رائمہ! میں بھی ایک انسان ہوں جس کے سینے میں ایک نرم حساس دل موجود ہے تم مجھے ہمیشہ ایسے ہی ڈی گریڈ کرتی ہو اگر میں دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں تو بتاؤ اس میں میرا کیا قصور' ملک میں جو یہ ٹارگٹ کلنگ اور دہشت گردی کے واقعات ہو رہے ہیں اس میں میں کہاں سے مجرم ٹھہرا' مگر تمہیں یہ سمجھ نہیں آئے گی' کیونکہ تم نے بدگمانی کی عینک پہن رکھی ہے جب یہ اترے گی تو تمہیں میرا خلوص اور بے لوث محبت کا جذبہ نظر آئے گا''۔ یہ کہہ کر گلریز وہاں سے اپنی گاڑی کی چابی اور والٹ اٹھا کر نکلتا چلا گیا' رائمہ اس کے رویے پر حیران تھی ہمیشہ اس نے گلریز کو پرسکون اور مطمئن دیکھا تھا مگر آج......

''خیر مجھے کیا؟ سچ اور حقیقت کے آئینے میں ہر کسی کو اپنا اصل چہرہ دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی اور آج تم نے بھی یہ ثابت کر دیا ہونہہ......'' یہ سب سوچتے وہ اپنے جلتے بجھتے دماغ کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے شاور لینے چلی گئی' شام میں جب وہ سو کر اٹھی تو از سر نو دوپہر کی تمام گفتگو یاد کرنے پر اسے تھوڑی سی شرمندگی ہوئی شاید یہ گلریز کے ردعمل کا نتیجہ تھا ورنہ رائمہ کو اس سے پہلے بھی گلریز کے ساتھ کی جانے والی زیادتی کا احساس نہیں ہوا تھا۔

''اوہ! میں کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی جب ہی آج موصوف ناراض ہو گئے خیر کال کر کے سوری کر لیتی ہوں''۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے لینڈ لائن نمبر پر کال ملائی اتفاق سے اس کی کال مامی نے ریسیو کی ان سے عجلت میں سلام دعا ہوئی وہ اپنی این جی او کی کسی میٹنگ میں شرکت کے لئے جا رہی تھیں۔

''ہونہہ...... یہ بڑے لوگوں کی سو کالڈ میٹنگز فارغ اوقات کا اچھا مصرف ہے''۔ رائمہ کے ذہن میں ایک بار پھر منفی سوچ نے سر ابھارا پھر اس نے سر جھٹکتے ہوئے گلریز سے بات کی۔

''تمہارا سیل مسلسل آف جا رہا۔ ہے خیریت؟''

''ہاں بس ایسے ہی چارج ختم ہو گیا تھا''۔ اب وہ اسے کیا بتاتا کہ اس کی باتوں سے آج دل اتنا افسردہ ہوا تھا کہ اس نے اپنا سیل ہی آف کر دیا۔

''اچھا خیر وہ دراصل مجھے تم سے سوری کہنا تھا''۔ دوسری طرف مہیب خاموشی تھی۔

''ہیلو گلریز! تم سن رہے ہونا......؟''

''ہوں ہاں کہو میں سن رہا ہوں' ویسے آج کہاں سے سورج نکل آیا بلکہ شام ڈھل چکی ہے تو یہ کہنا چاہئے کہ آج کدھر کا چاند نکلا کہ آنسہ رائمہ مجھ جیسے ناچیز سے معافی مانگ رہی ہیں''۔

''اچھا بس مزید شرمندہ کرنے کی ضرورت نہیں' میں نے ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا ہاں' تمہارے ساتھ ضرور زیادتی ہوگئی جس کے لئے سوری کہہ تو رہی ہوں''۔ گلریز کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔

''محترمہ سوری بھی ایسے رعب جما کر کر رہی ہو جیسے وہ میری ملکہ اور میں ان کا غلام ہوں''۔

گلریز کو اس سوچ پر ایک بار پھر ہنسی آگئی ویسے وہ اس کے دل کی ملکہ تو تھی ہوش سنبھالنے کے بعد رائمہ کی بدگمانی و بے رخی کے باوجود اس کے دل کے ایوان پر پوری تمکنت کے ساتھ رائمہ ہی براجمان تھی اسے بس مناسب وقت کا انتظار تھا جب رائمہ کا دل بھی اس کے لئے وہی محسوس کرتا جو وہ اس کے لئے کرتا تھا' پھر ادھر

ادھر کی چند باتوں کے بعد رائمہ نے فون بند کر دیا اب وہ اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی اتنے میں اس کی چھوٹی بہن نائمہ اسے کھانے کے لئے بلانے آ گئی اسے یاد آیا کہ دوپہر میں بھی اس نے آج کی نیوز کی ٹینشن کی وجہ سے کچھ نہیں کھایا تھا' دستر خوان پر بابا اور ماما اس کا انتظار کر رہے تھے۔

''اوہ آ گیا ہمارا شیر پتر! اور کیسے جا رہی ہے تمہاری جاب؟'' بابا نے پیار سے پوچھا۔

''ہوں' اے ون بابا! مگر بے گناہوں کے بے موت مرنے پر دل خون کے آنسو روتا ہے''۔ اس نے دکھ سے جواب دیا۔

''ہاں بیٹے دل تو ہمارا بھی دکھتا ہے بس اللہ پاک ہمارے وطن کے لوگوں پر رحم کرے اور اسے دشمن کی بد نظر سے بچائے''۔ رائمہ کے ساتھ نائمہ اور ماما نے بھی آمین کہا۔

''ویسے رائمہ بیٹے آگے کا کیا ارادہ ہے؟'' ماما کے استفسار پر اس نے بریانی کی طرف بڑھتا ہاتھ روک کر نا سمجھی سے ان کی طرف دیکھا۔

''میرا مطلب شادی ہے' اب تو تمہاری تعلیم بھی مکمل ہو گئی ہے اپنی خواہش کے مطابق جاب بھی کر لی اب ہم بھی اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں''۔

''اوہو ماما! اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ ابھی تو میرے کیریئر کا آغاز ہوا ہے' بابا آپ ہی ماما کو سمجھائیں نا''۔ رائمہ نے ماما کے تیور دیکھتے ہوئے بابا سے مدد مانگی۔

''ارے ٹھیک ہی تو کہتی ہے ہماری بیٹی ابھی سال دو سال رہنے دو''۔ بابا نے ہمیشہ کی طرح اس کی سائیڈ لی جس پر ماما کا پارہ ہائی ہو گیا۔

''کیا......؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں شیخ صاحب خاندان کی اس کی ہم عمر تمام لڑکیاں بیاہی جا چکی ہیں' کیا ان سب نے تعلیم حاصل نہیں کی مگر آپ کے بے جا لاڈ پیار نے ہی اسے شتر بے مہار بنا دیا ہے اس کے ہاتھ پیلے ہوں تو چھوٹی والی کے لئے بھی سوچوں وہ بھی اس سال گریجویشن مکمل کر لے گی''۔ نائمہ جو مزے سے کباب کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے رائمہ کی شادی کی بابت گفتگو سن رہی تھی اپنا نام لینے پر بدک گئی۔

''کیا' کیا اٹ از ناٹ فیئر ماما! بھلا یہاں میری شادی کا کیا ذکر پہلے آپی کی شادی ہو گی ویسے آپی سوچو' شادی والے دن بھی تم گلے میں کیمرہ اور ہاتھ میں مائیک لئے ہوئے اپنی شادی کی نیوز سناتے کیسے لگو گی؟'' نائمہ نے تصور کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے کہا سب اس کی بات پر مسکرانے لگے۔ رائمہ نے اس کو ایک دھپ لگائی۔

''اف اوہ آپی تم نیوز رپورٹر کم جلاد زیادہ لگتی ہو' قسم سے اتنی زور کا مارا ہے''۔

''چلو جا کر اپنی اسٹڈی مکمل کرو فائنل پیپرز ہونے والے ہیں''۔

''اوہ اوہ' تم بھی ناں خیر تیاری تو مجھے واقعی ٹیسٹ کی کرنی ہے لہٰذا اب کو شب بخیر''۔ یہ کہہ کر نائمہ نے اپنے اور رائمہ کے مشترکہ کمرے کی طرف رخ کیا' شیخ صاحب ایک پرائیویٹ بینک میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے ساری زندگی ایمانداری کے اصول کے تحت گزاری' یہی درس اپنی دونوں بیٹیوں کو بھی دیا' ان کی شریک حیات بھی ان کی طرح صابر و تابع تھی جبکہ رائمہ کا ننھیال کافی امیر تھا' خاص طور پر اس کے ماموں جمشید صاحب کا شمار شہر کے مل اونرز میں ہوتا تھا' اپنی مغرورانہ طبیعت کی وجہ سے وہ انہیں کچھ خاص پسند نہیں تھے جبکہ ان کا اکلوتا سپوت گلزار خان ان کے برعکس تھا مگر جمشید صاحب کے رویئے کی وجہ سے بعض اوقات وہ اس کے ساتھ زیادتی کر جاتی تھی' گلریز نے اس سال CSS کا امتحان پاس کیا تھا' فی الحال وہ اپنے والد کا بزنس سنبھال رہا تھا۔

☆☆☆☆

اس وقت بھی وہ نیوز سننے کے ساتھ ساتھ کسی اہم نیوز کی فائنل رپورٹ تیار کر رہی تھی جو صبح اسے پریس کے حوالے کرنا تھا' اسی وقت گلزار خان کی انٹری ہوئی۔

''ہیلو نک جڑی کزن! کیا ہو رہا ہے''۔ اسے گلریز کی بے وقت مداخلت اور طرز مخاطب پر غصہ آیا۔

''وعلیکم سلام! شاید مسلمانوں پر سلام کرنا فرض ہے اور تمہاری آنکھیں صحیح سلامت ہیں تو نظر آ ہی رہا ہوگا کہ میں کیا کر رہی ہوں''۔ نائمہ جو پاس ہی بیٹھی موبائل میں کوئی گیم کھیل رہی تھی گلریز کی درگت بنتے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

''ارے ارے محترمہ ابھی کل ہی آپ نے مجھ سے سوری کی ہے اور آج پھر مرچیں چبا رہی ہو ویسے یار نائمہ تمہاری آپی کو کھانے میں صرف مرچیں ہی کیوں پسند ہیں''۔ اب اس کا رخ نائمہ کی طرف تھا۔

''بس کیا کریں گلریز بھائی آپ کا تو کبھی کبھی واسطہ پڑتا ہے مجھ غریب کو دیکھیں ہر روز ان کے عتاب کا نشانہ بنتی ہوں''۔ نائمہ نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں اب تو رائمہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا مگر اس سے پہلے رائمہ کوئی کرارہ سا جواب دیتی وہ چائے بنانے کے بہانے باہر جانے کے لئے پر تولنے لگی۔

''چائے رہنے دو نائمہ آج میں تم دونوں کو آئسکریم کھلانے لے کر جا رہا ہوں''۔

''اوہ واؤ! یہ ہوئی نا بات، میں ماما کو بتا کر آتی ہوں''۔ نائمہ نے خوشی سے باہر کا رخ کیا۔

''اور محترمہ آپ بھی ذرا اپنا حلیہ درست کرلیں۔ لوگ کیا کہیں گے کہ گلریز خان کی کزن اور اتنی ڈل اور آدم بیزار''۔ اس نے رائمہ کی من موہنی مگر کچھ کچھ روٹھی صورت پر پیار بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا اس وقت بلو ٹراؤزر کے ساتھ پنک کرتی میں بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنائے اپنے کام میں منہمک اس رف حلئے میں بھی وہ سیدھا دل میں اتر رہی تھی۔

''میں کہیں نہیں جا رہی مسٹر گلریز خان! مجھے یہ رپورٹ آج ہی مکمل کرنی ہے آپ کی طرح میں فارغ نہیں ہوں کہ جب چاہا اپنے پاپا کا آفس چھوڑ کر ادھر ادھر موج مستی کرنے چل پڑے مجھے میرا کیریئر زیادہ عزیز ہے، آپ نائمہ کو لے جائیں''۔

گلریز کے دلی جذبات سے بے خبر وہ ایک بار پھر اس کا دل توڑ گئی تھی، گلریز نے تاسف سے اسے دیکھا وہ ہمیشہ اس کے دل کے ساتھ ایسا ہی کرتی تھی مگر دل کسی ضدی بچے کی طرح ہر بار اس کی بے رخی و بے اعتنائی پر اس کی طرف لپکتا تھا، پھر موڈ نہ ہونے کے باوجود وہ صرف نائمہ کی خاطر اسے آئسکریم کھلانے پارلر لے گیا، نائمہ اسے چھوٹی بہنوں کی طرح عزیز تھی، زندگی کی گاڑی غم اور خوشی کے پہیئے کے ساتھ آگے کی طرف رواں دواں تھی کہ ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے رائمہ کی زندگی اور سوچ کا انداز ہی بدل کر رکھ دیا۔

☆☆☆☆

کافی دنوں سے گلریز نہیں آیا تھا، ماما کئی بار اس کا پوچھ چکی تھیں خود اتنی بے رخی کے باوجود رائمہ کو اس کی عادت سی ہو گئی تھی اب ایک ہفتے کی غیر حاضری اسے بھی کھل رہی تھی اس نے کچھ سوچتے ہوئے گلریز کو کال کی۔

''خیریت اتنے دنوں سے تم آئے نہیں ماما بھی پوچھ رہی تھیں''۔

''اوہ! تو پھپھو کے پوچھنے پر فون کیا ہے، میں بھی کہوں کہ تمہیں میری پرواہ کب سے ہونے لگی؟'' آج گلریز کا لہجہ کچھ بجھا بجھا سا تھا وہ شوخی و زندہ دلی جو اس کی ذات کا حصہ تھی آج اس کے لہجے میں مفقود تھی۔

''گلریز آر یو او کے تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے''۔

گلریز کا دل اس کی اتنی توجہ پر ہی کھل اٹھا۔

''ہاں سب خیریت ہے اصل میں، میں نے آرمی جوائن کرلی ہے، کوشش تو کافی عرصے سے کر رہا تھا آج کل ٹریننگ کے سلسلے میں کاکول آیا ہوا ہوں، ابھی اتنی دور اکیلے رہا نہیں تو سب کو بہت مس کر رہا ہوں خاص طور پر تمہیں''۔ آخری بات اس نے اپنے دل میں کہی۔

''ارے...... اتنی بڑی بریکنگ نیوز تم مجھے ایسے ہی سنا رہے ہو واہ کزن تم تو چھپے رستم نکلے میں ابھی ماما بابا کو بتاتی ہوں، اللہ پاک تمہیں کامیاب کرے، گلریز۔

''اس مٹی کا ہم پر بہت قرض ہے مجھے بہت خوشی ہوئی تم نے آرمی جوائن کر کے اس مٹی کا حق ادا کر دیا ہے آئی ایم رئیلی پراوڈ آف یو''۔ رائمہ کی پرجوش آواز گلریز کے کانوں میں رس گھول رہی تھی اسے رائمہ کی آرمی سے دلی وجذباتی وابستگی کا اندازہ تھا۔

''ہوں...... مجھے خود بھی یہ فیلڈ پسند تھی تم کیا سمجھتی ہو صرف تمہارے پاس ہی حساس دل ہے' کیا تمہیں ہی اپنے وطن کے لوگوں سے محبت ہے' کیا میرا دل اپنے ملک کی بدحالی و بدامنی پر نہیں کڑھتا؟ مگر تم نے ہمیشہ میرے اخلاص کا مذاق اڑایا''۔ گلریز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''گلریز! میں تم سے اپنے پچھلے رویئے کی معافی مانگتی ہوں بس ملک کے حالات اور ہمارے ملک کے بڑے بڑے دولت مند سنگدلی کی وجہ سے میری سوچ منفی ہوگئی تھی مگر اب میرا دل بالکل صاف ہے''۔ رائمہ نے شرمندگی وندامت کے ملے جلے جذبات سے کہا' گلریز نے اسے مزید شرمندہ کرنا بہتر نہیں سمجھا اس کے لئے یہی کافی تھا کہ اب اس کا دل اس کی طرف سے صاف ہوگیا تھا۔

''ایک بات پوچھوں رائمہ! ناراض تو نہیں ہوگی؟'' گلریز نے گھمبیر مگر سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

''ارے اب تم مجھے مزید شرمندہ مت کرو کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟'' تھوڑی دیر دونوں کے درمیان ایک نامعلوم خاموشی چھائی رہی پھر گلریز کی جذبات سے بوجھل آواز ایئر پیس کے اس پار رائمہ کو گنگ کر گئی۔

''آئی لو یو رائمہ! میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے صرف تمہارا خواب دیکھا ہے یونو زندگی کی اس شاہراہ پر چلو گی میرے ہمقدم''۔ رائمہ اس کی بات پر ہنوز خاموش تھی۔

''کچھ تو بولو رائمہ! کیا ناراض ہوگئیں؟ کوئی تو امید کا جگنو تھماؤ جس کی آس میں' میں اس دیار غیر میں اپنا وقت بتا سکوں'۔

''گلریز! کزن کی حیثیت سے تم مجھے ہمیشہ پسند تھے تمہاری اچھی عادات اور اخلاق سے انکار نہیں کیا جا سکتا بس ماموں کے رویئے کی وجہ سے میں تم سے بھی بدگمان ہوگئی تھی مگر اب تمہاری اچھی سوچ اور حب الوطنی کے جذبے نے میرا دل جیت لیا ہے میں تم سے وعدہ کرتی ہوں آج سے رائمہ کی ہر سانس تمہاری امانت ہے''۔ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

''اوہو سوئیٹ ہارٹ! آج تو گلریز کو تم نے مالا مال کر دیا' اف جلدی سے ٹریننگ مکمل ہو تو گھر جا کر ماما سے اپنی شادی کی بات کرتا ہوں بابا کو تھوڑا اعتراض تو ہوگا مگر رائمہ ان کا خون ان کی سگی بھانجی ہے میری خوشی کے لئے وہ بھی مان جائیں گے''۔ یہی سب سوچتے وہ نیند کی وادی میں چلا گیا۔

☆☆☆☆

''اف...... میں گلریز کو کتنا غلط سمجھتی تھی مگر وہ تو ماموں سے بالکل مختلف نکلا میری ہر زیادتی و بدتمیزی کے باوجود بھی مجھے چاہتا رہا' کیا میں اتنی خوش نصیب ہوں کہ کوئی مجھے اتنی شدت سے چاہے اور اب اس نے آرمی جوائن کر لی بے شک یہ اس کی خواہش تھی مگر وہ جانتا تھا کہ مجھے آرمی پسند ہے تو اس نے میرے خواب کی تعبیر دی اے اللہ پاک مجھے معاف کر دینا اور اس اچھے انسان کی حفاظت کرنا جس نے وطن کی حرمت وحفاظت کی خاطر اپنے تن پر محافظ کا لباس زیب تن کیا ہے آمین''۔ جب اس نے ماما' بابا اور نائمہ کو یہ خبر سنائی تو وہ سب بھی بہت خوش ہوئے اور اس کی کامیابی کے لئے دعا گو تھے نائمہ نے تو اسی وقت فون کر کے ٹریٹ کا پکا وعدہ لیا چھ ماہ بعد گلریز کی ٹریننگ مکمل ہوگئی تھی' اسے دو ماہ کی چھٹی مل گئی تھی اس کے بعد جونیئر کیپٹن کے طور پر پشاور میں اسے باقاعدہ جوائن کرنا تھا۔

☆☆☆☆

''دیکھنا رانی گیٹ پر کون ہے؟'' مسز جمشید جو ٹی وی دیکھ رہی تھیں وہیں سے آواز دی' کچھ لمحے بعد

ایکدم ان کی آنکھوں پر کسی نے ہاتھ رکھا تو وہ چونکیں۔
''گلریز...... او مائی سن...... تم واپس آ گئے' اللہ میرے بیٹے کو نظر بد سے بچائے آرمی کے یونیفارم میں کتنے ہینڈسم لگ رہے ہو''۔ مسز جمشید نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔
''اوہ نو ماما! آپ کو ہمیشہ ہی میری آمد کا پتہ چل جاتا ہے آج بھی میرا سرپرائز خراب کر دیا''۔ گلریز نے بچوں کی طرح منہ بسورتے ہوئے کہا مسز جمشید مسکرانے لگیں۔
''ماؤں کو اپنے بچوں کے وجود کی خوشبو ان کا لمس محسوس ہو جاتا ہے''۔
''اچھا مائی سوئیٹ مام! بابا کہاں ہیں؟''
''ہوں گے اپنی کسی میٹنگ میں بزی انہیں تو تمہارے آرمی جوائن کرنے پر اعتراض تھا ابھی بھی کچھ کچھ ناراض ہیں''۔
''ارے چھوڑیں ماما! میں منا لوں گا ان کو میں نے بزنس جوائن تو کیا تھا مگر میرا کوئی انٹرسٹ ہی نہیں تھا راتوں رات بیوروکریٹ بننے میں اچھا چلیں آپ یہ بتائیں کہ کھانے میں کیا بنا ہے بڑی زوروں کی بھوک لگ رہی ہے وہاں میس کا کھانا کھا کھا کر آپ کے ہاتھ کا ذائقہ یاد آنے لگا ہے''۔
''نوٹی بوائے آرمی جوائن کر لی مگر شرارت کرنے کی عادت نہیں گئی بس میں ابھی کھانا لگاتی ہوں جب تک تم ہاتھ منہ دھو کر فریش ہو جاؤ پھر مسز جمشید کھانا لگوانے چلی گئیں اور یہ سوچ کر مسکرانے لگا کہ جب وہ رائمہ کے پاس جائے گا تو وہ اسے آرمی کے یونیفارم میں دیکھ کر کیسا محسوس کرے گی''۔ ان چھ ماہ میں رائمہ کے دل میں بھی اس کے لئے محبت کی کونپلیں پھوٹ پڑی تھیں اور ان کی فون اور اسکائپ پر بات ہوتی تھی آخر کار رائمہ کو اس کے خلوص اور سچے جذبوں پر یقین آ گیا تھا' اب زندگی کے سفر میں وہ اس کے ہمقدم ہونا چاہتی تھی اسے وہ دن یاد آ گیا جب رائمہ نے اس سے فون پر بات کرتے ہوئے انوکھی فرمائش کر دی۔
''گلریز خان! باتیں تو بڑی بڑی کرنی آتی ہیں کیا تم ابھی اتنی سخت سردی میں میرے کہنے پر ٹھنڈا ٹھنڈا یخ پانی کا جگ انڈیل کر پوری رات میس کے ٹھنڈے فرش پر کھڑے رہ سکتے ہو''۔ تو اس کی بات پر گلریز نے اعتماد سے کہا تھا۔
''ارے مادام! یہ تو کچھ بھی نہیں ہم آرمی کے لوگ تو اس سے بھی زیادہ سخت جان ہوتے ہیں''۔
''اوکے بائے! پھر میں تو سونے جا رہی ہوں تم پوری رات کھڑے رہو اگر بچ جاؤ تو صبح مجھے اپنی خیریت کی اطلاع دے دینا''۔ اور اس نے واقعی ایسا ہی کیا تھا پورا ٹھنڈا یخ پانی کا جگ انڈیل کر اپنے روم کے سامنے کھڑا تھا' اس پر جنون سوار تھا کہ اس نے رائمہ کو اس بات کا یقین دلانا ہے کہ وہ اس کی محبت میں سب کچھ کر سکتا ہے مگر بھلا ہو میجر راشد کا جو اس طرف آ نکلے اور انہوں نے جو اس کی حالت دیکھی تو حیران ہوئے بنا نہ رہ سکے انہیں اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا' ٹھنڈے پانی سے بھیگتا کپکپاتا وجود اپنے کمرے کے باہر کھلے آسمان کے نیچے کھڑا آنکھیں بند کیے' جس کے ہونٹ سردی کی زیادتی سے نیلے پڑ گئے تھے مگر جیسے اس کو پرواہ نہ تھی اور ان کے سختی سے پوچھنے پر جب اس نے اپنی حماقت کا اعتراف کیا تو انہوں نے اس کی میس کے کھلے ٹھنڈے فرش پر بیک رول اپ کی جو مشق کروائی اس نے گلریز کے چودہ طبق روشن کر دیئے اس سے بھی زیادہ شرمندگی اس وقت ہوئی جب اس کے تمام ساتھی اپنے اپنے روم کی کھڑکی سے اس کی درگت بنتے دیکھ رہے تھے نتیجتاً صبح وہ بخار اور فلو میں مبتلا تھا اس نے رائمہ کو سوں سوں کرتے سرخ ناک و چہرے کے ساتھ ساری بات بتائی تو اس کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔
''ہاؤ فنی گلریز خان! مستقبل کے جونیئر کیپٹن اور یہ حماقت ہائے کاش میں وہاں ہوتی تو تمہاری Pics لے کر زبردست سی نیوز بناتی فیس بک پر اپ

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

لوٹ کرتی ہاہاہا"۔

"بس لو ظالم حسینہ تم تو ہو ہی کٹھور تمہیں کیا معلوم ایک دیوانے کی محبت بھرے دل کا حال"۔ پھر اس نے ناراض ہو کر فون بند کر دیا مگر خود بھی ہنسنے لگا' اسی وقت رائمہ کا فکر مندی سے بھرپور ٹیکسٹ آ گیا تھا جس میں اسے میڈیسن لینے اور دوبارہ اس طرح کی حماقت سے باز رہنے کی نصیحت کی گئی تھی ابھی بھی وہ لمحات یاد کر کے اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆☆

"ارے آئی بابا لگتا ہے دروازے پر کسی فوجی اہلکار نے دھاوا بول دیا ہے"۔ نائمہ نے مسلسل دروازے پر دی جانے والی دستک پر غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کہا دروازہ کھولتے ہی خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی دروازے پر واقعی گلریز خان فوجی یونیفارم اور سر پر کیپ لگائے مسکراتے چہرے کے ساتھ جلوہ گر تھا۔

"اوہو گلریز بھائی! اف کتنے ڈیشنگ لگ رہے ہیں' ماما بابا دیکھیں ہمارے گھر واقعی ایک فوجی آیا ہے"۔ پھر ماما بابا بھی گلریز سے مل کر بہت خوش ہوئے' پھپھو نے تو باقاعدہ اس کی نظر اتاری شور کی آواز پر اپنے کمرے سے آتی رائمہ بھی اسے دیکھ کر چونک گئی آرمی کے فل یونیفارم میں اپنی پوری وجاہت کے ساتھ نائمہ سے گپ شپ لگاتے وہ اس کے دل کی دھڑکن کو ایک انوکھے جذبے سے روشناس کرا گیا تھا۔ اسے گلریز خان کی محبت پر فخر محسوس ہوا' گلریز اسے دیکھ چکا تھا فوراً اس کے پاس آیا۔

"ہیلو کزن! کیا ہوا؟ لگتا ہے لوگ ہمارے حسن و وجاہت کی تاب نہ لا کر جان سے گئے کیوں بھئی ٹھیک کہا ناں؟" گلریز نے اپنا کیپ رائمہ کو پہناتے ہوئے کہا۔

"کیا جی نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں بس یوں اچانک سامنے دیکھ کر چونکنا تو فطری بات ہے' تم نے اپنے آنے کا ذکر بھی نہیں کیا تھا"۔ رائمہ نے اپنی دلی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اسے ازلی اعتماد سے جواب دیا۔

"بس ڈیئر سرپرائز دینا چاہتا تھا ایسا نہ کرتا تو تمہارے چہرے پر کھلے محبت کے قوس قزح کے رنگ کیسے دیکھ سکتا تھا؟" گلریز نے جذبات سے مغلوب لہجے میں جواب دیا۔

"رائمہ کا دل یکبارگی دھڑکا کمبخت یہ دل بھی آج بغاوت پر اتر آیا ہے" رائمہ نے سوچا۔

"ہونہہ...... خوش فہمی ہے جناب بادولت کے رو برو بھی ملک کی عظیم اور مایہ ناز نیوز رپورٹر کھڑی ہیں جن کے پاس فضول باتوں کے لئے ٹائم نہیں"۔ رائمہ نے فرضی کالر کھڑے کرتے ہوئے دوبدو جواب دیا۔

"ہاہاہا چلو خوش فہمی ہی سہی' مگر مادام! اتنا تو یقین ہے کہ اب آپ کو بھی ہماری کمی محسوس ہوتی ہے آپ کے دل کی دھڑکن اب صرف ہمارے نام کی مالا جپتی ہے' کچھ دیر پہلے آپ کے چہرے کے رنگوں نے سب کچھ عیاں کر دیا ہے"۔ گلریز نے اسے چھیڑتے ہوئے اس کی ناک دبائی' گلابی و سیاہ' کڑھائی سے مزین شلوار کرتے میں بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی باندھے وہ اسے عام دنوں سے ہٹ کر لگی' رائمہ نے اس کی بات کا جواب دینے کے لئے اس کی طرف دیکھا مگر لہجے کے برعکس اس کی آنکھوں میں موجزن اپنے لئے محبت کے خوبصورت رنگ اور چمک دیکھ کر وہ نظریں جھکا گئی' گلریز اس کی اس ادا پر مسکرا کر رہ گیا' یہ احساس ہی خوش کن تھا جسے دل میں بسانے کی شدید خواہش تھی' آج وہ بھی اس سے آشنا تھی اس وقت نائمہ شور مچاتے ہوئے آئی جس سے ماحول میں موجود گھمبیر خاموشی میں ارتعاش پیدا ہوا۔

"گلریز بھائی! جونیئر کیپٹن صاحب آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے ناں؟ قسم سے آج تو ماما نے کھڑے مسور کی دال بنائی ہے چلیں فٹافٹ ہمیں ٹریٹ دینے میکڈونلڈ لے کر چلیں میں نے ماما کو بتا دیا ہے"۔ نائمہ نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔

''ارے ارے لڑکی تھوڑا دم تو لو کس یاد ہے گڑیا! اسی لئے میں آیا ہوں' چلو فٹافٹ تم دونوں باہر آؤ میں گاڑی میں ویٹ کررہا ہوں''۔ پھر اس دن انہوں نے ایک دوسرے کی سنگت میں خوب انجوائے کیا واپسی پر اس نے رائمہ کے منع کرنے کے باوجود رائمہ اور نائمہ کو مشہور بوتیک سے خوبصورت ڈریسز دلائے۔

''اوکے رائمہ! اب میں چلتا ہوں انشاء اللہ اب کل ملاقات ہوگی اپنا خیال رکھنا میرے لئے''۔ اس نے محبت سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔ رائمہ اس کی اتنی محبت وچاہت کی بارش میں خود کو بھیگتا محسوس کرنے لگی۔

''یا اللہ! ایسے اچھے اور شاپا محبت میں ڈوبے انسان کے سارے خواب پورے کرنا' وطن عزیز کے لئے جو اس کا دل محبت سے سرشار ہے اور میرے لئے اس کی زندگی میں جو خوبصورت رنگ ہیں ان کو اسی طرح آباد رکھنا آمین''۔

☆☆☆☆

''ہیلو رائمہ! کیسی ہو؟'' گلریز نے خوشی سے بھرپور آواز میں پوچھا۔

''ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں پھر آج تم گھر پہ آرہے ہو ناں؟ ماما بھی تمہارا پوچھ رہی تھیں ایک ہفتے سے تم نے چکر ہی نہیں لگایا''۔

''اوہو ملک کی مایہ ناز معروف ترین رپورٹر نے ہماری کمی محسوس کی زبردست کاش میں ابھی آسکتا''۔ گلریز نے ہمیشہ کی طرح اسے چھیڑا۔

''کیا مطلب کیا تم نہیں آرہے......؟'' رائمہ نے کچھ مضطرب ہوتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے تم کو یہی بتانا تھا کہ میری پوسٹنگ میں ابھی 20 دن باقی تھے مگر کچھ وجوہات کی بناء پر مجھے ایک ہفتے بعد ہی پشاور بیس میں اپنی ڈیوٹی جوائن کرنی ہے' اسی سلسلے میں آج مجھے ہیڈ کوارٹر میں اطلاع دینی ہے' انشاء اللہ جانے سے پہلے میں ضرور آؤں گا تمہارے لئے ایک سرپرائز بھی ہے''۔

''اوہو اتنی ایمرجنسی بھی کیا ہے 20 دن بعد بھی تو جوائننگ ہوسکتی ہے؟'' رائمہ نے کچھ اداسی سے کہا۔

''کم آن رائمہ! یہ تم جیسی حب الوطن فرض شناس لڑکی کہہ رہی ہے؟ یار تم تو بہت بہادر اور پریکٹیکل اپروچ رکھتی ہو تمہیں دیکھ کر ہی تو میرے اندر حوصلہ اور آگے بڑھنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے' اگر تم اس طرح جذباتی ہوگی تو کیسے میں اپنا فرض نبھا سکوں گا؟ جو مجھے پکار رہا ہے''۔ گلریز جو خود بھی اس کی جدائی پر افسردہ تھا مگر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اسے سمجھانے لگا۔

''ہوں......بس ایسے ہی دل بھر آیا' ابھی تو دل نے تمہاری سنگت کی چاہ کی تھی ابھی تو آنکھوں نے تمہاری ہمراہی میں ساتھ چلنے کے خواب دیکھے تھے اور اتنی جلدی جدائی کی بات' گلریز خان میں اعتراف کرتی ہوں کہ تم نے میرے دل کو اپنی بے لوث محبت سے اسیر کرلیا ہے اپنا خیال رکھنا گلریز' تم ہر قدم پر مجھے اپنا ہمقدم پاؤ گے اینڈ آئی لو یو آلوٹ''۔ اللہ حافظ یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا' گلریز اس کی اتنی چاہت ومحبت پر خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرنے لگا پھر اگلا دن گلریز کا بہت معروف گزرا مگر جانے سے پہلے اس کے گھر اور زندگی میں خوشی کی لہر دوڑ گئی' مامی اور ماموں باقاعدہ اس کا رشتہ لے کر آئے تھے مامی کے پرشفیق انداز پر وہ اپنی پچھلی سوچ پر شرمندہ تھی ابھی پچھلے مہینے اس نے ایک مشہور اور واقعی انسانیت کی خدمت کے لئے کوشاں ایک مشہور ویمن ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ کے حوالے سے نیوز کی کوریج کی تھی جہاں اس کی ملاقات اس آرگنائزیشن کی پریزیڈنٹ سے ہوئی جو کوئی اور نہیں بلکہ گلریز کی والدہ یعنی مسز جمشید تھیں جہاں وہ دور دراز کے پسماندہ علاقوں کی ہنر مند عورتوں کے بنائے ہوئے ڈریسز سے آنے والی آمدنی ان میں محبت وخلوص سے تقسیم کررہی تھیں اور ان کے محنت اور ہنر کی تعریف کرکے ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں ساتھ ساتھ وہ نادار اور غریب عورتوں کے مسائل بھی سن رہی تھیں رائمہ کو یہ سب دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی مامی نے بھی اس کو

دیکھ لیا تھا وہ بڑے پرخلوص انداز میں اس سے ملیں پھر ان عورتوں سے گفتگو کے دوران ان کی انسانی ہمدردی' اور مہربان شخصیت کے مثبت پہلو عیاں ہوئے تمام عورتیں ان کے حسن اخلاق کی گرویدہ تھیں نہ صرف وہ فنڈز کے ذریعے بلکہ اپنی ذاتی اکاؤنٹ میں سے بھی ان عورتوں کی مالی امداد کیا کرتی تھیں انہوں نے اخبار میں اپنی تصویر لگانے سے بھی منع کر دیا تھا اس وقت رائمہ کو ان کے بارے میں اپنے منفی خیالات پر ڈھیروں شرمندگی ہوئی' باقی رہے ماموں تو ان کی تکبرانہ عادت کو تبدیل کرنا ان کے اختیار میں نہیں تھا رائمہ کے لئے گلریز اور مامی کی محبت ہی کافی تھی۔

☆☆☆☆

رائمہ جو کافی عرصے بعد آج فراغت سے گھر پر تھی اور اپنے کمرے کی صفائی کے ساتھ ساتھ اپنا پسندیدہ سونگ سن رہی تھی کہ اچانک نائمہ کی پرجوش آواز سن کر چونکی۔

''یا اللہ خیر اب آپ کے پاس ایسی کیا اپ ڈیٹ ہے جس کو سنانے کے لئے آپ اتنی بے چین ہو رہی ہیں اور یہ تم نے کیا کیا بدتمیز لڑکی میں نے ابھی ابھی بیڈ شیٹ تبدیل کی تھی اور تم نے بیڈ کا پورا ستیاناس کر دیا''۔ نائمہ جو آتے ہی اس کے بیڈ پر گر گئی تھی جس سے ساری بیڈ شیٹ خراب ہو گئی تھی' مگر رائمہ کے غصے کی پرواہ کئے بغیر اس نے بولنا شروع کر دیا۔

''ارے ارے آپی! میرے پاس ایسی بریکنگ نیوز ہے جس کو سن کر آپ کی ساری رپورٹری دھری کی دھری رہ جائے گی''۔ رائمہ جواب شیلف میں کتابوں کی سیٹنگ کر رہی تھی اس نے ہنوز مصروف انداز میں اس سے پوچھا۔

''اچھا ایسی بھی کیا خبر ہے کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے''۔

''ہوں تو جناب دل تھام کر سنیئے پرسوں جمعۃ المبارک والے دن آپ کا نکاح گلریز بھائی سے ہے جو ان کی خواہش پر کیا جا رہا ہے ویسے آپی یہ آرمی والے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں ہر کام میں ارجنٹ اور ایمرجنسی نافذ کرنے کی عادت' اب بتاؤ صرف ایک دن کے شارٹ نوٹس پر بھلا کیا شاپنگ ہو سکتی ہے میرے پاس تو کوئی ڈھنگ کا جوڑا بھی نہیں' ارے ہاں یاد آیا مجھے ماما کے ساتھ ابھی شاپنگ کے لئے جانا ہے اف ڈریس' جیولری' ابھی بہت کچھ خریدنا ہے' سو ہم تو چلے ارے آپ اس طرح بت بنی رہیں گی کیا؟'' نائمہ نے اپنی کہہ کر اس کی طرف توجہ دی جو یہ نیوز سن کر شاکڈ رہ گئی تھی۔

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو نائمہ! مگر اتنی جلدی یہ سب؟''

''بھئی مجھے تو ان باتوں کا نہیں پتہ' بس مجھے اتنا معلوم ہے کہ کل میری پیاری آپی دلہن بنیں گی' ان کے ہاتھوں میں گلریز بھائی کے نام کی مہندی لگے گی سچ آپی مجھے اس دن کا شدت سے انتظار تھا باقی ارمان میں آپ کی رخصتی پر نکالوں گی' چلیں اب آپ بھی یہ صفائی کا کام نمٹا کر عالیہ باجی کو فون کر دیں وہ آپ کو آ کر مہندی لگا دیں گی اور کل آپ کو تیار بھی وہی کریں گی ماما ان سے بات کر چکی ہیں''۔ نائمہ نے اس کی بیسٹ فرینڈ کا نام لیا جو بیوٹیشن بھی تھی' رائمہ جواب اس شاکڈ سے باہر آ چکی تھی اور اپنے دل میں سرشاری کے جذبات محسوس کر رہی تھی پھر نائمہ تو چلی گئی اور اس نے جلدی جلدی عالیہ کو کال ملائی اب صفائی میں کہاں دل لگتا تھا گلریز کے ساتھ کا سوچ کر ہی اسے حیا کے ساتھ ساتھ خوشی بھی محسوس ہو رہی تھی' پھر اگلے دن نکاح کے خوبصورت بندھن میں بندھ کر کچھ وعدہ وعید کے ساتھ پشاور بیس اپنا فرض ادا کرنے چلا گیا' وہ روز رائمہ سے فون اور اسکائپ پر بات کرتا تھا دونوں ایک دوسرے کو اپنے دن بھر کی روداد سناتے اپنے آنے والے دنوں کی پلاننگ کرتے دونوں ایک دوسرے کی سنگت میں بہت خوش تھے ایک دوسرے سے دور ہونے کے باوجود ان کا دل ایک دوسرے سے جڑا ہوا تھا۔

☆☆☆☆

اوائل سردیوں کے دن تھے' دسمبر کی سرد راتیں ہمیشہ

سے رائمہ کو پسند تھیں آج بھی وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے روشن چمکتے چاند کو دیکھتے ہوئے گلریز کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی پچھلے سال دسمبر میں گلریز سے کیے جانے والا مذاق اور اس کی حماقت یاد کر کے اس کے لبوں پر ایک خوبصورت مسکان آ کر ٹھہر گئی۔

"کل 16 دسمبر ہے یعنی گلریز کی برتھ ڈے مجھے کوئی شاندار سا گفٹ اور بو کے کوریئر کرنا چاہئے وہ یقیناً اس سرپرائز پر خوش ہو گا کل صبح اسے وش بھی کروں گی"۔

☆☆☆☆

"سر! یہ کوریئر سے آپ کے لئے پارسل آیا ہے"۔ گلریز جو ابھی سو کر اٹھا تھا اور فریش ہو کر ناشتے کے لئے جانے والا تھا صبح ہی صبح اس پارسل پر حیران ہوا کھول کر دیکھا تو حیرانگی کی جگہ مسرت نے لے لی' گلاب کے خوشبو کی مہک کو اپنے سانسوں میں اتارتے اس نے ریپر کھول کر دیکھا تو اس میں ایک خوبصورت گولڈن ڈائل کی چمکتی رسٹ واچ تھی دل اس اہمیت و پذیرائی پر خوشی سے جھوم اٹھا' اس نے محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر پنک لفافے میں بند کارڈ کھولا جس میں سنہری حرفوں میں ایک گلاب کی پنکھڑی کے ساتھ دعائیہ الفاظ جگمگا رہے تھے۔

"یہ عرض پاک تجھ پہ ناز کرے
خدا تیری عمر دراز کرے"
دعا گو صرف تمہاری رائمہ

اس وقت اس کا سیل فون گنگنا اٹھا گلریز کو بغیر دیکھے بھی معلوم تھا کہ یہ اس کی متاع حیات کا فون ہے۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو سویٹ گلریز اللہ پاک تمہاری عمر دراز کرے اور تمہیں زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی عطا کرے آمین"۔ خوشبو میں لپٹے کاغذ میں لکھے حرف اب اس کی زبان سے پھول بن کر ادا ہو رہے تھے' جس نے گلریز خان کو معتبر کر دیا تھا۔

"اوہ سو سویٹ! یہ میری زندگی کی سب سے یادگار اور حسین برتھ ڈے ہے تم نے اس دن کو یاد رکھ کر مجھے خاص بنا دیا ہے رائمہ! یہاں بیس میں ہر وقت تمہاری یادیں میرے دل کو آباد رکھتی ہیں میں تنہا ہوتے ہوئے بھی خود کو تمہاری مسکراہٹ اور تمہاری باتوں کی خوشبو سے مہکائے رکھتا ہوں' میری صبح تمہاری خوبصورت آواز سن کر اور رات آنکھوں میں تمہارے صبیح چہرے کا عکس لے کر بسر ہوتی ہے تم خوابوں کے نگر میں ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی ہو تمہاری محبت کی بارش مجھے اندر باہر سے جل تھل کیے رہتی ہے اف رائمہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا تم اللہ کی طرف سے میرے لئے خاص تحفہ ہو"۔ گلریز کی محبت لٹاتی گھمبیر آواز نے رائمہ کو ایک پل کے لئے بے خود کر دیا۔

"ایک بات پوچھوں رائمہ!" گلریز نے کچھ توقف کے بعد پوچھا۔

"ہاں کہو! گلریز میں سر تا پا صرف تمہاری ہوں تمہیں کچھ کہنے کے لئے مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں"۔ رائمہ کی بات نے اس کا مان بڑھا دیا۔

"کل رات سے میری طبیعت میں ایک بوجھل پن اور اداسی ہے مجھے خود نہیں پتہ میں اپنی اس کیفیت کو خود نہیں سمجھ پا رہا ایسا لگتا ہے کچھ انہونی ہونے والی ہے' ابھی تم سے بات کر کے دل تھوڑا پرسکون ہوا ہے فرض کرو رائمہ! میں اپنے وطن کا قرض ادا کرتے ہوئے شہید ہو جاتا ہوں تو تم کیا میرے بغیر جی سکو گی؟" کچھ دیر کے لئے رائمہ اس کی جذبات و خدشات میں ڈوبی آواز سن کر خاموش ہو گئی۔ مگر جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں وطن کی مٹی کی مہک اور حب الوطنی کا جذبہ بول رہا تھا' جو ہر رشتے اور جذبے پر حاوی تھا۔

"گلریز! موت تو برحق ہے' ہماری یہ زندگی خدا کا انمول تحفہ مگر اس کی امانت ہے وہ جب چاہے اپنی امانت واپس لے سکتا ہے اگر کبھی ایسا ہوا تو تم اور تمہارے ساتھ میں بھی خوش نصیب ہوں گی مجھے غازی سے شہید کی بیوہ ہونے پر زیادہ فخر محسوس ہو گا' گلریز شہادت تو مومن کی معراج ہے جو اللہ پاک اپنے خاص بندوں کو نصیب کرتا

ہے اور یاد رکھنا اگر تم کبھی شہید ہوئے تو پیچھے مجھے بھی نہیں پاؤ گے انشاء اللہ زندگی کے اس عارضی سفر کے ساتھ ابدی سفر میں بھی میں تمہارے ساتھ ہوں گی' یعنی میری دعا ہے کہ اللہ مجھے بھی شہادت کے درجے پر فائز کرے''۔

گلریز اس کے ارادے اور نیت کی سچائی سے بہت متاثر ہوا ایسے رائمہ جیسی ہمسفر پر فخر محسوس ہوا' یہ ان کی آخری بات تھی' 7 بجے کے قریب دونوں نے ایک دوسرے کو الوداعی کلمات کہے اور پھر گلریز اپنی ڈیوٹی سنبھالنے چلا گیا صبح 8 بجے پشاور آرمی پبلک اسکول میں ننھے منے معصوم زندگی سے بھرپور بچے اسمبلی ہال میں کھڑے وطن کی سلامتی کا ترانہ پڑھ رہے تھے کہ ایکدم اسکول کی عمارت گولیوں کی آواز سے گونج اٹھی' ملک کے دشمن عناصر نے پشاور آرمی پبلک اسکول میں دھاوا بول دیا تھا' ہر طرف افراتفری اور خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں معصوم بچے ادھر ادھر چھپتے پھر رہے تھے مگر ظالم درندوں کو ذرا بھی رحم نہ آیا ان کی معصوم التجائیں رائیگاں گئیں ان کی اساتذہ اپنی فکر چھوڑ کر بچوں کی جانیں بچانے کی کوشش کررہے تھیں مگر حیوانیت کا لبادہ اوڑھے وحشی درندے ان کو روند کر ان کی لاش پر سے گزر کر معصوم بچوں کو گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے بچوں کے والدین اپنے اپنے لخت جگر کو ہر ایک معصوم چہرے میں تلاش کررہے تھے بہت سی مائیں اپنے معصوم پھولوں کو مرجھائے دیکھ کر غش کھا رہی تھیں ان کی حالت ابتر تھی ایک قیامت کا منظر تھا کچھ دیر پہلے جہاں زندگی مسکرا رہی تھی معصوم ننھے فرشتوں کی آواز گنگنا رہی تھی وہاں ایک جامد سناٹا اور خوف وہراس کا سایہ تھا پاک آرمی نے اس نازک موقع پر ہمیشہ کی طرح وطن کی حفاظت کے لئے اپنا فرض بخوبی نبھایا پاک فوج کے جوان لبیک کہتے ہوئے کہتے دشمن سے مقابلہ کرنے ان کے سامنے سینہ سپر ہوگئے پاک فوج کو اپنی جانوں کی پرواہ نہیں تھی بہت سے دشمن عناصر جنہوں نے پاکستان کے ان معصوم مستقبل کے معماروں کو صفحہ ہستی سے اڑا دیا تھا' مگر باقی بچوں کو بچانے کی جدوجہد میں آرمی کے بہت سے نوجوان بھی شہید ہوگئے تھے ان شہادت کا رتبہ پانے والوں میں گلریز خان بھی شامل تھا' اللہ نے اس کی آرزو پوری کردی تھی' آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس کی نظر میں اپنے تمام گھر والوں اور رائمہ کا چہرہ آخری بار آیا پھر کلمہ پڑھتے ہوئے ان کا عکس آنکھوں میں بسائے اس نے آنکھیں بند کرلیں ہر آنکھ ان بہادر جوانوں کی شہادت پر نمناک تھی تاریخ گواہ ہے پاک وطن کی طرف جب بھی دشمن نے میلی نظر سے دیکھا یا کوئی بھی مصیبت آئی اس میں ایئر فورس اور نیوی کے ساتھ ساتھ پاک آرمی نے بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے وطن کی عزت و حرمت کی حفاظت کی 1965ء کی جنگ سے لے کر کارگل تک عزیز بھٹی' راشد منہاس' سرور شہید' گل شیر خان' میجر طفیل شہید نے جس طرح اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور اپنے سینوں پر جرات و بہادری کا نشان حیدر سجایا وہ قابل تحسین ہے کیپٹن گلریز خان کو بھی دوسرے شہداء کے ساتھ پوری عزت وتکریم سے وطن عزیز کے پرچم سمیت لحد میں اتارا گیا تھا' اس موقع پر رائمہ کا دل بھی خون کے آنسو رو رہا تھا' ابھی تو اس نے گلریز خان کے ساتھ زندگی شروع کی تھی مگر اس نے جس ہمت وحوصلے سے کام لیا اور پشاور سانحہ پر جس بہادری وصبر کے ساتھ نیوز کی کوریج کی وہ واقعی قابل فخر تھی' اس نے واقعی وطن کی عظیم بیٹی اور صابر بیوی ہونے کا ثبوت دیا تھا' اس نے ثابت کردیا تھا کہ وہ قائد کے بنے پاکستان کو کبھی مایوسی وشکست کی نظر نہیں ہونے دے گی وقت کا ساغر خوشی اور غم کی لہروں کے ساتھ آگے رواں دواں تھا' رائمہ کے والدین نے بہت کوشش کی کہ اس کی شادی ہوجائے مگر اس نے یہ کہہ کر سب کو خاموش کروادیا کہ۔

''سہاگن بننے سے میرے لئے ایک حب الوطن بہادر شہید فوجی کی بیوہ کہلانا زیادہ خوش نصیبی اور فخر کی بات ہے یہ میرے لئے باعث اعزاز ہے''۔

اس کے بعد سب نے چپ سادھ لی۔ نائمہ کی شادی ہو چکی تھی وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ سعودی عرب میں خوشگوار زندگی گزار رہی تھی گلریز کے والد جمشید خان بھی اس کی شہادت پر ڈھے گئے تھے بہر حال وہ ان کا اکلوتا لخت جگر تھا مگر جاتے جاتے وہ انہیں زندگی کا اصل سبق دے گیا تھا کہ زندگی ایک بے اعتبار چیز ہے' دولت کے پیچھے بھاگنے والے ہمیشہ تنہا رہ جاتے ہیں' اب وہ اپنی آمدنی کا بہت بڑا حصہ غریبوں اور ناداروں کے فلاحی کاموں میں لگاتے تھے جس سے ان کو قلبی و روحانی سکون ملتا تھا' رائمہ بھی این جی او کے انتظام میں اکثر مسز جمشید کی مدد کرتی تھی ان کی زندگی کا محور اب انسانیت کی خدمت تھا۔

گلریز کی شہادت اس کی خواہش رائمہ کے لئے باعث فخر تھا مگر ابھی بھی سردیوں کی ویران سرد راتوں میں وہ محبت کا پیکر شدت سے یاد آتا تھا' اس کی شرارتیں' رائمہ کے لئے اس کی محبت میں شدت' وطن کے لئے قربانی کا جذبہ کچھ بھی قابل فراموش نہیں تھا گلریز کی پہلی اور آخری محبت کی نشانی گولڈ کا بریسلیٹ جو نکاح کے بعد بڑے پیار سے اس کی کلائی میں پہنایا تھا اس پر گلریز کی محبت کا لمس آج بھی محسوس کر کے رائمہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

☆☆☆☆☆

رائمہ جو پہلے ہی بہت حساس تھی گلریز کی شہادت کے بعد اپنے پروفیشن سے اور زیادہ جنونی ہو گئی اس نے جمشید خان کے تعاون سے اپنا ایک الگ چھوٹا سا پریس قائم کیا تھا نیوز رپورٹر اور ساتھ ساتھ اب وہ چیف ایڈیٹر کے فرائض بھی بخوبی انجام دے رہی تھی اور ملک کے بڑے بڑے صرف اپنی اقتدار و اختیار کے فکر میں ڈوبے سیاستدانوں اور راتوں رات غریبوں کی خون کمائی سے بنائے گئے اونچے اونچے پلازوں اور شاپنگ مال کے مالکان اور سرمایہ داروں کی پراپرٹی کا راز بڑی جرأت مندی سے کھولتی تھی اور جس کے خلاف کئی محاذ کھل گئے تھے مگر اسے اپنی جان سے زیادہ وطن کی محبت اور حرمت عزیز تھی' پاکستان جیسے سپر ایٹمی پاور رکھنے والے ملک کی جڑیں' بے ایمانی' نا اتفاقی' کرپشن' دہشت گردی' ڈرون حملوں اور رشوت خوری کے پانی نے کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا' جس کی آبیاری قائداعظم اور لاکھوں مسلمانوں نے اپنے خون کے ذریعے کی تھی اور جب دشمن پشاور سانحہ کے ذریعے ملک کے معماروں میں خوف و ہراس پھیلانے میں ناکام ہوا اور ان معصوم بچوں نے اپنے سچے عزائم اور حب الوطنی کے جذبے سے انہیں شکست دے دی تو اب ان کا ٹارگٹ ملک میں امن و انصاف کا پرچار کرنے والے وکلاء تھے کوئٹہ سانحہ پاکستان کے لئے ایک اور بڑا دھچکا تھا' مگر اس وقت بھی پاکستانی عوام کا جوش و خروش ماند نہیں پڑا تھا' کوئٹہ سانحہ میں وکلاء کے ساتھ ساتھ مختلف چینل کے نیوز رپورٹر اپنے فرض کی ادائیگی کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے جن میں رائمہ کا نام سر فہرست تھا ہر چینل سے یہی بریکنگ نیوز چل رہی تھی۔

''ملک کی جانثار بیٹی اور اپنے پروفیشن سے جنون کی حد تک محبت کرنے والی مایہ ناز نیوز رپورٹر مسز رائمہ گلریز فرض نبھاتے ہوئے شہید ہو گئیں''۔ ہر کوئی اس کی بہادری و جرأت مندی پر خراج تحسین پیش کر رہا تھا آخر کار اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا گلریز خان کے ساتھ ساتھ اس نے بھی اس پاک دھرتی کے لئے اپنی جان قربان کر دی تھی اس نے صحیح کہا تھا کہ اس عارضی زندگی میں نہ سہی مگر اس ابدی زندگی میں ہم ایک ساتھ رہیں گے اور فخر سے کہہ سکیں گے۔

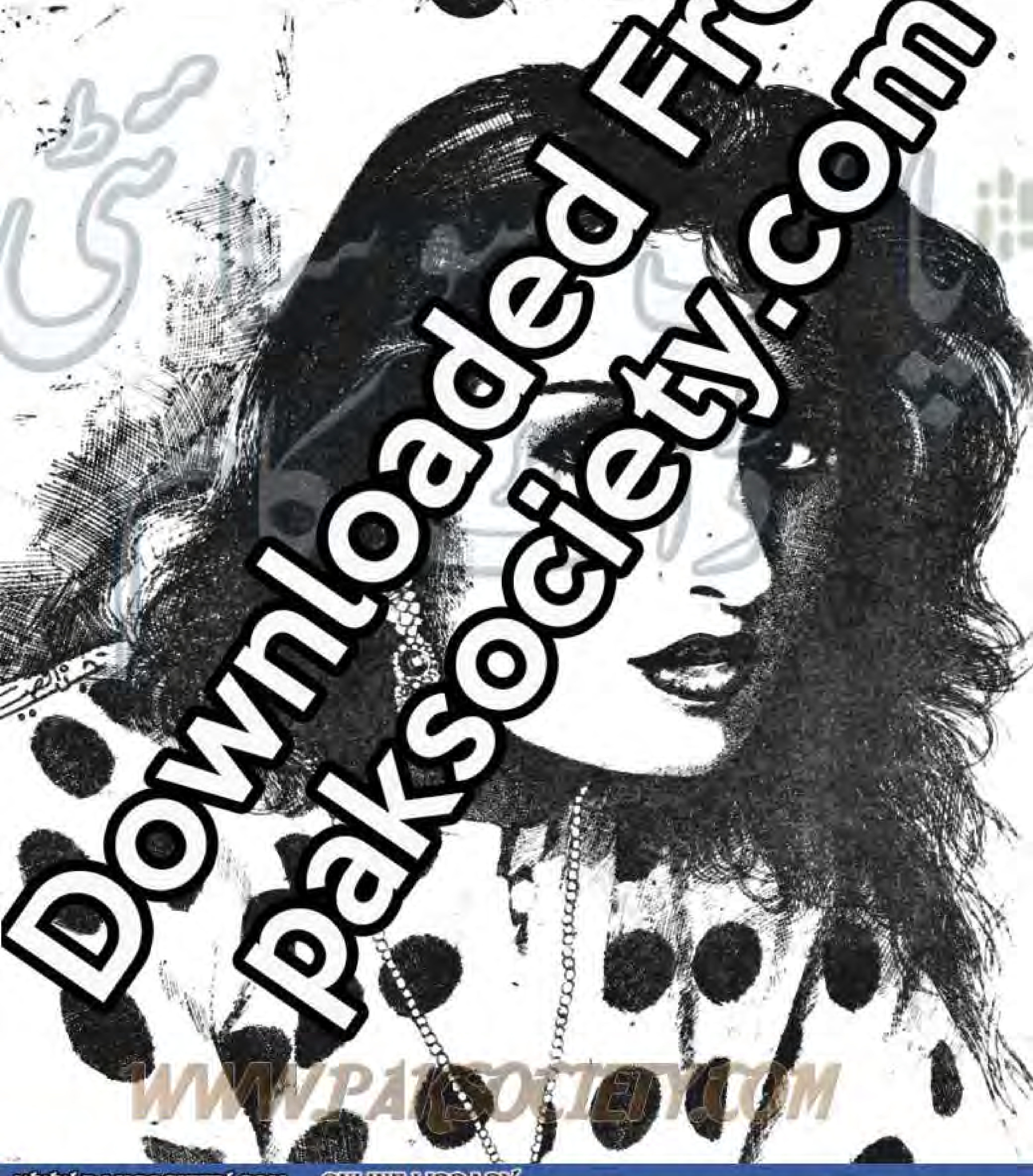
''ہم نے وطن کی مٹی کا قرض اتار دیا ہے اے آنے والی نسلوں اب تمہاری باری ہے اس وطن کی نگہبانی اور اس گلستان کی رکھوالی اب تمہارے سپرد ہے' اے میرے ہم وطنو! جان تو آنی جانی شے ہے اصل چیز وطن کی عزت و حرمت کی سلامتی اور پرچم کی سربلندی ہے''۔

☆......☆......☆

ماریہ یاسر

افسانہ

دسمبر پھر لوٹ آیا ہے



آج وہ پھر اداس تھی بے تحاشہ اداس، یوں تو وہ اس سال کے پورے 365 دن ہی بلا ناغہ اداس رہی تھی لیکن آج کی اداسی حد سے سوا تھی۔

"آج یکم دسمبر کو پورا ایک سال ہو گیا اسے مجھ سے دور گئے ہوئے۔" آنسو ایک تسلسل کے ساتھ اس کے دامن کو گیلا کرتے جا رہے تھے۔

"کیا تھا اگر وہ میری زندگی سے یوں نہ جاتا۔ اگر وہ مجھے اپنی زندگی میں شامل کر لیتا تو آج میں یوں اس کے غم میں نہ بیٹھی ہوتی۔ اس ایک سال میں "میں" نے اسے ایک ہزار بار یاد کیا ہوگا۔ کیا اسے بھی میں یاد ہوں گی یا پھر بھول گئی ہوں گی۔" وہ اپنی سوچوں میں گم خود سے سوال جواب کر رہی تھی۔ جب اچانک اس کی سوچ کا زاویہ بدلا وہ چونک کے حال میں لوٹی پھر جیسے کچھ یاد آنے پر وہ بھاگتی ہوئی کمرے میں چلی گئی اور جب لوٹ کے واپس اپنی غمگسار سیڑھیوں پر بیٹھی تو اس کے ہاتھ میں موبائل تھا۔ اس نے کانٹیکٹ لسٹ کھول کے اپنا مطلوبہ نمبر نکالا اور انگلی کی پور سے ہلکا سا دبایا۔ ایک لمحے کو اس کا دل سکڑ کے پھیلا تھا۔ آنکھوں کی نمی کو اس نے ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر خود کو بشاش محسوس کروایا۔ آخر ملائی گئی کال پر بات کرنے کے لیے اسے نئی ہمت اور توانائی کی ضرورت تھی۔ دوسری طرف پہلی بیل کے اختتام پر کال ریسیو کر لی گئی۔

"ہیلو......" منال کو ایک ہیلو کہنے میں اپنی پوری توانائی استعمال کرنی پڑی۔

"ہیلو کون بول رہا ہے اور کس سے بات کرنی ہے؟" دوسری طرف سے ایک سخت اور کھردری سی آواز نے اس کے اوسان پھر سے خطا کروانے چاہے۔

"کیا میں عاصم سے بات کر سکتی ہوں؟" اس کا دل چیخ چیخ کے کہہ رہا تھا کے مخاطب ہی اس کا عاصم ہے۔ لیکن اتنی سخت اور بے حس آواز۔

"نہیں نہیں یہ میرا عاصم نہیں ہو سکتا۔" وہ ان چند لمحوں میں بھی خود سے سوال جواب کرنے سے باز نہ آئی۔

"بول رہا ہوں آپ کون؟" دل جو چیخ چیخ کے کہہ رہا تھا وہی سچ نکلا۔ ایک پل کے لیے اس کے ہاتھ کانپ سے گئے۔

"عاصم! میں منال......" شدت جذبات سے اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

"عاصم! آج ایک سال ہو گیا ہے تمہیں مجھ سے روٹھے دیکھو میں تمہیں بھول نہیں پائی اور میں جانتی ہوں کے تم بھی مجھے یاد کرتے ہو گے۔ آج یکم دسمبر ہے۔ پچھلے سال کے اسی اداس اور منحوس مہینے میں اسی سرد دن تم نے مجھ سے سارے ناتے توڑے تھے ناں اور دیکھو آج پھر سے ویسی ہی اداسی ویسی ہی ٹھنڈ ہے۔ جیسی تب تھی۔" اس نے اپنی ساری ہمت جمع کر کے آج سب کہہ دینے کا فیصلہ کیا کیونکہ آج اس کے پاس پہلا اور آخری موقع تھا اپنی خوشی جیت جانے کا۔ اپنا جملہ مکمل کرتے ہوئے اس کی نظر اپنے پیروں پر پڑی جو جوتے کی قید سے آزاد لیکن ٹھنڈ کی شدت سے سرخ تھے۔ پھر بھی اسے سردی نہیں لگ رہی تھی۔ بس پیروں کی سرخی دیکھ کے ایک جھرجھری سی آ گئی۔

"کون منال میں کسی منال کو نہیں جانتا۔ اگر پہلے کبھی جانتا بھی ہوں گا تو اب بھول گیا ہوں اور اب دوبارہ سے جاننے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ اس لیے آئندہ مجھے فون کرنے کی زحمت مت کرنا۔" دوسری طرف سے اپنی کہہ کے فون بند کر دیا گیا۔ آنسو جنہیں اس نے بے دردی سے رگڑ رگڑ کے خشک کرنے کی کوشش کی تھی۔ دوبارہ سے جاری ہو گئے۔ اسے لگا کے وہ پھر سے اسی دوراہے پر آ کھڑی ہوئی ہے۔ جہاں ایک سال پہلے آج کے دن کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بھی ایسا ہی یخ بستہ دن تھا جب اس سنگدل نے 2 سال کے وعدوں کو بھلا کے اپنے راستے اس سے جدا کر لیے بناء وجہ بتائے بغیر اس کے کسی بھی جرم کے۔ یونیورسٹی کے اس پرہجوم

ماحول میں بھی اسے اس لیے اپنا آپ ایسا تنہا اور بے مول لگا کے کوئی حد نہ تھی۔ اس بینچ پر وہ کتنی ہی دیر اکیلی ساکت بیٹھی رہی۔ آنسو دل پر یوں گر رہے تھے گویا آج ہی سیلاب لے آئیں گے۔ وہ تو اچھا ہوا جب اس کی سکھی اس کی ہمراز ارم اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں تک پہنچی اور اس کی بکھری حالت دیکھ کے گلے لگا بیٹھی۔ تب اس کا بند بھی ٹوٹا اور وہ دل کھول کے روتی بلکہ ایک سال گزرنے کے باوجود آج تک رو رہی تھی۔ ارم کے لاکھ سمجھانے پر بھی اس کا دل اس سنگدل کے بارے میں الٹا سیدھا سوچنے پر آمادہ نہ ہوا۔

''تم مان کیوں نہیں لیتی کے وہ تم سے فلرٹ کر رہا تھا اور جب تم زیادہ سیریس ہوئیں تو اس نے راستہ بدل لیا۔ آخر تم خود کو اس فریبی کے لیے کیوں ہلکان کرتی ہو۔ تم خود کو اپنے نصیب کی خوشیوں اور سکھوں سے کیوں محروم رکھنا چاہتی ہو۔ کیوں خود کو اس چھلاوے کی خاطر تنہا کرنے پر آمادہ ہو۔ آخر تم کیوں اپنے گھر والوں کو مسلسل پریشان کر رہی ہو۔'' سہہ پہر ڈھل کے شام کی آغوش میں چھپنے لگی تھی۔ جب ارم اس کے پہلو میں آ بیٹھی۔ ٹھیک اسی دن کی طرح آج بھی اسے ارم کی ضرورت اسی شدت کے ساتھ محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے یونیورسٹی کے اس بینچ پر بیٹھے ہوئے تھی۔ وہ اس کی گود میں سر رکھے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

''ارم! دیکھو پھر سے دسمبر لوٹ آیا ہے مجھے اکیلا اور تنہا کرنے۔ میں کیا کروں میں اس کی یاد سے کب پیچھا چھڑاؤں۔ میں کیا کروں ارم میں کیا کروں کوئی طریقہ بتاؤں کے میں رونا چھوڑ دوں۔ میں رو رو کے تھک گئی ہوں۔ میں اب اور رونا نہیں چاہتی لیکن میں بے بس ہوں شاید اس ایک سال میں میری ان آنکھوں کو صرف رونے کی ہی عادت ہو گئی ہے۔ اب ہر وقت ان میں صرف نمی ہی رہتی ہے۔'' آج وہ بھی ضبط کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ جب ہی اپنے بال دونوں مٹھیوں میں بھینچے وہ اس سے مشورہ لے رہی تھی۔

''میری مانو تو تم اب عاصم نام کے خول سے باہر آ کے حقیقت کی دنیا میں جیو۔ تم اب آنٹی کو اور نہ ستاؤ اپنی زندگی کا فیصلہ انہیں کرنے دو۔ وہ تمہارے لیے اچھا ہی کریں گی۔ کیونکہ کوئی بھی ماں اپنی بیٹی کے لیے برا تو کر ہی نہیں سکتی۔ اس لیے یہ مان تم انہیں بخش دو۔'' وہ ایک بار پھر سے اسے سچے دل کے ساتھ سمجھا رہی تھی۔

''شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔ عاصم نام کی مالا جپتے جپتے میں اپنے سے وابستہ رشتوں کو پریشان کر رہی ہوں۔ لیکن اب اور نہیں پچھلے برس کے دسمبر نے مجھے جس کرب اور اذیت میں دھکیلا۔ اس دسمبر مجھے خود کو اس اذیت اور اس بے مول ڈور سے آزاد کروانا ہے اور میں یہ کر کے رہوں گی کیونکہ میرے لیے میرے اپنے پریشان رہیں یہ میں اب اور نہیں ہونے دوں گی۔'' اس نے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے ایک نئے عزم سے کہا تو ارم نے اسے خود سے لگا لیا۔ اسے یقین نہ آیا کے منال اتنی آسانی سے بات سمجھ جائے گی لیکن نہیں اتنی آسانی سے کہاں وہ سمجھی تھی۔ بلکہ ایک سیدھی سی بات سمجھنے میں بھی اسے پورا ایک سال لگا۔ پورا سال اس نے خود کو اپنے حصے کی خوشیوں سے محروم رکھا یہ کوئی معمولی قیمت تھوڑی ہی تھی۔ منال کو گلے لگائے اس نے اپنی ہی سوچ کی صحیح کی تھی جب اپنے گھروں کو لوٹتے پرندوں نے بھی شور مچا کے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ضروری تو نہیں ناں کے ہر سال کا دسمبر بھیگا بھیگا ہی ہو۔ ہر سال ہی دسمبر میں صرف جدائی کا راج ہو بلکہ یوں بھی تو ہو سکتا ہے ناں کے کبھی دسمبر لوٹ کے آئے تو اپنے ساتھ صرف خوشیوں کی بارات لائے اور غموں کے بادلوں کو ہوا کے دوش پر اڑا کے دور لے جائے دور بہت دور۔ جہاں کسی کی پہنچ نہ ہو۔ ایسے ہی جیسے منال نے اپنے غموں اور خود ساختہ دکھوں سے نجات حاصل کر کے خوشیوں کی جانب پہلا قدم بڑھایا۔ تو دسمبر نے مسکرا کے اسے خوش آمدید کہا۔

......☆......

افسانہ

دسمبر کی ایک شام میں

زندگی میں تجربات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ دادی جان اپنی زندگی کے 80 سال گزار چکی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ رشتہ طے کرتے وقت ڈائریکٹ شادی کرو، منگنی تو ہرگز، ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ خوشی کا ڈھنڈورا پیٹنے سے



نظر لگتی ہے۔ پھول مرجھا کر گر جاتے ہیں۔ خوشی میں اچانک پت جھڑ کا موسم آجاتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے شجر اور پھول مرجھا جاتے ہیں۔ کچھ نے دادی جان کی بات مانی کچھ نے نہ مانی۔ جو نہ مانے سو گھاٹا۔ عشرت جہاں کا بڑا بیٹا شہریار منصور باہر سے پڑھ کر لوٹا تھا۔ بڑی خوبرو لڑکی اسے اچانک پسند آگئی جو کام ماں بہنیں برسوں میں نہ کرسکیں ایک پل میں شاپنگ مال میں گزرتی ہوئی تو خیز کلی "عروہ" دل کو ایسا بھائی کہ عروہ نے بھی اسے پلٹ کر دیکھا تو عشرت جہاں کے چہرے پر بھی پھول کھل اٹھے۔ قریب جا کر بولیں۔

"کیا نام ہے آپ کا بیٹا؟"

"عروہ......!" تو پھول جھڑ پڑے اس کے ہونٹوں سے عشرت جہاں کی آنکھوں کے ستارے چمکے تو وہ بڑھ کر عروہ کی ماں سے بولیں۔

"آپ کی بیٹی ہے بہت پیاری۔"

"یہ سب اللہ تعالیٰ کی دین ہوتی ہے۔" عروہ کی ماں انکساری سے بولیں۔

"بہن! آپ مجھے اپنا ایڈریس دے سکتی ہیں۔" عشرت جہاں بولیں۔

"لے لیجیے بہن!" انھوں نے عروہ کو آنکھ سے



اشارہ کر دیا تھا۔
"لائیں آنٹی میں آپ کے سیل میں اپنا نمبر Save کر دیتی ہوں۔" اس نے ان کے ہاتھ سے سیل لے کر اپنا نمبر Save کر دیا اور وہ ہنس کر مڑی تو مسلسل شہریار منصور اسے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆

دوسرے ہی دن عشرت جہاں نے عروہ کی ماں کو کال کی تھی۔
"بہن! مجھے تمہاری بیٹی عروہ بہت پسند آئی ہے اور میرے ساتھ میرا بیٹا شہریار منصور تھا وہ میرا بڑا بیٹا ہے اور حال ہی میں دبئی سے واپس آیا ہے اور وہیں اس کی جاب ہے۔ NED سے وہ انجینئرنگ کر کے گیا تھا میرا نمبر آ گیا ہے آپ کے پاس، آپ میرے بیٹے کے بارے میں سوچیں اور پھر مجھے بتائیں۔ ہم لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" عشرت جہاں نے سیدھے سادے لفظوں میں اپنے من کی بات بتا دی۔
عروہ کی ماں نے بھی ہنستے ہوئے ان کو گھر آنے کی دعوت دے دی تھی۔ آنا جانا شروع ہوا، پھر درمیان میں بہت ساری ملاقاتیں شروع ہوئیں۔ عروہ اور شہریار ہر روز ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ کبھی کافی کبھی ڈنر کبھی شاپنگ کبھی کہیں کبھی کہیں۔ لیکن دادی جان کو اس بات پر اعتراض تھا۔ وہ عروہ کی ماں کو سمجھاتی رہتیں۔
"دیکھو صبا! یہ بالکل اچھا نہیں ہے کہ وہ شادی سے پہلے ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے ہیں، پردہ رہے تو اچھا ہوتا ہے ایک دوسرے کے جتنے قریب آئیں گے اتنی ایک دوسرے کی باتیں کھلیں گی۔"
"اماں! آج کل دوسرا دور ہے، اچھا ہے انڈر اسٹینڈنگ ہو گی۔ ایک دوسرے کو یہ سمجھیں گے۔"
"سمجھتے سمجھتے پھر ایک دوسرے کے سارے بھید کھلیں گے تم کیسے ہو اور ہم کیسے ہیں؟" دادی جان اختلافی لہجے میں بولیں۔
"اماں آپ بات کیوں نہیں سمجھتیں، اکیلا لڑکا ہے دبئی میں رہتا ہے، ساس، نند کا کوئی چکر نہیں ہو گا بس عروہ ہو گی۔ آپ سمجھیں ناں ہماری بھی مجبوری۔ فہد اور جنید کو اسی کے ذریعے دبئی نکال سکوں گی۔ یہ تو اللہ نے بیٹھے بٹھائے ایک چانس دیا ہے۔" دانش مندی کے سارے گر وہ اماں کو بتا رہی تھیں۔
"صبا! قبل از وقت یہ باتیں صحیح نہیں ہیں۔ عروہ کے دماغ میں یہ باتیں تم نے ڈال دی ناں تو وہی فلمیں چلیں گی اس کے دماغ میں۔" اماں اپنے تجربے کی بنیاد پر کہا۔
"اماں! چھوڑیں اب سب چلتا ہے اسی بہانے فہد، شہریار کی ساری معلومات بھی لے لے گا، بہت ویل آف لگتا ہے کون آتا ہے یوں بار بار۔ وہ تین بار آ چکا ہے ان مہینوں میں، اس بار تو میں کہہ رہی ہوں کہ کوئی چھوٹی سی رسم کر لیں وہ لوگ انگوٹھی پہنا جائیں عروہ کو۔" صبا مسکرا کر بولیں تو دادی جان خوفزدہ ہو کر بولیں۔
"نہ......نہ ایسا مت کرنا۔ یہ گھر کی خوشی کی بات ہے۔ ساری دنیا کو خبر ہو جاتی ہے کچھ اچھے تو کچھ بدخواہ بھی ہوتے ہیں۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ کسی کے کان میں بھنک بھی نہ جائے بس بات کر کے بیٹھی رہو۔ ہم نے سعدیہ کی بار بڑے دھوکے کھائے ہیں ایک منگنی کی تھی پورے زمانے کو خبر ہو گئی۔ جو بھی رشتہ آیا جاتا تو پہلے بتایا جاتا کہ بھائی اس کی ایک منگنی ٹوٹ چکی ہے۔ منگنی ہوئی ایک نکاح کی طرح ٹھپہ لگ گیا میری بیٹی پر۔ سعدیہ تو سوکھ کر کانٹا ہوئی جا رہی تھی، ہماری بھی نیندیں اڑ گئیں۔ آج تک سعدیہ کو طعنہ ملتا ہے۔ اللہ جانے کیا ہوا تھا جو تمہاری منگنی ٹوٹی۔ دو بچوں کے باوجود ابھی تک صادق میاں یاد دلاتے رہتے ہیں۔ یہ زہر کا پیالہ میں نے پیا ہے۔ یہ نصیحت ہر لڑکی والے گرہ میں باندھ لیں باہر کیا خاندان والوں کو بھی رشتے کی بھنک نہ دو۔ میرا نے بھی یہی کیا میں سمجھاتی رہی کہ چپ کر جا اس کا رشتہ آیا ہے تو اس بات کو دبا کر بیٹھ۔ نہیں جی نہیں، بڑے بھائی ہیں۔ انہیں تو بتانا پڑے گا۔ ورنہ برا مان جائیں گے۔ لڑکا

حدیث نہ مانے تو مسلمان کہاں سے ہوا۔" سمیرا نے بات ختم کردی۔

"بھلا بتاؤ ان کی سگی بہن پوچھنے بیٹھ گئی، دو سال بات رہی آنا جانا بھی ہوا ہوگا عیدی بھی آئی ہوگی۔ وہ لوگ چپ ہو کر بیٹھ گئے۔"

سمیرا بولیں۔ "کیسی بات کرتی ہو بہن کون سا ہم نے رسم کی تھی جو وہ یہاں پر تحفے لے کر آتے۔"

مگر وہ پھر بھی بولیں۔ "پھر بھی دو سال منگنی رہی وہ تحفے تحائف تو لاتے ہوں گے۔"

اپنی سگی بہن کی یہ بات سن کر سمیرا کا دل پھٹ سا گیا لیکن یہ بات دادی جان کے مشاہدے میں آچکی تھی۔ تبھی وہ تلقین کرتی رہتی تھیں کہ بیٹیوں کے نصیب جوڑتے وقت چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال کرو۔ گھر کے اندر جاؤ بیٹھو اگر گھر میں بہو ہے تو اس سے ملو جلو اگر بہو نہیں ہے تو داماد سے ملو۔

لیکن سنتا کس نے تھا دادی جان بولتی رہیں اور عروہ ہوا میں اڑتی رہی۔ آج یہاں تو کل وہاں۔ شہریار کے ساتھ گھومتی وہ دو دو بجے رات کو گھر آتی۔ آنے والے دنوں کی پلاننگ عروہ اور شہریار کرتے۔ شہریار اس کی ہر بات مانتا، صبا بڑا خوش تھیں کہ بڑا اچھا لڑکا پھانس لیا ہے اور ان کے گھر کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔

پھر شہریار ایک ہفتہ رہ کر واپس دبئی دلا گیا۔

عروہ ہر وقت اس سے کانٹیکٹ میں رہتی فیس بک، واٹس اپ، ٹوئٹر پر۔ صبا کو کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ بے حد خوش تھیں کہ عروہ کی اتنی انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی کہ وہ ہر بات شہریار سے ڈسکس کرتی۔ "اب میں شاپنگ کر رہی ہوں، ساری کراکری خرید رہی ہوں، میں نے دیوار کی پینٹنگ لی ہیں۔ میں ڈرائنگ روم سجاؤں گی بیڈ روم میں ایسا رکھوں گی، سنا ہے وہاں چیزیں بہت مہنگی ہیں۔ اب آپ بیڈ روم کے ونڈو کا سائز بتا دیں تاکہ میں پردے سلوالوں۔"

"یہ سب مت کرو۔" شہریار اسے منع کرتا لیکن وہ شہریار کی ایک نہ سنتی۔

"ولیمہ آپ کسی فائیو اسٹار میں کیجیے گا سب ہماری فرینڈز آئیں گی تاکہ سب کو پتا تو چلے کہ میری شادی کہاں ہو رہی ہے۔"

"دیکھو! میں کہہ رہا ہوں میں شادی بہت سادگی سے کروں گا میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی آپ اس ہفتے آرہے ہیں ناں تو میرے لیے ڈائمنڈ کی رنگ لے کر آئیے گا۔" وہ لاڈ سے بولی۔

کچھ عرصے بعد شہریار جب پاکستان آیا تو وہ ڈائمنڈ کی اچھی خاصی مہنگی رنگ لے کر آیا۔

☆......☆

"دیکھو صبا! اگر وہ رنگ پہنانا چاہتا ہے تو وہ لوگ سادگی سے آجائیں کوئی دھوم دھام نہیں ہو۔ سادگی سے ہو سب کچھ۔"

"نہیں دادی جان! میں نے تو اس سے کہہ دیا ہے کہ ٹھیک ٹھاک لوگ آئیں گے ہمارے ہاں۔ میں دنیا کو دکھاؤں گی کہ رنگ اور رسم ایسی ہوتی ہے۔" عروہ دادی کو دیکھ کر ہنسی اور کمرے میں چلی گئی۔

"صبا! ایسا مت کرو وہ بڑے لوگ ہیں ہم غریب ہیں اور بیٹی والے ہیں۔ ہمیں قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہے۔ صبا تم عروہ کی باتوں میں مت آؤ خود فیصلہ کرو۔ عروہ جو کرتی پھر رہی ہے سب غلط ہے۔"

"اماں! یہ باتیں نہ کریں۔ دل میں ہول آتے ہیں اللہ نہ کرے اسے کسی کی نظر لگے۔"

"اسی لیے تو کہتی ہوں عروہ زیادہ نہ اچھلے نظر لگتی ہے۔"

پھر خوب دھوم دھام سے عروہ شہریار کی منگنی بھی ہو گئی۔ عروہ کی ساری خالہ، ممانی لوگوں نے شہریار کے ساتھ تصویریں بنوائیں سارے زمانے پر خبر ہوگئی۔ فیس بک، واٹس اپ، ٹوئٹر پر عروہ نے اپنی منگنی کی تصویریں لگادی تھیں۔

شہریار واپس چلا گیا مگر وہ بے حد ایک دوسرے کے قریب تھے۔ منٹ منٹ پر ہر بات کی خبر، صبا نے دیکھا کہ وہ عروہ کی ہر بات مان رہا ہے تو اس نے بھی سوچا کہ بہتی ہوئی گنگا میں، میں بھی ہاتھ دھولوں۔

''عروہ! شہریار سے بول کہ وہ فہد کا ویزا اور ٹکٹ بھیجے وہاں سے۔''

''یہ تو کوئی بات ہی نہیں، میں فوراً شہریار سے بات کرتی ہوں کہ شہریار اپنی کمپنی کے نام پر فوراً فہد کا ویزا نکلوا دے گا بس کہنے کی دیر ہے۔''

''تمہاری دادی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔'' صبا نے دانش مندی سے کام لیا تھا۔ شہریار کی بات کے دوران ہی ایک لمبی فہرست عروہ نے بیان کردی۔

''شہریار! مہندی کا پیکیج دو لاکھ کا تو ہوتا ہے وہ تو تم کروگے۔''

''دیکھو عروہ! تم نہیں سمجھ رہی ہو تمہاری توقعات کچھ زیادہ ہوتی جارہی ہیں۔''

''تو یہ کون سی بڑی بات ہے تم فہد بھائی کا ویزا اور ٹکٹ اسی ہفتے بھیجو، ورنہ میں تمہاری رنگ اتار دوں گی۔'' ویزے اور ٹکٹ کی بات اتنی بڑھ گئی کہ عروہ ضد پر آگئی اور شہریار انکار کرتا رہا۔

ایک دن شہریار ماں کو فون کررہا تھا۔

''اماں! اس کی توقعات بہت زیادہ ہیں، کبھی کہتی ہے کہ ولیمہ اور مہندی شاندار ہوگا۔ گولڈ اور ڈائمنڈ جیولری چاہیے، ابھی شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔ وہ کہتی ہے فہد کا ٹکٹ اور ویزا بھیجو۔ میں کہاں سے بھیجوں۔ میں تو خود شیئر کرکے روم میں رہ رہا ہوں۔ میرا تو کام ہی ایسا ہے کہ مجھے بار بار پاکستان آنا اور جانا پڑتا ہے۔ وہ سمجھتی ہے میں بہت لگژری اپارٹمنٹ میں رہ رہا ہوں۔ آفس کی گاڑی میری ملکیت ہے۔ اب ویزا دو اس بات پر میری اس سے ٹھیک ٹھاک بحث ہوگئی۔ ہر روز نئی بات، میں نے تو عروہ سے ختم کردی، اماں کوئی اور لڑکی دیکھ لیں جو سیدھی سادھی ہو اور جو پاکستان میں آپ کے ساتھ رہے۔'' عشرت جہاں نے اپنا سر پکڑ لیا۔

☆......☆

صبا چپ چپ گھر میں گھوم رہی تھیں۔ عروہ روم بند کیے بیٹھی تھی پورے ماحول میں اضمحلال طاری تھا۔

''اماں! ٹھیک ٹھاک بدنامی ہوگئی سب کو خبر تھی کہ ہم نے عروہ کی منگنی کردی ہے۔ اب کیا ہوگا۔''

''کہا تو تھا بیٹا! کہ اتنا شور مت مچاؤ لیکن تم نے میری نہ سنی، جگ ہنسائی ہوگئی میری عروہ کی۔ وہی سعدیہ والا حال ہوگا میرا بیٹا چپ چپ گھوم رہا ہے۔''

''اماں! چپ رہیں عروہ کا برا حال ہے۔''

''میں تو چپ ہوگئی ہوں صبا! مجھے معلوم تھا۔'' دادی جان اداس لہجے میں بولیں تو عروہ کمرے سے نکل کر آگئی تو وہ بولی۔

''آپ یہی چاہتی تھیں ناں وہی ہوگیا، جو سوچو، ہی ہوتا ہے۔''

''ارے ارے عروہ۔'' دادی اسے بلاتی رہیں مگر وہ کمرے میں چلی گئی۔ کوئی کسی کے لیے نہیں رکتا۔

چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ شہریار کو پھر ایک لڑکی ٹکرا گئی ایئر پورٹ سے نکلتے ہوئے۔ اس کے حسن کی وجہ اس کے لمبے اور گھنے بال تھے جس کا شہریار ایک نظر میں اسیر ہوگیا۔ پھر چٹ منگنی پٹ بیاہ والی بات ہوگئی۔

شہریار، مہوش کے بالوں کو چھو کر بول رہا تھا۔

''پہلی چیز جس نے مجھے اٹریکٹ کیا وہ تمہارے یہ لمبے گھنے بال تھے۔'' اس نے جھک کر بالوں کی خوشبو کو محسوس کیا۔

''واؤ! کیا خوشبو ہے کون سا شیمپو ہے، کیا جادو ہے تمہارے بالوں میں۔ جس نے ایک جھلک میں شہریار منصور کو تمہارا اسیر کردیا۔''

''واقعی میں شہریار! تمہیں اس خوشبو اور میرے بالوں نے اسیر کیا ہے؟'' ''یہ لائف بوائے شیمپو'' کا کمال ہے جس نے تمہیں میرا اسیر کردیا۔'' واقعی اس وقت مہوش کے خوشبو سے مہکتے بال شہریار کو بے خود کررہے تھے۔ مہوش نے شرما کر اپنے بالوں کو سمیٹ لیا۔

☆......

افسانہ

دسمبر کی بارش اور وصلِ شب

نومبر کا مہینہ جان لیوا موسم، دل ویران، چہرہ پریشان تنہائی ایش ٹرے میں بکھرے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑے، بکھرے بال، آف موبائل اور ان گنت شکنوں سے بھری پیشانی......! یہ میں تھا۔ ارہد یزدانی



اور میرے کمرے میں بکھری ہوئی چیزوں کے ساتھ میری شخصیت بھی بکھری سی تھی۔ میری ہر بات اور ہر خواہش پر لبیک کہنے والی میری ماں نے میری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ میری مرضی کے بغیر ہی کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ میری خواہش کے بارے میں بہت اچھی طرح جانتی تھی اور اس بارے میں میری کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔

ہانیہ میری خواہش تھی میں نے اسے کئی بار خوابوں میں اپنا ہم قدم دیکھا تھا۔ میری اس کے ساتھ کمٹمنٹ تھی مگر امی نے اپنی کسی دوست کی بیٹی سے میری بات پکی کر کے شادی کی تاریخ بھی طے کر دی اور ہانیہ مجھ سے سخت خفا ہو گئی تھی۔ وہ بڑی بھابی کی فرسٹ کزن تھی۔ گھر میں آتے جاتے ہم دونوں کی بہت انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی مگر وہ امی کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ بھیا اور بھابی کے دبئی سیٹل ہونے کے بعد میں اس سے باہر ملتا تھا مگر اماں نے ایک جھٹکے سے میرے سارے خواب چکنا چور کر دیئے تھے۔

☆......☆

شادی سے پہلے میں نے بہت کوشش کی کہ میرا



اس لڑکی سے رابطہ ہو جائے مگر افسوس کوئی موقع نہ مل سکا۔ نکاح کے ٹائم جب میرا گھر اس لڑکی کے نام لکھا گیا تو میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ شادی کے بعد بھی میرا ارادہ اسے بھگانے کا تھا۔ اپنے برے سلوک سے اسے ہراساں کر کے گھر سے نکلنے پر مجبور کرنا تھا مگر افسوس...... یہاں بھی والدہ محترمہ اپنی چال چل گئیں میرا دماغ مزید منصوبے بنانے لگا۔ سوچتے سوچتے اور ہانیہ کو مناتے مناتے شادی کا دن آپہنچا اور میں گدھا......! سوری دولہا بن کے اپنی دلہن لے آیا۔ پھر میں جان بوجھ کر کمرے میں دیر سے آیا۔ کیونکہ مجھے حقیقی معنوں میں اپنی دلہن سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ خیر حجلہ عروسی میں داخل ہوتے ہی میری نظر دلہن بیگم پر پڑی۔ جو گھونگٹ الٹائے اپنے پرس سے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ آہٹ پر سر اٹھایا۔ جلدی جلدی چیزیں پرس میں ڈالیں اور پھر سے گھونگٹ ڈال کے بیٹھ گئی۔ میرے لیے یہ ساری سچویشن بہت دلچسپ تھی مگر اس وقت میں انجوائے منٹ کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لیے بیڈ پر اس کے برابر بیٹھ کر بادل ناخواستہ میں نے اس کا گھونگٹ اٹھایا کہ اپنی بات اس تک پہنچا سکوں۔ پہلی نظر سرسری تھی دوسری نظر بے ساختہ تھی۔ وہ خوب صورت اور معصومیت کی شاندار مثال تھی۔

"ہیلو!"

"بولیے۔" پٹ سے آنکھیں کھلیں اور جھٹ سے جواب آیا۔

"آپ کو یہ سن کے شاک لگے گا کہ میں کسی اور لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

"اور آپ کو بھی یہ سن کر شاک لگے گا کہ میں بھی کسی اور لڑکے سے شادی کرنا چاہتی تھی۔"

"کیا مطلب؟" میں بے اختیار اچھلا۔

"پھر تم نے اپنے والدین سے کیوں نہیں کہا؟"

"آپ نے اپنی امی سے کیوں نہیں کہا۔" دو بدو جواب آیا۔

"وہ میری بات سننے کو تیار نہیں تھیں۔"

"میرے ساتھ بھی یہ ہی مسئلہ تھا۔"

"ویسے کون تھا؟" میں نے کریدا۔

"چائے والا۔" بڑی اداسی سے جواب آیا بے اختیار ایک قہقہہ میرے منہ سے نکلا۔ خاصی دلچسپ لڑکی تھی۔

"سنو! تم میری زندگی سے چلی جاؤ تو پھر تمہیں وہ چائے والا مل جائے گا۔" میں نے تجویز دی۔

"سچ" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن ایک مسئلہ ہے۔" وہ یکدم چپ سی ہوگئی۔

"وہ کیا؟"

"یہ گھر تو میرے نام ہے پھر آپ کدھر جائیں گے۔" تب مجھے جھٹکا لگا۔ لڑکی بے وقوف نہیں تھی۔ مجھے بتا رہی تھی۔

"ویسے مسٹر ہزبینڈ ہر مسئلہ ایک بار کے مذاکرات سے حل نہیں ہوتا۔ آپ کے مسئلے کا بھی کوئی حل نکالتے ہیں۔ ویسے پاکستان کے مسائل کئی سالوں کے مذاکرات سے بھی حل نہیں ہوتے۔ بس فکر مت کرو۔ زونیرہ کسی مسئلے کو لمبا نہیں لٹکاتی چٹکیوں میں حل کر دیتی ہے مگر اس وقت تو مجھے فریش ہونا ہے۔" اس نے اپنے بھاری بھر کم لباس کی طرف اشارہ کیا۔

"اور اپنی کچھ پیٹ پوجا کرنی ہے۔ میں نے پرس میں چاکلیٹ رکھی تھی۔" اور مجھے اس کے پرس ٹٹولنے کی وجہ سمجھ میں آئی تو ایک بار پھر ہنسی آگئی۔

"لڑکی ٹیڑھی ہے خیر ادھر بھی کم نہیں ہے۔" اب غصے سے نہیں نرمی سے کام نکلوانا تھا۔ ہلکا پھلکا ڈریس پہن کر دھلے چہرے کے ساتھ وہ واش روم سے برآمد ہوئی۔ سادگی میں وہ اور بھی آفت ڈھا رہی تھی۔ میں نے جلدی سے آنکھیں بند کرلیں۔

"سنیں۔" اس کی آواز پر میں نے اسے دیکھا۔

"پلیز اس جوڑے سے پنیں نکالنے میں میری مدد کریں۔ آخر میں بھی تو آپ کی مدد کروں گی۔ آپ کی خواہش پوری کرنے میں۔ ظالموں نے اتنی پنیں ٹھونکی ہیں۔ جیسے میرا سر نہیں کوئی لکڑی کا ڈبہ ہے۔"

میں نے اس کی مدد کی حقیقت میں بے تحاشہ پنیں تھیں اور وجہ تھے اس کے انتہائی لمبے بال جو گھٹنوں سے بھی نیچے تھے۔ میں نے آج تک اتنے لمبے بال نہیں دیکھے تھے۔ وہ مکمل حسن کا پیکر تھی۔ بالوں کو لاپروائی سے بل دیتے ہوئے وہ فریج کی طرف گئی۔ فروٹ اور مٹھائی لے کے واپس بیڈ پر آ گئی۔ میں آنکھوں پر ہاتھ رکھے اس کی بغور کاروائی دیکھ رہا تھا۔ وہ دھان پان سی لڑکی منٹوں سیکنڈوں میں پلیٹ صاف کر چکی تھی۔

"میرے رب تیرا لاکھ شکر بس مجھے ہر اس نظر سے بچانا جو خفیہ مجھ پر نظر رکھے ہو۔" اس کی دعا سے میں گڑبڑا گیا۔ دو تکیے درمیان میں رکھ کے وہ سو گئی اور کچھ دیر کے بعد اس عجیب وغریب لڑکی نما بیوی کے بارے میں سوچتا ہوا نیند کی گہرائیوں میں چلا گیا۔

☆......☆

ویسے پر میری دلہن کو دیکھ کے ہانیہ مزید ڈسٹرب ہو گئی۔ لگ بھی تو پری رہی تھی۔ خود میری نظریں اس کے چہرے پر بار بار پھسل رہی تھیں۔ ہانیہ میں تو میری جان بند تھی۔ میں اسے ناراض نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر حالات کے پیش نظر اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ مارے باندھے فنکشن ختم کرنے کا انتظار کرنے لگا۔ رات گئے ریسپشن ختم ہوا۔ ہانیہ کے نمبر پر ٹرائی کیا بند آ رہا تھا۔ اس کا معاملہ صبح پر چھوڑ کر روم میں آ گیا۔ دلہن صاحبہ نہا دھو کے کولڈ کریم چہرے اور ہاتھوں پر لگا رہی تھی۔ بلیک کاٹن کے سوٹ میں سفید معدے جیسی رنگت لیے اور بالوں کی آبشار لاپروائی سے ایک طرف ڈالے وہ کسی کا ایمان بھی ڈگمگا سکتی تھی اور پھر میں تو اس کا شوہر تھا اور وہ میری شرعی بیوی۔

"زیادہ گھورنے کی ضرورت نہیں یہ کولڈ کریم میں ماں کے گھر سے لائی ہوں۔ تمہاری طرف سے نہیں ہے۔" میری نظروں کے مفہوم کی بڑے مزے سے وضاحت دی گئی۔

"خیر سمیٹو یہ سب اور ہٹو بیڈ سے میں اکیلا سونے کا عادی ہوں۔"

"اچھا ہانیہ کے آنے کے بعد بھی۔" استہزائیہ لہجے میں پوچھا گیا مگر میں نے تکیہ اور چادر نیچے کارپٹ پر پھینکی اور اشارہ کیا وہ شرافت سے اتر کے کارپٹ پر لیٹ گئی۔ میں سکھ کا سانس لیتا بیڈ پر لیٹ گیا۔ ساری لائٹ آف تھیں۔ ایک گھنٹے بعد اس کے چیخنے پر میں ہڑبڑا کے اٹھا۔ جلدی سے سائیڈ ٹیبل کا لیمپ جلایا۔

"محترمہ! اب کیا مصیبت ہے؟" میں نے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا جو پاؤں ہاتھ میں تھامے روئے جا رہی تھی۔ میں اٹھ کے اس کے پاس آیا۔

"آخر میری ماں کی چہیتی تھی شکایت بھی لگا سکتی ہے۔" پاؤں پر چھوٹا سا کٹ تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔

"مجھے چوہے نے کاٹا ہے۔" زور وشور سے رونے کے درمیان بتایا گیا۔

"مگر میرے کمرے میں تو چوہے نہیں ہیں۔"

"میں جہیز میں نہیں لائی۔" رونے کے باوجود زبان چل رہی تھی۔

"اچھا چلو بیڈ پر آ جاؤ۔" میں نے تھکے انداز میں کہا۔ تو وہ بیڈ پر آ کے بیٹھ گئی۔

"مجھے اس زخم پر مرہم بھی لگا دیں اور کوئی الرجی کی ٹیبلٹ بھی دے دیں اور رونے کی وجہ سے میری کتنی "Energy" ضائع ہوئی ہے۔ کچھ کھانے کو

بھی دیں۔" میں نے ایک نظر کلاک اور کھا جانے والی نظر سے اسے دیکھا جو اپنا فرمائشی مینو سنا کے میرا Cell چیک کر رہی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔"

"میں تو صرف ارشد خان کو دیکھنا چاہ رہی تھی کہ اچھے اچھے خواب آئیں کنجوس انسان۔" میں نے موبائل ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور اس کا حکم بجا لانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"صرف جوس۔" وہ ٹھٹکی۔

"اب اسی پر گزارا کرو۔ تم فریج میں کچھ چھوڑتی ہو۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ نیند سے آنکھیں بے حال تھیں۔

"میرے کھانے پر نظر مت رکھا کریں اللہ تعالیٰ نے اس لیے تو ہمیں نعمتیں دی ہیں کہ جی بھر کے فیض اٹھائیں۔ نہ کہ صرف سونگھو۔" اس نے مجھے چڑایا تو میں نے شریف شوہروں کی طرح ہتھیار ڈال دیے۔ لیمپ آف کر کے لیٹ گیا۔

"سنیں! تھوڑا کمبل مجھے دیں۔ شاید زخم سے مجھے بخار ہو گیا ہے۔"

"سانپ نے نہیں کاٹا۔" میں بڑبڑایا اور کمبل کا کچھ حصہ اسے دے کے میں کروٹ بدل کے سو گیا۔ صبح میری آنکھ کھلی تو محترمہ نہیں تھی۔ سکھ کا سانس لے کے نہا دھو کے باہر آیا تو وہ اماں کے ساتھ مل کر زار و قطار رو رہی تھی۔ گھبراہٹ سے میری حالت پتلی ہو گئی۔ تصور میں اماں کے ہاتھوں اپنی درگت دیکھ رہا تھا۔

"ادھر آؤ ارہد!" اماں نے سپاٹ لہجے میں پکارا۔ تو دل ہی دل میں ڈرتے ہوئے میں ان کے پاس آیا۔

"شاید محترمہ نے میری ساری باتیں اماں کو بتا دیں تھیں۔"

"چلو تسلی دو دلہن کو۔ میں تم لوگوں کے لیے ناشتہ لگواتی ہوں۔"

"کیا ہوا کیوں رو رہی ہو؟"

"اس بے چاری کا بھولو فوت ہو گیا ہے۔" اماں نے اٹھتے ہوئے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اوہ..... پتہ نہیں مرحوم کا اس سے کیا رشتہ تھا۔ آج کا سارا دن تجہیز و تدفین میں لگے گا۔ ہانیہ سے ملاقات پھر نہیں ہو پائے گی۔" مجھے اپنی فکر لگ گئی۔

"تم ناشتہ کر لو پھر چلتے ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

سوں سوں کرتی وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔ ناشتہ بھی اس نے برائے نام کیا اور ان ہی کپڑوں میں ہی جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اماں مہمانوں کی وجہ سے رک گئی تھیں۔

"تمہاری امی کے گھر چلنا ہے۔" میں نے اس سے پوچھا اور جواب ہاں میں پا کر گاڑی کا رخ سسرال کی طرف کر دیا۔

"عمر کتنی تھی مرحوم کی۔"

"یہی کوئی تین مہینے۔" آنکھیں پھر سے بھر گئیں۔

"خیر اللہ تعالیٰ کی امانت تھی اس نے لے لی۔"

"کہنا آسان ہے سہنا مشکل۔" بھرائی آواز میں جواب آیا۔ میں نے ٹشو پیپر اس کی طرف بڑھائے شاید اس کا بھتیجا تھا اور اس کو بہت پیارا تھا۔

"چلو میں بھی حاضری لگا کے ہانیہ سے ملنے چلا جاؤں گا۔ یہ محترمہ تو شاید دو تین دن رہے۔" دماغ میں خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے میں نے عین اس کے گھر کے سامنے گاڑی روکی۔ مجھ سے پہلے وہ جلدی سے اتر کے چلی گئی۔ ذہن میں تعزیتی الفاظ ترتیب دیتا میں گھر کے اندر آیا تو وہ بھابی سے مل کے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ میں نے میت اور مزید لوگ تلاش کرنے چاہے مگر جائے وقوعہ کہیں نظر نہ آئی۔

"ارے ارہد بیٹا! آؤ آؤ۔" یہ مشفقانہ آواز میری

سانس کی تھی۔ میں نے جلدی سے سلام جھاڑا۔ وہ مجھے لے کے ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔

''میں نے کہا بھی تھا کہ اس جھلی کو مت بتاؤ۔ ہنگامہ مچادے گی مگر ان لوگوں کے پیٹ میں بات کہاں ٹھہرتی ہے۔''

''کیا مطلب۔''میں نے الجھ کے اسے دیکھا۔

''بیٹا زونی نے تین مہینے پہلے مرغی انڈوں پر بٹھائی تھی۔ اس میں سے ایک ہی چوزا نکلا۔ جس کا نام اس نے بھولو رکھا۔ وہ اسے اپنے پاس ہی رکھتی مگر برا ہو بلی کا کہ ہمارا دھیان نہیں تھا اور کل وہ اسے کھا گئی۔'' پتہ نہیں B.P ہائی ہوا تھا یا Low مگر پسینہ میرے پورے جسم سے پھوٹ نکلا تھا۔

یہ پاگلوں کی ملکہ میرے نصیب میں لکھی تھی۔ چائے پی کے میں غصے سے باہر آگیا۔ رش ڈرائیونگ کے دوران مجھے رہ رہ کے امی پر غصہ آرہا تھا۔ ہانیہ سے ملنے کا ارادہ ترک کر کے میں اپنے دوست سیفی سے اس کے آفس ملنے چلا آیا۔

''ارے یہ تو کیا منہ اٹھا کے چلا آیا۔ جا گھر میں بیوی کو کمپنی دے۔ نئی نئی شادی ہوئی ہے تمہاری۔ پھر تو وہی زندگی کے دھندے شروع ہو جائیں گے۔'' اس نے مجھے لتاڑا۔ تو مجھے غصہ آگیا۔ میں نے جلتے بھنتے اسے قصہ سنایا۔ تو اس کی ہنسی کے فوارے پھوٹ پڑے۔ خود مجھے بھی ہنسی آرہی تھی۔

''مرحوم کی عمر کیا تھی؟'' سیفی نے میری نقل اتاری۔

''واہ واہ ارحد یزدانی نیشنل بینک میں منیجر کی پوسٹ اور موصوف بیوی کے ہاتھوں الو بن گئے۔'' اب کے اس کی ہنسی میں میری کھسیانی ہنسی بھی شامل تھی۔ ہانیہ سے فون کر کے اس نے معافی تلافی کی اور جلد ہی اسے اپنانے کا وعدہ کر کے میں گویا ہلکا پھلکا ہو گیا۔

شام کو گھر آیا تو وہ اماں کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی اور زور و شور سے باتیں جاری تھیں۔

اماں کے پیار پر قبضہ۔ میری جان جل گئی۔ میں پاس آیا۔

''اماں! چائے تو بنوادیں۔ سر میں درد ہے۔''

''میں بنا دیتی ہوں اماں اور میں بھی پی لوں گی۔'' وہ چھلانگ لگا کر اٹھی اور کچن میں چلی گئی۔ میں نے اماں کی گود میں سر رکھا اور صبح والا واقعہ سنایا۔ ہم دونوں ماں بیٹے کی ہنسی پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ رات کو سونے کے لیے لیٹے۔

''سنو!'' اس نے آہستگی سے پکارا۔

''بولو۔''

''آپ کے مسئلے کا حل میں نے سوچ لیا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' میں مکمل اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میری ہر حس گویا سماعت بن گئی۔

''آپ اماں کے سامنے مجھ سے زیادہ پیار جتائیں زیادہ خیال رکھیں کہ اماں مطمئن ہو جائیں کچھ دنوں کے بعد تو اماں بڑے بھیا اور بھابی کے پاس دبئی چلی جائیں گی۔ تو میں جھگڑے کا بہانہ کر کے گھر چلی جاؤں گی اور خلع لے لوں گی۔'' اس نے بڑے سکون سے کہا میں نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا مگر وہ ہر فکر سے پاک تھا۔ میں نے سر کو جنبش دے کر اس کی بات مان لی۔

☆......☆

صبح ناشتے کی میز پر میں اماں کے ساتھ اسے بھی ہر چیز سرو کر رہا تھا۔ آفس جانے سے پہلے میں نے اسے آواز دی کے مجھے ٹائی باندھ دو۔ کمرے میں آ کر اس نے ٹائی باندھی میرا سارا سامان دیا اور گیٹ تک آئی۔ تخت پر بیٹھی اماں کا پر سکون چہرہ دیکھ کے میرا دل خوش ہو گیا۔

''واپسی پر میرے لیے گجرے اور گول گپے بھی لانا۔'' فرمائش سنائی گئی۔ میں سنی ان سنی کرتا بغیر خدا حافظ کہے پورچ کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆

آفس سے واپسی پر میں ہانیہ سے ملنے چلا گیا۔ پارک میں بینچ پر بیٹھے میں اس کے ہاتھ تھامے اسے اپنی محبت کا بھرپور احساس دلا رہا تھا۔

''وہ ٹھیک ہے ارہد! مگر تمہاری بیوی بہت حسین ہے اور حسن کے آگے تو بڑے بڑے سورما پاؤں ٹیک دیتے ہیں۔''

''مگر میرے لیے تمہارے علاوہ دنیا میں کوئی حسین نہیں ہے۔ میری محبت اور میری چاہت تو تم ہی ہو۔'' مجھے آج اپنا لہجہ اور الفاظ دونوں کھوکھلے لگ رہے تھے۔ تبھی تو ہانیہ کو بھی کھٹکا لگ گیا تھا۔ خیر ریسٹورنٹ میں چائے پی کے میں نے ہانیہ کو ڈراپ کیا اور گھر آگیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی مجھے محترمہ کی فرمائش یاد آئی مگر کوئی بہانہ سوچتا اندر آیا۔ مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر اس نے بے اختیار منہ پھلایا اور ساتھ اماں سے شکایت بھی لگادی۔

''اماں میں نے پہلی بار ان سے کوئی فرمائش کی وہ بھی انہوں نے پوری نہیں کی۔''

''ارہد! ابھی بہو کو لے جاؤ اور اسے جو چاہیے دلا دو۔''

''مگر اماں! تھکا ہوا آیا ہوں کل لے جاؤں گا۔'' میں نے احتجاج کیا مگر امی نے ایک نہ سنی اور مجبوراً مجھے اسے لے جانا پڑا۔ گول گپے کی ریڑھی کے پاس میں نے گاڑی روکی۔ شام کا وقت خنکی کے باعث رش کم تھا۔

''میں ادھر کھڑے ہو کے کھاؤں گی۔'' کہہ کر گاڑی سے اتر آئی۔ میں نے گول گپے کی پلیٹ کا آرڈر کیا۔

''بھائی کھٹا زیادہ ڈالنا۔'' اس کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی گول گپے کی پلیٹ منٹوں میں چٹ کر گئی۔ تین پلیٹ کے بعد میں نے اور لینے سے انکار کر دیا۔ اس کی آنکھوں اور ناک سے پانی بہہ رہا تھا۔

''بس آخری آپ بھی میرے ساتھ شیئر کریں۔'' چوتھی پلیٹ پر اسے میرا دھیان آیا تھا۔ میں نے بمشکل دو کھائے۔ کڑوے اور کھٹے سے تو میں ویسے ہی پرہیز کرتا تھا۔ مگر وہ جن کی اولاد ساری پلیٹ ہڑپ کر گئی اس کے اصرار پر میں نے گول گپے پیک کروائے اور گھر کی راہ لی۔ راستے میں اس کو گجرے دلائے۔ وہ سرخ ناک اور سرخ چہرے کے ساتھ گجروں کی خوشبو سے لطف اندوز ہوتی رہی اور میں اس کو خوش دیکھ کے خوش سا تھا۔ چہرے پر جھوٹی نہیں سادہ چہرہ خود اپنی خوب صورتی سے بے نیاز میری پاگل سی بیوی خود میں مگن تھی۔

☆......☆

آفس سے واپسی پر اچانک میرے سر میں سخت درد تھا۔ تو میں سیدھا گھر آگیا۔ ہانیہ کزن کی شادی اٹینڈ کرنے اسلام آباد گئی تھی۔ وہ مجھے پندرہ دن دے گئی تھی۔ گھر میں اماں بھی نہیں تھیں۔ زنیرہ پڑوس والوں کی تین سالہ بچی کے ساتھ گپ شپ لگا رہی تھی۔ مجھے دیکھ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اماں کدھر ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''وہ آپی کے گھر گئی ہیں (میری بڑی بہن) صبح آئیں گی۔''

''صبح مجھ سے تو ذکر نہیں کیا۔ سنو ایک کپ چائے بنا دو۔'' میں نے بڑبڑاتے ہوئے اسے حکم صادر کیا اور لان میں ہی بیٹھ گیا۔ وہ بچی بغور مجھے دیکھ رہی تھی۔

''انکل آپ کے سر میں درد ہے۔'' مجھے کنپٹی دباتے ہوئے دیکھ کے اس نے سوال پوچھا۔

''ہاں۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''لایئے میں دم کردوں۔'' وہ بے تکلفی سے میرا سر دبانے لگی اور کچھ پڑھ کے پھونک رہی تھی۔

''کیا پڑھ رہے ہو بیٹا۔''

''میں اللہ اللہ پڑھ رہی ہوں۔ اس سے بندہ

ٹھیک ہو جاتا ہے۔'' چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے وہ میرا سر دبا رہی تھی۔ ایک عجیب سا احساس میرے اندر جاگا۔ اسی اثناء میں زنیرہ چائے کے ساتھ اسنیکس اور ٹیبلٹ بھی لے آئی۔ ٹیبلٹ لے کے میں روم میں آرام کی غرض سے چلا گیا۔ کچھ وقت کے بعد کسی نے مجھے جگایا۔ میں نے آنکھیں کھولیں۔

''کھانا کھالیں۔ بھوکے پیٹ سونا اچھی بات نہیں ہے۔'' وہ زنیرہ تھی اور اماں کی پرتو لگ رہی تھی۔ میں ہاتھ دھو کے آیا تو وہ کھانا ٹرے میں رکھ کے روم میں لے آئی۔ میں نے نوالہ توڑا۔

''تم نے کھایا۔''

''جی۔'' جواب مختصر تھا۔ میں نے تھوڑا سا کھانا کھا کے ٹرے اس کی طرف بڑھائی تو مجھے اس کے دائیں ہاتھ پر پٹی نظر آئی۔

''یہ کیا ہے۔'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''وہ بے دھیانی میں میرا ہاتھ جل گیا تھا۔''

''اور تم نے کھانا بھی نہیں کھایا ہے ناں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور لقمے بنا کے اس کے منہ میں ڈالنے شروع کیے۔ اس کے کھانا کھانے کے بعد میں جا کے ٹرے کچن میں رکھ آیا اور پٹی ہٹا کے جلے ہوئے حصے پر برنال لگایا۔

''ویسے میں نے کل رات خواب میں دیکھا تھا کہ چائے والا میرے منہ میں لقمے دے رہا ہے۔'' اس نے مزے سے اپنا خواب سنایا۔

''اب کے تم نے چائے والے کا نام لیا تو منہ توڑ دوں گا تمہارا۔''

''اور آپ نے بھی ہانیہ کے کسی sms کا جواب دیا تو میں آپ کا موبائل توڑ دوں گی۔'' دھمکی دے کر اس نے کروٹ بدلی۔ تو مجھے اس کی بے دھیانی کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ گویا ہانیہ سے جیلس ہے یک گونہ خوشی محسوس ہوئی۔

☆......☆

دوسرے دن اماں آگئیں۔ تو وہ اماں سے ایسے لپٹی جیسے اس کی سگی ماں ہو۔

''بس اماں! میں آپ کو کہیں جانے نہیں دوں گی۔''

''مگر بیٹی تین دن بعد میری دبئی کی فلائٹ ہے۔ میں کچھ عرصہ سرمد اور بچوں کے ساتھ گزاروں گی پھر عمرہ کر کے واپس آجاؤں گی تب تک تم مجھے ایک پیارا سا پوتا دے دو گی۔'' اماں نے پیار سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا تو وہ بری طرح شرما گئی۔

''جو کچھ تمہیں چاہیے مجھے بتا دینا۔''

''اماں مدینہ میں وہاں آب زم زم میں دھلے کفن ملتے ہیں۔ میرے لیے وہ لے کے آنا۔'' اس کی انوکھی خواہش پر جہاں اماں تڑپی وہیں میرے ہاتھ سے بھی گلاس ٹوٹ کے چکنا چور ہو گیا اور دل کی کیفیت تو مت پوچھو تین دن اس نے اماں کی خدمت کی خود میرے آگے پیچھے بھی گھومتی رہی۔ سارے گھر کا کام بہت خوش اسلوبی سے سنبھالا تھا۔ اماں اس سے بہت خوش تھیں۔ جاتے جاتے اسے بہت ساری دعائیں اور مجھے بہت ساری نصیحتیں کر کے گئی تھیں۔ بہر حال اب بس میں آزاد تھا مگر اس گھڑی اور اس ساعت کا انتظار کرنے کے باوجود میرے دل و دماغ پر عجیب سا بوجھ تھا۔

☆......☆

اماں کو ایئر پورٹ چھوڑ کے میں بلا مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔ موبائل بھی آف تھا اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ سال کا آخری مہینہ چل رہا تھا۔ خزاں رسیدہ پتے ویران درخت، گہری خاموشی، فضا میں ٹھنڈ اور گرد و غبار اداسی کو مزید بڑھا رہا تھا۔ بے مقصد آوارہ گردی کے بعد میں لوٹ کر گھر آیا۔ میں جیسے گھر میں داخل ہوا زنیرہ بھاگتی ہوئی آئی اور میرے گلے لگ گئی۔

''کدھر تھے آپ۔ یہاں پاس ہی شدید

فائرنگ ہوئی ہے۔ دو گروپوں کے مابین دونوں گروپوں کے ارکان شدید تھی ہیں۔ میں بہت ڈر رہی تھی۔ آپ کا نمبر بھی بند آرہا تھا اور شام کو اکیلے میں بہت ڈرتی ہوں۔'' وہ اتنے قریب تھی کے سکون میری روح میں اتر گیا تھا۔ کچھ دیر میں خود اسے بانہوں میں لیے کھڑا رہا۔ کچھ ٹائم کے بعد وہ الگ ہوئی تو شرمندہ سی تھی۔ جھکی جھکی نظروں سے وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے خوف کی وجہ سے میں اب جلدی آجاتا۔ کبھی سر دبواتا کبھی تیل ڈلواتا۔ کبھی اچھے کھانوں کی فرمائش وہ خوشی سے پورا کرتی۔ اماں سے بھی اسکائپ پر روز بات ہوتی۔ ہانیہ کو میں فراموش کر چکا تھا مگر ایک دن آفس سے واپسی پر میں نے اس کا پیک سامان دیکھا تو چونکا۔

''میں کل صبح گھر چلی جاؤں گی۔'' اس نے نم لہجے میں کہا۔ تو خوشی کے بجائے عجیب وغریب احساس نے جگہ لے لی۔ میں الٹے قدموں گاڑی لے کے باہر نکلا۔ راستے میں ہانیہ کی کال آئی۔ میں نے اس سے بات کی اور فون بند کر دیا۔ کچھ ٹائم میں آسمان کو بادلوں نے گھیرا۔ گھٹا برسنے کے لیے تیار تھی۔ ہر طرف گھور اندھیرا چھا رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا۔

''میں ارہد یزدانی ہینڈسم، گڈلکنگ، تعلیم یافتہ، اچھی پوسٹ، اپنا گھر، بینک بیلنس، گاڑی کیا میں زنیرا کو کسی طرح بھی متاثر نہ کر سکا۔ وہ اپنی حیثیت اور حق کے لیے لڑی کیوں نہیں۔ اتنی آسانی سے میدان چھوڑ کے بھاگ رہی ہے۔'' موٹی موٹی بوندوں نے دھرتی کا رخ کیا تو مجھے اس پاگل سی لڑکی کی یاد ستائی۔ گھر واپسی پر وہ ویسے ہی لان میں بیٹھی تھی۔ روئی روئی بھیگی بھیگی مگر آج وہ پاس نہیں آئی۔ رات کا کھانا دونوں نے برائے نام کھایا۔ ایک دکھ بھری خاموشی نے دونوں کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ رات کو سوتے وقت دونوں نے ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کیا۔ جانے کب سوچتے سوچتے ہم نیند کی آغوش میں جا سوئے۔ رات کے کسی پہر گھٹی گھٹی چیخوں سے ارہد کی آنکھ کھلی۔ زنیرہ نیند میں ڈر رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اسے بیدار کیا۔ تو وہ اس سے لپٹ گئی ارہد نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

''اف خواب میں، میں نے ہمیشہ کے لیے آپ کو خود سے بچھڑتے دیکھا۔ اللہ نہ کرے آپ کو میری بھی عمر لگ جائے۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی۔

''اللہ نہ کرے تمہاری عمر تمہارے پاس رہے کے تمہارے بعد میں کیا کروں گا۔'' میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ باہر بارش ٹوٹ کے برس رہی تھی اور اندر ہم دونوں کے دل ایک دوسرے کی چاہت سے سرشار تھے۔

''ہانیہ۔'' اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔

''میں نے اسے سمجھا دیا ہے کے میں ایک پاگل سی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو گیا ہوں اور چائے والا۔'' میں نے سرگوشی کی۔

''آپ سے پیارا اور ہینڈسم نہیں ہے۔'' بے اختیار میں نے قہقہہ لگایا۔

''میں نے رات کو کھانا نہیں کھایا۔ مجھے سخت بھوک لگی ہے مجھے کچھ کھانا ہے۔'' اس نے منہ بسورا۔

''سوری جان ہم آل ریڈی وقت ضائع کر چکے ہیں اور سونے کی ضرورت نہیں کیونکہ سونے تو تمہیں نہیں دوں گا۔ آخر ہمیں اگلے سال خیر سے امی کو ایک پوتا بھی تو دینا ہے۔'' میں نے اسے گرفت میں لے کے اس کے چہرے کو خراج تحسین پیش کیا۔ پہلی مرتبہ شرما کے اس نے میرے سینے میں چہرہ چھپا لیا اور میری دیوانگی بارش سے مقابلہ کرنے لگی۔

☆......☆......☆



آسیہ مظہر چوہدری

افسانہ

دو نمبر

میں آج چھٹی سے پہلے ہی آفس سے نکل آئی تھی کیونکہ مجھے آج کسی عزیز کی شادی پہ جانا تھا آفس سے واپسی پر ہی میں نے گاڑی کا رخ مارکیٹ کی جانب موڑ لیا' کیونکہ میرا ارادہ تھا اب گفٹ لے کر ایک ہی دفعہ گھر جایا جائے خیر میں نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی اور مطلوبہ اسٹور میں داخل ہوگئی جہاں ضرورت زندگی کی ہر اشیاء میسر تھیں۔ میں گفٹ سیکشن کی جانب بڑھ گئی اور گفٹ دیکھنے لگی مجھ سے پہلے وہاں دو خواتین موجود تھیں شاید وہ بھی گفٹ وغیرہ دیکھ رہی تھیں میں شوکیس میں سجے مختلف قسم کے کرسٹل پر نظر دوڑائی جائزہ لینے لگی کہ کیا پسند کروں اچانک ہی میری نظر ایک باکس پر پڑی جو کہ ایک کرسٹل پیس تھا' اور دل کی شیپ کا بنا ہوا تھا' شاندار بناوٹ کی وجہ سے وہ مجھے بہت منفرد لگا میں نے اسے او کے کر کے اٹھایا اور وہاں سے نکلنے لگی' ابھی میں نے اپنا پہلا قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ اچانک ان دونوں خواتین میں سے ایک کی آواز نے مجھے روک لیا میں فوراً پلٹی تھی۔

"بہن آپ یہ کرسٹل پیس نہ خریدیں' میڈ ان پاکستان ہے اور آپ کو پتا ہی ہوگا پاکستان کی چیزیں ناپائیدار ہوتی ہیں آپ یہ نہ خریدیں دو نمبر ہے"۔ وہ فر فر بول رہی تھی اور میں آنکھیں پھاڑے ٹکر ٹکر اسے تکے جا رہی تھی۔

"جی یہ کر رہی ہیں آپ ویسے ہی اپنے پیسے برباد کر رہی ہیں اس سے آگے ایک اور مارکیٹ ہے وہاں فارن ورائٹی ہے آپ وہاں جائیں ہم بھی وہیں جا رہی ہیں"۔ وہ دونوں یہ کہہ کر اپنا راستہ ناپ چکی تھیں جبکہ میرے دماغ میں تو یکدم تیز تیز آندھیاں چلنے لگی تھیں' میں نے فوراً گفٹ پیک کروایا اور تیزی سے مارکیٹ سے باہر نکل آئی تھی۔

☆☆☆☆

میں شہلا نواز خان ایک پرائیویٹ نیوز چینل پر بطور صحافی فرائض سرانجام دے رہی تھی' اپنے ملک کی خاطر کام کرنا ہمیشہ سے ہی میرے اولین خوابوں میں سے ایک خواب رہا تھا' پاکستان کے دفاع کے لئے میں جیسا بھی مشکل ترین کام کیوں نہ ہوتا کرتی اور میں سوچتی ہوں پاکستان کے ہر باسی کو ایسا ہی ہونا چاہئے اپنے ملک سے محبت کرنا اس کی عزت کرنا ہم سب پر لازم ہے کل جو حادثہ ہوا میں اسے حادثہ ہی کہوں گی مجھ جیسی محب وطن کے لئے ایک بہت بڑا دھچکا تھا' اصل میں دیکھا جاتا تو بات کچھ بھی نہ تھی' مگر میرے لئے بہت کچھ تھی' مجھے ہمیشہ یہی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور افسوس اس سے بڑھ کر ہوتا ہے کہ ہمارے پاکستان میں رہنے والے لوگ پاکستان کی ہی برائیاں کرتے نظر آتے ہیں جو نقص نہ بھی ہو وہ بھی ڈھونڈ نکالا جاتا ہے سب ممالک میں پاکستان واحد ایسا ملک ہوگا جس کے اپنے لوگ ہی اسے تار تار کرتے نظر آئیں گے میں حیرت زدہ ہوتی ہوں کہ اپنے گھر سے ہی بیر رکھا جاتا ہے کیا۔

☆☆☆☆

شہلا دوسرے دن آفس آئی تو کافی اداس دکھائی دی تھی اس کی ساتھی راحیلہ نے وجہ پوچھی تو وہ اسے کل

کی روداد سنانے لگی راحیلہ یہ سن کر ہنسنے لگی تھی۔
''اوکم آن شہلا! اتنی چھوٹی سی بات پر اداس ہو رہی ہو''۔
''یہ تمہارے لئے چھوٹی بات ہے میرے لئے ہرگز نہیں''۔ شہلا جواباً بولی تھی۔
''شہلا ہمارے ملک کے لوگ ایسے ہی ہیں سونے کے ڈھیر کو چھوڑ کر گند کے ڈھیر سے سونا ڈھونڈنے والے' بہت ہی معمولی واقعہ ہے تم جانتی ہو اس سے بڑے بڑے واقعات اس ملک میں رونما ہوتے ہیں''۔ راحیلہ کی صاف گوئی پر شہلا نے سر ہلایا تھا۔
''بات پھر وہیں کی وہیں آ جاتی ہے کہ قصور ہمارے ملک کا نہیں ہمارے ملک کے لوگوں کا ہے دو نمبر چیزیں اپنے ملک کے لئے خود منتخب کرتے ہیں اور پھر خود ہی الزام دیتے ہیں یہ تو کھلا تضاد ہے مگر ہمیں سب کرتے کہتے وقت یہ اندازہ نہیں رہتا کہ یہ سب باتیں ہمارے ملک کو ہی نقصان پہنچا رہی ہیں ہمیں ہی ڈی گریٹ کر رہی ہیں مگر ہم خود ہنستے ہنستے یہ سب نقصان اپنے گلے سے لگا لیتے ہیں' شہلا ہم لوگوں کی ذہنیت' نفسیات نہیں بدل سکتے ہمارے لوگ فارن کنٹریز کے لئے اتنے کانشس ہو چکے ہیں وہ پاکستان کو اپنی دھرتی ماں کو ان لوگوں کے سامنے تار تار کرنے سے بھی نہیں شرمائیں گے یہ کوئی کمپیوٹر پروگرام یا سوفٹ ویئر نہیں ہے جو بدلا جا سکے یہ ذہن اور نفسیات کی گندگی ہے جو کوئی دوسرا انہیں ختم کر سکتا بشرط جب تک اپنے آپ کو خود ہی اس سے نہ نکالا جائے''۔ راحیلہ کی سچائی زدہ باتیں شہلا کی آنکھیں نم کر گئی تھیں۔

☆☆☆☆

کہتے ہیں ملک کی خاطر مال یا جان کی قربانی دینے تک دریغ نہیں کرنا چاہئے یہ بات سو فیصد درست ہے لیکن اس سب سے پہلے ملک کو عزت و احترام اور مان کی ضرورت ہوتی ہے وہ عزت وہ مان جو اس ملک کے رہنے والے باشندے اس ملک کو دیتے ہیں مگر ہم لوگ دعوے تو اتنے بڑے بڑے کرتے ہیں پر عمل ندارد۔
ہم اپنے ملک سے محبت بھی اپنے مطلب کی خاطر مفاد کی خاطر کرتے ہیں جہاں مطلب مفاد پورا ہوا وہاں' ہم اپنی اوقات دکھا دیتے ہیں پر اصل میں ہم یہ سب نہیں جانتے کانٹوں بھری خار دار منزل ہی ہمارا مقصد ٹھہرتی ہے۔ شہلا آج راحیلہ کے ساتھ شاپنگ کرنے بازار آئی تھی سردیوں کی آمد آمد تھی اس لئے موسم کی مناسبت سے کپڑے خریدنے کا ارادہ تھا وہ دونوں ''آئیڈیاز'' میں ابھی داخل ہوئی تھیں کہ شہلا کو اس دن والی دونوں خواتین نظر آ گئیں اس نے راحیلہ کو اشارہ کیا تھا۔
''چلو آج میں بھی ان سے ملاقات کرتی ہوں''۔ راحیلہ یہ کہتی شہلا کے پیچھے ہو لی۔
''السلام علیکم! ارے آپ......'' شہلا نے سلام کرنے کے بعد حیرت کا مظاہرہ کیا تھا۔
''اوہ...... میں آپ......؟'' پہلی والی بولی۔
''جی ٹھیک شاپنگ کر رہی ہیں کیا''۔ شہلا نے پوچھا۔
''ہوں...... یہاں ورائٹی کافی اچھی ہے''۔
''جی پر Ideas تو میڈ ان پاکستان ہے تو پھر آپ یہاں کیسے''۔ شہلا فخراً مسکرائی تھی۔
''جی وہ......''۔ وہ دونوں یکدم گڑبڑائیں۔
''آپ کو Puma Addaise Nick کی شاپس پر جانا چاہئے آپ کو تو فارن کنٹری کی ورائٹی پسند ہے پاکستان کی ٹیگ والی چیزیں تو ناپائیدار ہوتی ہیں''۔ شہلا نے کہا تو وہ دونوں سر جھکا کر رہ گئی تھیں۔
شہلا واپس پلٹی تھی پھر اچانک رک گئی۔
''ہمارے پاکستان کی چیزیں دو نمبر نہیں ہم لوگوں کی سوچ دو نمبر ہے''۔ شہلا یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی جہاں راحیلہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ آج اس کا دل مطمئن سا ہو گیا تھا کیونکہ آج اس نے پاکستان کے دفاع کے لئے اپنا حصہ پیش کیا تھا۔ پاکستان کی عزت' حرمت مان پر آنچ نہ آنے دینا ہی تو پاکستان کے دفاع میں شامل ہے۔

☆☆......☆......☆☆

سلسلے وار ناول

دیدۂ عبرت نگاہ

روبینہ کے کہنے پر اس نے سر اثبات میں ہلا کر تخت پر پھیلے کپڑوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کیا تھا۔
"ریڈی میڈ لے لیتیں یا کسی ٹیلر سے بنوا لیتیں، اب تو ہر جگہ اچھے سے اچھا ٹیلر مل جاتا ہے، اتنے پیسے کس لئے



دیئے ہیں کہ تم لوگ خود کو نہ تھکاؤ' مگر تم لوگ رہو گی وہی کنویں کے مینڈک"۔ وہ خفا ہو کر بولا۔ تینوں خواتین اس کی محبت و فکر پر خوش ہو کر مسکرائیں تھیں۔

"کر لی ناں تم نے اپنی سی' اس معصوم اور شریف بچی کے سر خود کو مسلط کر ہی لیا' اللہ کی آہ سے ڈرو اکبر' کتنا منع کیا تھا مگر تم میری مانتے ہی کب ہو' سب کان کھول کر سن لو' اس گھر میں کوئی بارات نہیں اترے گی' میں ایسی زبردستی کی شادی نہیں ہونے دوں گا' نکل جاؤ میرے گھر سے غنڈے"۔ سلطان صاحب کمرے سے نکل کر سب سے گویا ہوئے' اکبر کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"اس بچی نے خود بھری مجلس میں مجھ سے شادی کرنے پر حامی بھری تھی' اماں بھی گواہ ہیں پوچھ سکتے ہیں'

قسط نمبر 4



رہی یہاں سے نکلنے والی بات تو میں یہاں صرف اپنی ماں بہنوں کی وجہ سے ہوں' یہاں صرف آپ رہتے تو کبھی دو منٹ بھی آپ کی صورت دیکھنے نہ آتا"۔ اکبر بھی دو بدو ڈھٹائی سے گویا ہوا تھا۔

"باپ سے بات کرنے کا یہ طریقہ ہوتا ہے نا ہنجار میں نہیں بخشوں گا تو جہنم میں جاؤ گے مردود"۔ وہ کف اڑاتے بولے۔

"ہونہہ...... مجھے آپ کی بخشش کی کوئی ضرورت نہیں' میرے لئے میری ماں ہی کافی ہے' آپ سے اچھی ہے کم از کم مجھ سے نفرت تو نہیں کرتی"۔ وہ باپ کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"بہت پچھتاؤ گے تم' میرا دل تو اس بچی کو سوچ کر تڑپ اٹھتا ہے جسے جانے کس طرح ڈرا دھمکا کر تم نے اس شادی کے لئے مجبور کیا ہوگا' ورنہ وہ کسی طور تمہارے قابل نہیں' تمہارا انجام بہت برا ہوگا"۔ وہ دکھ سے بولے۔

"ہونہہ...... اکبر نے بڑے بڑوں کو پچھتانے پر مجبور کیا ہے مگر خود کبھی نہیں ہوا"۔ وہ نخوت سے بولا۔

"اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے' ڈھیل کو اپنی طاقت مت سمجھو"۔ وہ تاسف سے بولے۔

"مجھ پر یہ باتیں اثر نہیں کرنے والیں' میں بہت خوش ہوں' چند دن میں دولہا جو بننے والا ہوں' آپ کی بہو کو لے کر آؤں گا"۔ وہ انگڑائی لیتا مزے سے بولا۔

"کاش...... تم پیدا نہ ہوئے ہوتے"۔ وہ دکھ سے کہہ کر پلٹے اور باہر کی طرف جانے لگے۔

"ابا' میری شادی میں تو شرکت کریں گے ناں؟" وہ پیچھے سے مسکراتے لہجے میں ان کا دل جلا گیا۔

"مجھ سے یہ توقع مت رکھنا"۔ وہ بغیر مڑے بولے تھے۔

"کاش آپ آ جاتے دیکھتے کہ اکبر کیا شے ہے' ایسی دھوم دھام سے میری شادی ہوگی کہ لوگ پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہ جائیں گے"۔ وہ باپ کو دروازے سے نکلتا دیکھ کر قہقہہ لگاتے بولا۔ وہ ماں کی سمت پلٹا' تینوں کے چہرے باپ بیٹے کی چپقلش سے اتر گئے تھے۔

"کیا ہوا کیوں ایسی رونی صورتیں بنائی ہیں' شادی کی تیاری کرو' خوشی خوشی"۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بے فکری سے بولا۔

"اپنے باپ سے اتنی بدتمیزی مت کیا کرو' تمہارے بھلے کے لئے کہتے ہیں"۔ روبینہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

"نہیں ہے میرا کوئی باپ' مجھے نصیحتیں مت کریں"۔ وہ غصہ ہوا اور سر جھٹکتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا' وہ تینوں دکھ کے گہرے دلدل میں اتر گئی تھیں۔

پیلے جوڑے میں پھولوں کے زیورات پہنے بھی بنی حرم کی آنکھیں آنسوؤں سے بوجھل ہو گئیں' خاموشی کے اس طویل وقفے میں ایئر پیس سے ابھرتے شور اور مہندی کے گانوں کی دھوم نے فرحان کے زخم ہرے کئے تھے۔

"کاش یہ خوشی کے شادیانے' حرم کی زندگی میں اس کے حوالے سے بجتے' اکبر کی جگہ فرحان ہوتا!" زبیدہ نے جب اس سے کہا تھا کہ حرم نے خود اکبر سے شادی کا اظہار کیا ہے تو اسے ذرا بھی یقین نہ آیا' دو تین دن تو خود کو سمجھاتے میں گزرے کہ یہ اچانک سے کیا ہو گیا تھا' اس کی زندگی میں پہلے بھی کوئی رونق نہ تھی مگر اب تو ہر سو ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

"تم خوش تو ہو؟" حرم کی سمت سے خاموشی محسوس کر کے اس نے بہت تکلیف سے پوچھا تھا۔

"وہ اب حرم سے کبھی آپ کہہ کر مخاطب نہیں ہوگا' اسی آپ نے تو اسے میری زندگی سے دور کر دیا' کاش میں محبت کا اظہار کر دیتا"۔ حرم کے آنسو بہنے لگے انگلیوں کی گرفت ریسیور پر سخت ہوگئی' بہت مشکلوں سے اس نے اپنی ہچکیوں کو کنٹرول کیا تھا۔

''میں بھی کتنے عجیب سوالات کر رہا ہوں' ظاہر ہے تمہاری شادی ہے' خوشی تو ہوگی ہی' ٹھیک ہے تم انجوائے کرو' اور ہو سکے تو اپنے فرحان بھائی کو...... اپنی خوشیوں میں تھوڑا سا یاد رکھ لینا''۔ فرحان کی آنکھیں نم ہوئیں' اس نے فون پٹخ دیا تھا۔

حرم نے فون رکھ کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپالیا' اسے آج ابو اور فرحان بے تحاشہ یاد آ رہے تھے' زندگی سے ایک خواہش کی تھی وہ بھی نہ مل سکا' اسے اپنی خواہشوں کا اظہار کرنا نہیں آتا تھا' ایک اکبر تھا جو بار بار آ کر اسے ڈسٹرب کرتا' خود کو اس پر مسلط کیے رکھتا' ہر شے سے نفرت محسوس ہو رہی تھی کوئی اپنا نہ تھا' جو اس کے دل کا حال جانتا' یا آنکھوں کی اداسی کو پڑھتا' جو تھا وہ بہت دور بیٹھا تھا۔

''تم یہاں ہو' وہاں تمہارا سب انتظار کر رہے ہیں''۔ سعدیہ تیار ہوئی بہت اچھی لگ رہی تھی' حرم نے جلدی سے منہ پھیر کر آنسوؤں کو صاف کیا تھا۔

''تم روئی ہو؟ کیا ہوا؟ فرحان بھائی نے کیا کہا؟'' وہ چونکی۔

''کچھ نہیں''۔ حرم نے قدم بڑھائے۔

''ہوں...... تو فرحان بھائی سے کیا بات چیت ہوئی؟'' اکبر کی آواز پر جہاں حرم ساکت ہوئی تھی وہاں سعدیہ بھی ڈر گئی۔ اکبر نے سر جھکائے سرخ روئے چہرے والی حسین سی حرم کو دیکھا۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو''۔ وہ فرحان کا ذکر بھول گیا' سعدیہ کو وہاں رکنا مناسب نہ لگا' وہ خود ہی چلی گئی۔

''تم روئی ہو؟'' وہ چونکا۔

''فرحان نے ایسا کیا کہا کہ تم رونے پر مجبور ہو گئیں کہیں تم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تو نہیں اور میں درمیان میں آ گیا''۔ وہ کچھ قدم آگے آتے ہوئے عجیب سے لہجے میں بولا۔ حرم پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''جو بات ہم دونوں نے کبھی خود سے بھی نہیں کہی' کیسے ایک پل میں اس نے بے باکی سے کہہ دی''۔

''کیا ہوا؟ سچ تو نہیں کہہ دیا میں نے؟'' اکبر نے اس کے سامنے چٹکی بجا کر سیٹی بجائی۔ حرم جیسے ہوش میں آ کر دو قدم پیچھے ہوئی' خوف نئے سرے سے عود کر آیا' اکبر جب ایک بات کے پیچھے پڑ جائے تو اگلوا کر ہی دم لیتا ہے۔

''ا...... ایسی...... کک...... کوئی بات نہیں''۔ اگر جواب نہ دیتی تو تمام عمر نہ بخشتا' خوفزدہ ہونے کے باوجود اس نے جواب دے دیا۔

''ایسی کوئی بات ہوتی بھی تو تمہارا فرحان...... بھائی' میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا''۔ وہ استہزائیہ ہنس کر بولا۔

''حرم بھئی کہاں ہو' جلدی آؤ''۔ زبیدہ بھی خوب تیار ہو کر وہاں آئی تو حرم کے پاس اکبر کو دیکھ کر چونک گئی تھیں۔

''تم...... کیوں آئے ہو؟ صبر نہیں ہوتا' جانتے بھی ہو' ہمارے ہاں کی مہندی میں عورتوں کے سوا کوئی مرد نہیں آتے' عورتوں کی تقریب ہوتی ہے''۔ انہوں نے بغیر ڈرے کہا اور حرم کو پکڑ کر ساتھ لے گئیں۔

''مجھے بھی آپ کے ہاں بیٹھنے کا شوق نہیں' حرم کو دیکھنے آیا تھا''۔ اس نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی۔

☆☆☆☆

''اماں کتنے مہنگے اور قیمتی ملبوسات ہیں' یعنی کہ حرم کے لیے ہی نہیں' ہمارے لئے بھی اہتمام' واہ حرم تو بہت قسمت والی نکلی' اکبر بھائی کتنی محبت کرتے ہیں اس سے' شادی کی خوشی میں ہم سب کو بھی مہنگے مہنگے لباس اور جیولری' جوتے وغیرہ بھی بھجوا دیئے' ہمیں خود سے بازار جا کر اب کچھ نہیں لینا پڑے گا''۔ سعدیہ اکبر کے بھجوائے قیمتی ساز و سامان کو دیکھ کر مبہوت تھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنی قیمتی اشیاء ان کے لئے ہے۔

''اماں اور ابا کے لئے بھی جوڑے بھجوائے ہیں''۔ سفید شلوار قمیض اشفاق صاحب کے لئے اور گہرے خوبصورت کڑھائی والا سوبر سا سوٹ زبیدہ کے لئے تھا۔

''حرم' دولہا بھائی کو تو تمہاری محبت نے موم کا پتلا بنا ڈالا ہے' پیسہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں وہ''۔ کسی کام سے کچن کی سمت جاتی حرم کو سیماب نے مخاطب کیا تھا۔

''اس وقت تو اکبر بھائی پر ایک نظم بہت سوٹ کر رہی ہے؟'' وہ شرارت سے بولی۔

''کون سی؟'' سعدیہ کو اچنبھا ہوا' کورس کی پڑھائی نہ کرنے والی سیماب کو نظمیں کب سے یاد ہونے لگیں۔

''انا پرست ہوں

ضدی ہوں

سرپھرا ہوں

مگر مجھے تمہاری محبت بدل بھی سکتی تھی''۔ وہ برملا بولی۔

''واہ''۔ سعدیہ جھوم اٹھی۔

''ہم اکبر بھائی کے لئے نظم کے اختتام کا لفظ تبدیل کر دیتے ہیں' یعنی مجھے تمہاری محبت بدل بھی سکتی ہے''۔ وہ شرارت سے کہتی حرم کو دیکھنے لگی جو اداس سی کچن میں گھس گئی۔

''اسے کیا ہوا ہے' بجائے خوش ہونے کے منہ لٹکائے پھرتی ہے جیسے زبردستی شادی کروائی جا رہی ہو' ہونہہ...... بڑوں کے سامنے بے شرمی سے اکبر کی محبت کا اقرار کر کے بھی اب ڈرامے کر رہی ہے''۔ سعدیہ جل کر بولی۔

''اور کیا...... اکبر بھائی جیسا دبنگ اور ہینڈسم بندہ کسی لڑکی پر مر مٹے تو وہ کیوں ناں شادی کرے' اس کی تو موجیں ہو جائیں گی' بھئی نخرہ بچتا بھی ہے' آخر کو اکبر بھائی سے شادی ہونے جا رہی ہے''۔ سیماب نے بھی حصہ لیا۔

''تم لوگوں کو میں نظر نہیں آ رہی' جو ایسی بے حیائی والی گفتگو کر رہی ہو' دیدوں کا پانی مر گیا ہے''۔ زبیدہ کا پارہ چڑھ گیا۔

''فکر نہ کرو' تم لوگوں کے لئے بھی اکبر جیسا ڈھونڈ لوں گی' بہت حسرت جاگ رہی ہے ناں''۔ وہ صوفے سے اٹھ کر اندر جاتے ہوئے ناگواری سے بولیں۔

''ہیں...... یہ اماں کو کیا ہوا' آج کل کچھ زیادہ ہی حرم کی طرف دار نہیں بن گئیں''۔ سعدیہ کی بات پر سیماب نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا' اور دونوں نے قہقہہ لگایا تھا۔ کچن میں کام کرتی حرم کا جی چاہا دھاڑیں مار مار کر روئے اپنی اس قسمت پر' جس کا وہ لوگ رشک سے ذکر کر رہی تھیں۔

☆☆☆☆

آج حرم کی آخری رات تھی چچا کے گھر' وہ وقفے وقفے سے رونے لگتی' بہت سارے رکھ دفن تھے سینے میں' زبیدہ اس کے لئے محلے سے دو مہندی کی ماہر لڑکیوں کو لے آئی تھیں' حرم نے بہت انکار کیا مگر اس کی ایک نہ چلی ناچار اسے بیٹھنا پڑا' ایک لڑکی ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھی' دوسری پاؤں پر' سعدیہ سیماب کی سہیلیوں نے ہلا گلہ مچا رکھا تھا' کچھ دیر میں اکبر کی چاروں بہنیں بھی رونق لگانے آ گئیں' گانے ہنگامے شور لاؤنج قہقہوں سے گونج رہا تھا' جس کے دم سے یہ خوشیاں منائی جا رہی تھیں وہ ناخوش تھی۔ اکبر کی بہنیں اس سے ہنسی مذاق کر رہی تھیں مگر اس کا دل اداس تھا سو وہ خاموش تھی۔

''فون بج رہا ہے' کب سے آوازیں دے رہی ہو' کم کرو ڈیک کی آواز' کان پھٹ گئے ہیں میرے' اف توبہ''۔ زبیدہ کچن سے نکل کر لاؤنج میں آ کر بولی اور والیوم بھی خود ہی کم کر دیا کیونکہ ان کی بات پر کسی نے دھیان

ہی نہیں دیا تھا۔
"ہیلو"۔ انہوں نے ریسیور کان سے لگایا۔
"ہاں خالہ! حرم کو فون دو"۔ دوسری طرف سے اکبر کی مطمئن خوش باش سی آواز ابھری۔
"ہیں...... باؤلے ہورہے ہو کیا' آج کی رات ہے درمیان میں' کل حرم تمہارے گھر آ جائے گی' کیوں بچی کو پریشان کر رہے ہو' جانتے بھی ہو' تم سے ڈرتی ہے' بات کیا کرے گی' وہ بہت اداس ہے' بچیاں اسے مہندی لگا رہی ہیں وہ نہیں آ سکتی"۔ زبیدہ نے خوب لیکچر دیا۔
"میں کوئی بلا ہوں جو مجھ سے ڈرتی ہے' اچھا خاصہ ہوں اور ہاں اس سے کہہ دیں اب یہ ڈر اور شرم چھوڑ دے' اب تو وہ میری بیوی بننے والی ہے"۔ اکبر پر کہاں اثر ہوتا تھا جھٹ بتا دیا۔
"ڈرا دھمکا کر اسے شادی کے لئے راضی کیا ہے بچی ڈرے گی نہیں تو کیا کرے گی؟ کچھ دن تو لگیں گے یہ سب کچھ قبول کرنے میں"۔ زبیدہ افسردہ ہوئیں۔
"کیا ہوا خالہ؟ بہت مروڑ اٹھ رہے ہیں حرم کے لئے' حالانکہ سب سے زیادہ وہ تمہارے عتاب کا نشانہ بنتی رہی ہے' حلق کا کانٹا تھی وہ تمہارے"۔ اکبر بے باکی سے بولا۔
"میرا ٹائم مت ضائع کرو' باتیں بگھارنا تو کوئی تم سے سیکھے"۔ زبیدہ نے فون بند کر دیا اور کچن میں چلی آئیں۔
"پھر سے فون بجنے لگا"۔ اب کے سیماب اٹھی تھی۔
"ہیلو"۔
"ہاں سیماب بیٹا! حرم کو فون دو"۔ اکبر کی خوشی سے معمور آواز ابھری تھی۔ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ جمایا اور منہ ہٹا کر لڑکیوں کو اونچی آواز سے مخاطب کیا۔
"لڑکیوں دولہا بھائی کا فون ہے' کہہ رہے ہیں میری حرم سے بات کروا دو"۔ اس کی بات پر کسی نے ڈیک بند کر دیا اور نوجوان لڑکیاں فون کے اردگرد جمع ہو کر کان لگانے لگیں۔
"اکبر بھائی' وہ حرم تو نہیں آ سکتی"۔ وہ حرم کو دیکھتے شرارت سے بولی۔
"کیوں پاؤں میں مہندی لگائے بیٹھی ہے کیا؟" وہ جل کر بولا لڑکیاں کھی کھی کر کے منہ پر ہاتھ رکھے ہنسنے لگیں۔
"جی' پاؤں اور ہاتھ دونوں پر مہندی لگا رکھی ہے"۔ وہ دوبدو بولی۔ حرم کے آس پاس بیٹھیں اکبر کی بہنیں اور دیگر لڑکیاں بھی ماحول میں دلچسپی محسوس کر کے سیماب کی سمت متوجہ ہوئیں۔
"فون دو' نہیں تو میں وہاں آ کر مل لوں گا"۔ اس نے دھونس بھری دھمکی دی۔ سیماب نے پھر سے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا۔
"کیا کہہ رہے ہیں؟" سب کورس میں دلچسپی سے بولیں۔
"فون دو' نہیں تو یہاں آ کر حرم سے مل لیں گے"۔ سیماب کی بات پر ہنسی کا طوفان امڈ پڑا کہ اللہ اللہ۔
"اوہو"۔ ہر طرف سے حرم کو نشانہ بنایا جانے لگا' وہ بیچاری روہانسی ہو گئی۔
"اچھا اکبر بھائی! اگر آپ سے اک رات بھی صبر نہیں ہو رہا تو اک کام کرتے ہیں' میں حرم سے پوچھتی ہوں' اگر وہ مان گئی تو فون دے دوں گی"۔ سیماب شرارت سے بولی۔
"وہ انکار نہیں کرے گی"۔ اکبر بہت مان سے بولا۔ دراصل اپنی طاقت پر اعتماد تھا حرم کبھی بھی اس کی بات سے انکار نہیں کر سکتی۔ لڑکیاں پھر ہنسنے لگیں' سیماب نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر حرم کو مخاطب کیا۔

"حرم اکبر بھائی کہہ رہے ہیں آ کر مجھ سے بات کرو"۔

"میں...... نن...... نہیں...... بھلا میں کیا...... کہوں گی؟" وہ روہانسی ہو گئی۔

"جاؤ ناں بات کرو کتنے پیار سے بلا رہے ہیں"۔ لڑکیاں چھیڑنے لگیں۔ وہ رونے لگ گئی سب کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"اکبر بھائی! آپ نے حرم کو رلا دیا ناں، میں فون بند کر رہی ہوں اب مت کیجئے گا"۔ اس نے فون بند کر دیا ساری ہنستے ہوئے بیٹھ گئیں ڈھولک پھر سے لگ گیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ صحن سے کچھ لڑکیاں شور مچاتی آئی تھیں۔

"دولہا بھائی تو سچ مچ آ گئے"۔ حرم کے ہاتھ پیر پھول گئے دوپٹہ سر سے سرک کر گود میں پڑا تھا وہ مہندی کی وجہ سے گھٹنوں کو کھڑا کیے اس پر کہنیاں ٹکائے بیٹھی تھی۔

"میرا دوپٹہ"۔ اس کی منمناتی سی آواز سن کر سیماب نے آگے بڑھ کر دوپٹہ اس کے سر پر اوڑھنے کی بجائے گھونگھٹ کی طرح اوڑھا دیا یوں کہ پورا چہرہ چھپ گیا۔

"یہ کیا؟" کورس میں پوچھا گیا۔

"ہم آج کی رات دولہا بھائی کو حرم کا چہرہ نہیں دیکھنے دیں گے، بھئی تھوڑا سا تنگ کرنے کا تو حق ہے ناں؟" اس نے آخر میں اجازت طلب نظروں سے اکبر کی بہنوں کو دیکھا اور چاروں سر اثبات میں ہلاتے متفق نظر آئیں۔

"یاہو"۔ ان کی اعلیٰ ظرفی پر نعرہ پڑا تھا۔ اکبر نے لاؤنج میں داخل ہو کر ڈھیروں لڑکیوں میں سے حرم کو تلاشا نظر اک جگہ گھونگھٹ میں چھپی ہاتھوں پیروں پر مہندی لگائے بیٹھی اک لڑکی پر پڑی وہ پہچان کر مسکراتا آگے بڑھا کہ ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ لڑکیاں اس کا ارادہ بھانپ کر حرم کے گرد دائرہ بناتی بیٹھ گئیں۔

"ایک بار کہتا ہوں ہٹ جاؤ، دوسری بات میں بات نہیں کرتا، محلے کا بچہ بچہ میرا اصول جانتا ہے"۔ اکبر کو تپ چڑھنے لگی۔

"پلیز اکبر بھائی! آج کی رات تو ذرا سا مسکرا دیں، غصہ تو ساری زندگی آپ کی ناک پر دھرا رہتا ہے"۔ سیماب شوخ ہوئی۔

"تمہیں بہت باتیں کرنا آ گئی ہیں"۔ اکبر مسکرایا، جو گھبرائی ہوئی بیٹھی تھیں اب وہ بھی مسکرانے لگیں۔

"میں تو اپنی دلہن کو دیکھنے آیا تھا، کیا یہ ساری رات ایسے ہی بیٹھی رہے گی؟" اکبر نے حرم کو دیکھا۔ اس کی بات پر کچھ لڑکیاں کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں کچھ شرارت سے کھنکار نے وہ سر پر ہاتھ پھیرتا رہ گیا۔

"آج رات دیکھنے پر پابندی ہے ویسے بھی کل دل والے دلہنیا لے جائیں گے"۔ فلک نے بھی اس پر لطف ماحول میں اپنا حصہ ادا کیا، چاروں بہنوں نے تائید میں سر ہلایا، اکبر اس طرح پارٹی بدلنے پر بہنوں کو گھورتا رہ گیا، انہوں نے لاپروائی سے کندھے اچکا دیئے۔ کسی نے پھر سے ہلکے سروں میں گانے لگا دیئے تھے۔

"بیٹھیے ناں دولہا بھائی"۔ ایک شرارتی سی آواز آئی لڑکیاں تمام بیٹھ چکی تھیں اکبر کو بھی بیٹھنا پڑا۔

"ویسے دلہن ماہتاب ہے تو دولہا آفتاب، ماشاء اللہ، کیا جوڑی بجی ہے"۔ مجمع میں سے پھر کھنکتی آواز ابھری قہقہوں کا سلسلہ پھر سے اُمڈ پڑا۔ گھونگھٹ میں چھپا حرم کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، یہ سب کچھ تو اس نے سوچا تک نہ تھا اب وہ کل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اکبر کی ہو جائے گی اب تک وہ اسے زچ کرتا رہا تھا پھر تو کھلی چھوٹ مل جائے گی اس نے خود کو اکبر کے حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر بار بار قدم لڑکھڑا جاتے کوئی ناں تھا جس کی مدد لے کر وہ اس ماحول سے دور بھاگ جاتی۔

''حرم کی مہندی تو بہت خوبصورت ہے''۔ اکبر مسلسل گھونگھٹ سے باہر مہندی سے سجے نازک دودھیا ہاتھ پاؤں کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ کہیں تو آپ کو بھی لگا دیں؟'' فلک چہکی۔

''تو پھر لگا دو''۔ اکبر نے ہتھیلی سامنے کی تھی' لڑکیاں ہنسنے لگیں' فلک کھسیانی ہو گئی۔

''میں نے تو مذاق کیا تھا''۔ اسے مذاق مہنگا پڑ گیا کیونکہ اکبر ایک بار جو کہہ دیتا وہی کرتا۔

''مگر میں مذاق نہیں کر رہا''۔ وہ سنجیدہ تھا' ہتھیلی اب بھی پھیلی ہوئی تھی۔ لڑکیاں چپ تھیں۔

''سانپ کیوں سونگھ گیا سب کو' حرم کو جس نے مہندی لگائی ہے وہ آ کر میری ہتھیلی پر ایک پھول بنائے''۔ اب کے وہ ذرا غصے سے بولا۔ مہندی والی دو لڑکیاں خوفزدہ ہو گئیں' محفل میں مزہ لینے اور اکبر کے قریب جا کر اسے مہندی لگانے میں بہت فرق تھا اگر گھر والوں کو بھنک بھی پڑ جاتی تو ان کی خیر نہ تھی آخر کو وہ محلے کا بدمعاش تھا۔

''کرن آ کر دولہا بھائی کے ہاتھ پر پھول بنا دو' اندر حرم کا نام بھی لکھ دینا''۔ سعدیہ مسکرائی۔

''حرم سے محبت اپنی جگہ' مگر اب اتنا بھی زن مرید نہیں کہ بیوی کا نام ہتھیلی پر لکھوا لوں''۔ جلال پھر عود کر آیا۔ لڑکیاں کرن کو اٹھنے پر اکساتی رہیں' اکبر منتظر سا اسے دیکھ رہا تھا' ناچار اٹھنا پڑا' اکبر کا کیا بھروسہ فائر نہ چلا دیتا اسی ڈر سے اٹھی اور کچھ دوری پر آ بیٹھی۔ اکبر نے ہتھیلی پھیلا کر ہاتھ دراز کیا دونوں ہاتھوں سے کون پکڑے' بغیر اس کا ہاتھ چھوئے مہندی لگا رہی تھی۔

''اکبر بھائی کے سامنے اتنی خوبصورت دلہن بیٹھی ہے کرن' اب تم پر نظر نہیں پڑنے والی' ریلیکس ہو کر لگاؤ''۔ کسی نے پھر شرارت سے جملہ داغا۔ سب کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں کرن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ شاید شرم' غصے یا خوف سے' اکبر نے اس کے سر پر دوسرا ہاتھ رکھ دیا۔

''ڈرو نہیں' ان کو بولنے دو' تم میری بہن ہو' بالکل فلک کی جیسے''۔ وہ مسکرایا کرن کو ڈھارس ملی۔

''اکبر بھائی تو بہت اچھے ہیں لوگوں نے خواہ مخواہ ان کو برا مشہور کر رکھا ہے''۔ وہ بہت متاثر ہوئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں زبیدہ اور خاندان و محلے کی دیگر بزرگ خواتین بھی لاؤنج میں چلی آئیں' اکبر تو کچھ دیر میں چلا گیا' لڑکیوں نے آدھی رات تک ادھم مچائے رکھا تھا۔

☆☆☆☆

آخر وہ گھڑی آ پہنچی جس کا اکبر اور اس کے گھر والوں کو بے صبری سے انتظار تھا۔ اکبر نے حرم اور اپنے لئے ڈیزائنر سے بہت مغز ماری کے بعد اپنی پسند کے سوٹ اور جوتے' جیولری بنوائے تھے' حرم آج شہزادی لگ رہی تھی بلیو کلر کے لانگ کامیض شلوار کے ساتھ آف وہائٹ جھلملاتے دوپٹے اور موتیوں والے سفید و آف وہائٹ جیولری میں مہندی لگائے بغیر میک اپ کے وہ بے تحاشہ حسین لگ رہی تھی۔ اکبر بھی آف وہائٹ شیروانی میں ہمرنگ کھسے پہنے' نوابزادہ لگ رہا تھا۔ نکاح اور رخصتی کے اس موقع پر ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا' نکاح کے وقت حرم بہت رو رہی تھی اکبر کے اندر ابال اٹھ رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا پستول نکال کر اتنے فائر کرے کہ حرم کا دم نکل جائے' اشفاق صاحب اس کے رونے کو سعید صاحب کی یاد پر محمول کر رہے تھے' مگر زبیدہ روبینہ اور دیگر اس کا رونا خوب جانتے تھے۔ بالآخر اس نے دستخط کر دیئے' نکاح ہو گیا' اکبر نے کچھ ڈانس کا پروگرام بھی منعقد کروایا تھا' ڈانس شروع ہو گیا حرم اب بھی وقفے وقفے سے رونے لگتی۔ حرم کا چہرہ آدھا گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا' وہ رو رہی تھی جبکہ اکبر اس کے پہلو میں سرشار سا بیٹھا کبھی تالیاں بجانے لگتا' کبھی سیٹیاں' کبھی ہاتھ اٹھا کر ہوا میں

لہرانے لگتا' وہ بہت خوش تھا۔

حرم کا دل پھٹنے کو تھا بے آواز اشک بہہ رہے تھے ایک آدھ بار کی ہچکی کو اکبر نے بھی سنا تھا مگر وہ ہنس رہا تھا گا رہا تھا' بیٹھے بیٹھے ہاتھ اٹھا کر ناچنے لگا۔

''مشکل اشکوں کو چھپانا لگتا ہے

دلہن کا تو دل دیوانہ لگتا ہے

پل بھر میں کیسے بدلتے ہیں رشتے

اب تو ہر اپنا بیگانہ لگتا ہے

میں تیری بانہوں کے جھولے میں پلی بابل

جا رہی ہوں چھوڑ کے تیری گلی بابل

خوبصورت یہ زمانے یاد آئیں گی

چاہ کے بھی ہم تمہیں ناں بھول پائیں گی

ضبط کا دامن چھوٹ گیا حرم تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔ باپ کے ساتھ گزرا ہر پل یاد آنے لگا تھا اکبر کو اس کے دوست ڈانس کے لئے اشارے سے بلانے لگے تھے۔

اکبر اب اٹھ کر ہاتھ آگے کیے حرم کو بھی اٹھنے کا کہہ رہا تھا تاکہ ساتھ رقص کر سکے' مگر وہ تو اپنی افتاد میں گم تھی یک ٹک اکبر کے بڑھے ہاتھ کو سر اٹھا کر بہتی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

''اٹھو''۔ وہ تھوڑا سا جھکا۔ حرم کی نظروں میں اکبر کے ہاتھوں مرتے سعید صاحب کا تڑپتا وجود گھومنے لگا۔ وہ اٹھی اور اس کے بڑھے ہاتھ کو نظر انداز کر کے دوسری طرف سے بھاگتی ڈریسنگ روم کی طرف گئی تھی۔ اکبر اپنے خالی ہاتھ کو دیکھ کر سناٹے میں رہ گیا تھا' اتنی سبکی' اس کا چہرہ سرخ ہو گیا' حاضرین کی طرف اس کی پشت تھی مگر اسے سب خود پر ہنستے محسوس ہوئے تھے۔ شاید دل میں چور تھا اسی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی محسوس کر گیا۔

''بیٹھو اکبر! بچی کو ماں باپ یاد آ گئے ہوں گے' یہ وقت بہت مشکل ہوتا ہے' تم بیٹھو میں چپ کروا کے لاتی ہوں اسے بیٹھو''۔ زبیدہ نے ماحول کی نزاکت محسوس کر کے حالات سنبھالے تھے' زبیدہ تیزی سے اندر آئی تھیں حرم شیشے کے سامنے کرسی پر بیٹھی زارو قطار رو رہی تھی۔

''حرم...... یہ کیا بچپنا ہے' اکبر کو تم جانتی ہو' اگر میں ناں سنبھالتی تو طیش میں آ کر جانے کیا کر بیٹھتا''۔ وہ ناگواری سے ڈانٹتے ہوئے بولیں۔

''اٹھو شاباش' مہمان منتظر ہیں' کھانے میں تھوڑی دیر ہے پھر رخصتی کا شور اٹھے گا' چلو بری بات حرم اٹھو''۔ وہ نرمی سے کہتیں پاس آئیں تھیں۔

''چچی! مجھے نہیں جانا' چچی مجھے بچالیں' میں اکبر کے ساتھ نہیں جانا چاہتی' وہ بہت ظالم ہے''۔ وہ ان سے لپٹ کر بہت شدتوں سے روتی کہہ رہی تھی۔

''بچوں والی باتیں نہ کرو' اچھی طرح سے جانتی ہو کہ ایسا ممکن نہیں' تمہارا نکاح ہو چکا ہے اب ایسا سوچنا بھی مت' خود کو سنبھالو اور چلو میرے ساتھ''۔ انہوں نے سمجھایا۔

''کیا ہوا بچی ٹھیک تو ہے ناں؟'' روبینہ کے ساتھ خاندان کی دیگر عورتوں بھی سن گن لینے آن پہنچی' انہی میں سے ایک نے پوچھا تھا۔

''تین مہینے پہلے باپ کا انتقال ہوا ہے' یاد آ گئے ہوں گے' بیچاری کی ماں بھی نہیں' اسی لئے اداس ہے''۔ روبینہ نے بروقت مداخلت کر کے ان کی زبانیں بند کروائیں۔ سمجھا بجھا کر اسے اٹھایا گیا' رخصتی کے وقت بھی وہ اشفاق صاحب کے سینے سے لگی بہت روئی تھی۔

☆☆☆☆

''حرم! جلدی ناشتہ لاؤ' مجھے نکلنا ہے' ایک تو یہ' جانے کس کے خیالوں میں رہتی ہے' بیٹھے بٹھائے سو جاتی ہے''۔ اکبر نے کچن کی طرف دیکھ کر اونچی آواز میں کہا اور پاس بیٹھی ماں کو جھنجھلا کر دیکھا۔

''اسے یہ بات کھٹک رہی تھی کہ حرم نے پہلے سلطان صاحب کو ناشتہ دیا تھا' جواباً انہوں نے شفقت سے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی اور اکبر نے پہلی بار حرم کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی وہ اس بات پر اب اسے زچ کرتا کہ اس نے سلطان صاحب کو اکبر پر ترجیح دی اور پھر مسکراہٹ سے بھی نوازہ حالانکہ یہ خصوصی عنایت بھی اس پر نہیں کی گئی تھی۔

''تم نے ابھی سے میری بہو کو کام پر لگا دیا' میں نے سوچا تھا اک دو مہینے خوب آرام کرواؤں گی''۔ روبینہ نے اکبر سے شکوہ کیا۔

''میں نے اس لئے شادی نہیں کی تھی کہ جوان بیوی آرام کرے اور بوڑھی ماں کام''۔ وہ بھی فوراً بولا نظریں کچن کے دروازے پر تھیں۔ حرم نظریں جھکائے اس تک آئی اور جھک کر لوازمات سے سجی ٹرے اکبر کے سامنے تخت پر رکھیں۔

''پراٹھے پورے ہیں؟ جانتی ہونا میں صبح تین پراٹھے اور ساتھ مکھن چائے لیتا ہوں' یہی میرا ناشتہ ہوتا ہے''۔ وہ پراٹھے گنتے ہوئے بولا۔ حرم خاموش کھڑی تھی مڑی ہی تھی کہ اکبر کی آواز نے رک جانے پر مجبور کر دیا۔

''یہ تم کیا سفید کپڑے پہنے میرا سوگ منا رہی ہو' بیوہ ہو گئی ہو کیا' میں مرا نہیں جو شادی کے دسویں روز اس طرح اجاڑ بچھاڑ حلیے میں گھوم رہی ہو' اتنے مہنگے لباس اور زیورات میں نے ایسے ہی نہیں خریدے' پہننے کے لئے ہیں''۔ وہ پھر سے غصہ ہوا یعنی ابھی توجہ دی تھی' سلطان صاحب ناشتہ کر کے چھڑی پکڑتے اٹھ کر اندر چلے گئے وہ آنسو پیتی سر اثبات میں ہلا کر کچن میں چلی گئی۔

''ذرا جو اس میں خوبصورتی کے سوا کوئی خوبی ہو' ایسے لگتا ہے میں نے گونگی بہری لڑکی سے شادی کی ہے' ناں ہنستی ہے' ناں کھل کر بولتی ہے' حد تو یہ شادی کے ان دس دنوں میں اس نے میری شکل تک نہیں دیکھی' گویا زمین پر ہیرے موتی بکھرے ہوں' جنہیں ہر پل یہ تلاشتی ہے''۔ وہ نوالہ پہ نوالہ چائے کے ساتھ چباتا ایک ہاتھ کو نچا نچا کر ماں سے مخاطب تھا۔ کس قدر اونچی آواز میں حرم کو سناتا اس کے کانوں تک بخوبی یہ ارشادات پہنچ رہے تھے۔

''یہ تو اچھی تربیت کا اثر ہے تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ اتنی حیا والی اچھی بچی تمہیں ملی ہے۔ ملی کیا ہے تم نے زبردستی اپنی زندگی میں شامل کی ہے''۔ آخری جملہ وہ کہہ نہ سکیں۔

''ہونہہ..... آج کل شرم و حیا نہیں چلتی' زمانے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے' مجھے مٹی کا مادھو نہیں' جیتی جاگتی' ہنستی بولتی بیوی چاہئے' جو مجھے خوش رکھے''۔ جھٹ دوسرا لقمہ آ گیا روبینہ خاموش رہیں' اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی۔

''صبح صبح کون آ گیا حرم ادھر آؤ بھئی''۔ وہ جھلایا۔

''جی''۔ حرم بوتل کے جن کی طرح حاضر تھی۔

''جا کر دروازے پر دیکھو کون ہے؟'' وہ لاپروائی سے نوالہ مکھن پر لگاتا ہوا بولا تھا۔

''مم...... میں؟'' وہ گھبرائی۔

''ہاں تو اور کون''۔ اکبر نے آنکھیں دکھائیں۔

''بچی کو کیوں پریشان کرتے ہو؟ جاؤ بیٹا میں دیکھ لوں گی''۔ روبینہ اس کی جھجک محسوس کر کے چپل اڑستی اٹھی تھیں۔

''چپ پولیس...... آئی ہے اکبر''۔ روبینہ کی گھبرائی ہوئی آواز آئی تھی۔ حرم کا دل اچھل کر حلق تک آ گیا' دھڑکن گویا ہاتھوں پیروں میں دھڑکنے لگی۔ اکبر نے آرام سے نوالہ نگلا' سڑپ سڑپ کر کے تین گھونٹوں میں چائے ختم کی اور چپل پہن کر ساکت کھڑی حرم کے دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتا دروازے تک گیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اکبر نے باوردی چار اہلکاروں کو گھورا۔

''اوئے دیکھ کیا رہے ہو؟ ہتھکڑی لگاؤ' خطرناک مجرم سامنے کھڑا ہے''۔ ایک نے ہتھکڑی پکڑے اہلکار کو ڈپٹا۔

''کس خوشی میں' کوئی مائی کا لال ہے جو اکبر کو ہتھکڑی لگائے' ایسی جرات آج تک کسی نے نہیں کی''۔ اکبر آگ بگولا ہوا۔

''ہمارے پاس آرڈر ہے گرفتاری کے''۔ اس نے وارنٹ دکھائے۔

''ایک منٹ''۔ اکبر نے جیب سے موبائل نکال کر آئی جی اکرام کے نام پر سیو نمبر ملایا۔

''ہیلو اکرام صاحب! کیسے ہیں''۔ وہ خوش دلی سے مسکرایا۔ اہلکار چونک گئے۔

''میں ٹھیک ہوں' خیریت اتنی صبح صبح جناب اکبر جنگجو نے کیسے یاد کیا؟'' وہ اچنبھے سے گویا ہوا۔

''یہ کچھ پولیس والے میری دروازے پر گرفتاری کے وارنٹ لئے کھڑے ہیں' آپ بتائیے انہیں آج تک کسی کی ہمت ہوئی ہے کہ اکبر کو ہتھکڑی لگا کر حوالات لے چلے؟'' اکبر کی بات پر آئی جی حیران ہوا۔

''اچھا بات کرواؤ کون ہے یہ اناڑی' جو اکبر کو نہیں جانتے؟'' اکبر نے آگے کھڑے اہلکار کو فون دیا۔

''جی سر؟'' اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور الرٹ ہو گیا۔

''جی...... جی......'' دوسری طرف کی بات سنتے وہ جی جی کی گردان کر رہا تھا۔

''سوری سر! غلط فہمی ہو گئی تھی''۔ وہ فون اکبر کی طرف بڑھاتا شرمندہ سا بولا۔

''اوئے' دیکھ کیا کر رہے ہو' معافی مانگو سر جی سے''۔ اس نے پیچھے کھڑے تینوں اہلکاروں کو ڈانٹا۔

''کوئی بات نہیں جاؤ معاف کیا' مگر اگلی بار اکبر جنگجو کے دروازے میں آ کھڑے ہونے کی غلطی مت کرنا' آج سلامت جانے دے رہا ہوں' آئندہ نہیں''۔ وہ کہہ کر ان کے منہ پر دروازہ بند کرتا اندر آیا۔ روبینہ اور حرم سب گفتگو سن چکی تھیں' حرم اکبر سے مزید خوفزدہ ہوئی وہ تو بہت پہنچا ہوا تھا۔

''میرے کپڑے نکالو جلدی''۔ وہ کمرے کی سمت بڑھتا حرم سے بولا تھا۔

☆☆☆☆

''تمہارے ہاتھ کیوں کانپ رہے ہیں؟'' حرم کے ہاتھ سے ہینگ کئے کپڑے پکڑتے ہوئے اس کی نگاہ ہاتھوں کی کپکپاہٹ پر ٹھہر گئی۔ حرم نے تھوک نگلتے ہوئے ہاتھ تیزی سے دوپٹے میں چھپائے تھے۔

''میری طرف دیکھ کر بات کیا کرو' کھا نہیں جاؤں گا تمہیں''۔ اب کے وہ ذرا غصے سے پورا رخ اس کی سمت موڑتے ہوئے بولا حرم کی آنکھوں میں نمی جھلملا گئی۔

''کون ہے وہ' جس کی یاد تمہیں میری طرف دیکھنے نہیں دیتی' میں نے تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کیا' تم ہو کہ مجھ سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتیں میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کیا کرو''۔ وہ دو قدم پاس آیا۔

"میں تمہاری طرف نہیں دیکھ سکتی، کیونکہ میں تم سے خوفزدہ ہوں، تمہارے چہرے میں مجھے اپنے باپ کا قاتل نظر آتا ہے میرا کوئی نہیں، تم نے مجھے اکیلا کر دیا، مجبوری ہے، بغیر تمہیں دیکھے ہی زندگی اب ایسے گزارنی ہے، ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ زندگی گزارنا کتنا کٹھن ہوتا ہے، یہ کوئی مجھ سے پوچھے"۔ وہ خوفزدہ سی دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"جی تو چاہتا ہے ایک الٹے ہاتھ کا دوں تمہیں"۔ اس نے دانت پیستے ہوئے واقعی میں ہاتھ الٹا کر کے اٹھایا تھا جیسے جڑ ہی دے گا، حرم نے ہاتھ چہرے کے آگے کر کے چہرہ موڑا تھا۔

"مگر کیا کروں، کمبخت تمہارا چہرہ اتنا حسین ہے کہ ہاتھ جڑتے ہوئے دل کو کچھ ہوتا ہے"۔ وہ افسوس سے کہتا مڑ کر واش روم کی طرف گیا تھا، وہ تو کچھ دیر میں تیار ہو کر چلا گیا، حرم دوپہر کے لئے سالن بنا رہی تھی کہ اشفاق صاحب آ گئے، وہ ان کے گلے سے لگ کر بہت روئی، چچا اسے دلاسا دیتے رہے، بہت دیر تک وہ لوگ سعید صاحب کو یاد کرتے رہے، حرم ان کی ہر بات اشفاق صاحب کے سامنے دہراتی رہی، روبینہ خود ان کے لئے چائے بنا کر لائی تا کہ وہ دونوں خوب باتیں اور یادیں تازہ کرتے رہیں تقریباً آدھا گھنٹہ وہ وہاں موجود رہے حرم نے بہت اصرار کیا دوپہر کے کھانے میں شرکت کرنے کی مگر وہ چلے گئے، گھر والوں نے شکوہ کیا تھا کہ وہ شادی کے بعد ان سب کو بھول گئی ہے وہ یہ ناں بتا سکی کہ اکبر نے سختی سے منع کر رکھا ہے شادی ہو گئی تو اب وہ اپنے گھر رہے، وہ اس کے چچا کا گھر ہے اور اکبر اس بات کے حق میں نہیں کہ حرم اب وہاں جائے ہمیشہ کی طرح دوسروں کا حکم ماننے والی حرم کوئی اعتراض نہ کر سکی ویسے بھی اکبر کے آگے کسی کی چلتی کہاں تھی۔ بہتری چپ چاپ اس کی بات ماننے میں ہی تھی۔

☆☆☆☆

سیماب کی طرف سے ایم ایم ایس کی گئی دلہن بنی حرم کی تصاویر دیکھتے فرحان عجیب سے احساسات میں گرا ہوا تھا، بے یقینی سی بے یقینی تھی، حرم کی شادی ہو گئی؟ وہ کسی اور کی دلہن بن گئی؟ یقین کرنا مشکل تھا۔

"تو کیا وہ سب میری نظر کا دھوکا تھا، بھلا ایک پیار کرنے والا دل دوسرے پیار کرنے والے کی آنکھوں میں اپنے لئے ایسا جذبہ دیکھنے میں دھوکا کیسے کھا سکتا ہے، وہ کہتی نہیں تھی دیکھتی بھی نہیں تھی مگر اس کا ایک ایک نقش ہر حرکت بتاتی تھی کہ وہ مجھ سے یہاں تک آ کر اس کی سوچ مفلوج ہو جاتی، تو پھر وہ کیسے اکبر سے شادی پر رضامند ہوئی کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ خود اپنی زبان سے اظہار کر کے اکبر سے شادی کر سکتی ہے، پھر وہ سب کیا تھا، میری نظر کا دھوکا نہیں، مگر یقین کیوں نہیں آتا کاش میں اس رات اسے شادی کی مبارکباد کے بجائے ہمت کر کے پوچھ لیتا وہ اتنی چپ کیوں تھی، کیا واقعی وہ اپنی خوشی سے یہ شادی کر رہی ہے؟ میں نے کیوں لوگوں کی زبانوں پر یقین کر لیا؟ اگر وہ قائل ہو جاتی کہ ہاں وہ واقعی مجھ سے محبت کرتی ہے تو ساری دنیا سے ٹکر لے کر اسے اپنا لیتا، مگر اب پچھتاوے کا کیا فائدہ، وہ سر پکڑے بیٹھا تھا کہ اشفاق صاحب کی کال آ گئی۔

"السلام علیکم بیٹے کیسے ہو؟" وہ خوشی سے چہکے آج حرم سے ملے تھے شاید اسی لئے لہجہ بشاش تھا۔

"وعلیکم السلام ٹھیک ہوں ابا آپ کیسے ہیں؟" وہ کچھ بجھا بجھا سا لگا۔

"ہمیشہ کی طرح سب کا حال احوال نہیں پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں تم کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" وہ پریشان ہوئے، ان کا فرمانبردار بیٹا جو بہت کم عمری سے گھر کی ذمہ داری خوش اسلوبی سے اٹھانے لگا تھا آج وہ اس بیٹے کی بدولت اپنا بڑھاپا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



عیش و آرام سے گزار رہے تھے۔
"ٹھیک ہوں، بس کچھ سر میں درد تھا"۔ اس نے بوجھل لہجے میں کہتے کنپٹیاں دبائی تھیں۔
"اپنا خیال رکھا کرو، صحت کے معاملے میں لاپروائی مت کرنا، اتنی کم عمری میں تو بندہ بہت قوت محسوس کرتا ہے، ڈاکٹر کو دکھا دینا"۔ انہوں نے سمجھایا۔
"ٹھیک ہے ابا"۔
"میں آج حرم کے ہاں گیا تھا"۔ وہ بخوشی بتانے لگے۔
"کک...... کیسی ہے، خوش تو ہے ناں؟" اس کا دل دھڑ کا زبان لڑکھڑا گئی۔
"ہاں، بہت آسودہ ہے، میں تو مطمئن ہو گیا، اس کی ساس اور سسر دونوں حرم کو بہت چاہتے ہیں، بیٹیوں کی طرح اس کا خیال رکھتے ہیں"۔ وہ حرم کے لئے ان دونوں کی محبت سے بہت متاثر ہوئے تھے۔
"اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے"۔ لہجہ خود بخود دھیما پڑ گیا۔
"میرا تو ارادہ تھا حرم کو اپنی بہو بناؤں، مگر تمہاری ماں کے مزاج سے ڈر لگتا تھا"۔ اشفاق صاحب نے پہلی بار ایسی بات کی تھی۔ فرحان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
"تمہارا باپ ہوں، جانتا ہوں تم کچھ کہتے نہیں مگر میں جانتا ہوں حرم تمہیں کتنی عزیز تھی میں دیر کرتا رہا، شاید قسمت میں یہی لکھا تھا، وہ اکبر کا ہی نصیب تھی"۔ وہ بھی آبدیدہ ہو گئے۔
"آج حرم کو سجا سنورا اور لئے اکبر کے آنگن میں دیکھ کر تشنہ خواہش بہت حسرت دلا گئی مگر قسمت پر کس کا بس چل سکا ہے"۔ فرحان کی برداشت بس یہاں تک تھی وہ مزید نہ سن سکا، لائن کاٹ دی، اشفاق صاحب ہیلو ہیلو کہتے رہ گئے۔
"شاید لائن کٹ گئی"۔ انہوں نے تھک کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا تھا۔
☆☆☆☆
"میں...... حرم سعید بہت خوبصورت مگر بہت کم نصیب میں نے کبھی رب سے شکوہ نہیں کیا کسی بات کے لئے بھی کیونکہ شکوہ وہ کرتے ہیں جنہیں امید کی روشنی میسر ہو میرے پاس امید یا دوسرا راستہ نہیں، شکوہ کر کے امید کے بل پر فرار بھی ہو جاؤں تو زندگی میں میرے لئے زندان کے سوا کچھ نہیں، ایک قید سے فرار ہو کر بھی دوسری قید میں جانا ہو تو بہتر ہے کہ اپنی اصل اور پہلی حالت پر صبر کر لیا جائے، میرے پاس اللہ کے سوا کوئی رشتہ نہیں بچا آج سب بے تحاشہ خوش ہیں، صبح سے مبارکباد دوں کا سلسلہ ہے جو رکنے کو نہیں"۔ چچا، چچی، سویرا، سونیا، لائبہ، باجی، فلک سب اپنے اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ آئی تھیں، سلطان صاحب بھی خوش تھے جنہوں نے بیٹے کی شادی میں شرکت تک گوارا نہ کی تھی، روبینہ اور اکبر تو پھولے نہیں سما رہے تھے، حرم ماں بننے والی تھی اس خوش خبری نے ہر کسی کا چہرہ کھلا دیا تھا۔ حرم چپ تھی بے حد اداس، اپنی کیفیت کو وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، جس شخص کے ساتھ زندگی کے پل مجبوراً کاٹ رہی تھی، اب اس کے بچے کی ماں بننے کا احساس شدید تکلیف دہ تھا، زندگی کا اک ایسا کڑوا سچ جو کبھی سوچا تک نہ تھا۔
☆☆☆☆
"ہٹو یہاں سے، کیا ہر وقت اس کی خدمتوں میں لگی رہتی ہو، کچھ اپنی حالت کا ہی خیال رکھو، اپنی پرواہ ہے نہیں، دوسروں کی فکر میں لگی رہتی ہے محترمہ"۔ اکبر نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر پیچھے اپنی طرف دھکیلا۔ وہ اپنے دھیان میں مگن اس افتاد پر توجہ نہ دے پائی اور اکبر کے سینے سے اس کی پشت لگ گئی تھی، اک پل میں ہی حواس

بحال ہوئے تو وہ کرنٹ کھا کر اکبر سے دور ہوئی تھی مگر اس کا ہاتھ اب بھی اکبر نے پکڑ رکھا تھا۔

''ہاتھ...... چھوڑ...... چھوڑیں''۔ وہ دوسرے ہاتھ سے دوپٹہ درست کرتی خجل سی بولی تھی' سلطان صاحب کی موجودگی بھی خفت میں مبتلا کر رہی تھی اکبر کو تو کسی کا لحاظ نہ تھا۔

''کھا نہیں جاؤں گا تمہارے ہاتھ کو' دو پل کو کیا پکڑ لیا تم پر تو موت آ جاتی ہے' بیوی ہو میری' اب کیا ہاتھ بھی نہ پکڑوں''۔ وہ غصے سے جل کر کہتا اس کا ہاتھ چھوڑ گیا۔ حرم کی لویں تک اس کی بات پر سرخ ہو گئیں' بوڑھا بیمار باپ بستر پر پڑا ہے اور اسے کوئی پرواہ ہی نہیں' کتنی بے باکی سے بات کرتا ہے۔

''چلو''۔ وہ اسے گھور کر دیکھتا حکم صادر کر کے مڑ گیا' حرم سر جھکائے خوفزدہ کھڑی انگلیاں مروڑتی رہی۔

''اب کیا ہوا' کس لئے کھڑی ہو؟'' وہ پھر کاٹ کھانے کو دوڑا۔

''وہ ابا جی نے...... سوپ...... پورا نہیں...... پیا''۔ اس نے سوپ کے پیالے کی طرف دیکھتے دھیمی آواز میں ڈر کر بتایا۔

''اچھا تو خیال رکھا جا رہا ہے' طاقت کی خوراکیں دی جا رہی ہیں تاکہ مزید شیر ہو جائیں وہ میرا باپ نہیں دشمن ہے اور تم یہ بات سمجھتی نہیں' یہ وہ شخص ہے۔ جس نے ہماری شادی میں شرکت نہیں کی تھی لوگ پوچھتے پھر رہے تھے اور ہم جھوٹی وضاحتیں دے دے کر تھک گئے یہ میرا باپ جو مجھے بددعائیں اور کوسنے دیتا ہے' ایسے ہوتے ہیں باپ''۔ وہ سلطان صاحب کی سمت ہاتھ بڑھائے انگلی اٹھائے حرم کو کم انہیں زیادہ سنا رہا تھا۔ حرم تھر تھر کانپنے لگی اب اس کی خیر نہیں تھی۔ سلطان صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے' حرم کو اپنا باپ یاد آ گیا' وہ سلطان صاحب کی خدمت اس لئے نہیں کرتی تھی کہ وہ اکبر کا باپ تھا بلکہ اس لئے کرتی تھی کیونکہ اسے سلطان صاحب میں اپنا باپ نظر آتا تھا' بیمار' بے بس' ولا چار بوڑھا باپ۔

''ابا جی کی کچھ لگتی' اب تم کیوں رو رہی ہو' کیا میرا جنازہ گھر آیا ہے' مر گیا ہوں میں؟'' وہ دھاڑا اس کے رونے میں مزید شدت آ گئی اس سے پہلے کے حرم کچھ اور کہتا روبینہ اندر آ گئیں تھیں۔

''اکبر کیا شور مچا رکھا ہے' پھر کیا افتاد آن پڑی؟'' وہ کمرے کا منظر دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھیں کہ اکبر کس بات پر غصہ ہوا ہوگا۔

''اپنی اس معصوم بہو سے پوچھیں میں اس لئے اسے اپنے گھر لایا تھا کہ یہ بھی میرے باپ کے ساتھ مل کر میرا دل جلاتی رہے وہ کم تھا ناں''۔ اکبر پھر بگڑنے لگا۔

''حرم کتنی بار تمہیں منع کیا ہے' میں ہوں ناں' تم کیوں اپنے لئے مشکلات کھڑی کرتی ہو' اگر اپنی خوشی سے کچھ بنا لیتی ہو تو مجھے بتا دیا کرو' میں اکبر کے ابا کو کھلا دیا کروں گی' کم از کم تم دونوں میں اختلاف تو نہیں ہوگا ناں' جاؤ شاباش''۔ وہ اکبر کا اپنے باپ سے بیر جانتی تھیں اسی لئے مصالحت آمیز لہجے میں بولیں۔ سلطان صاحب پر کیا گزر رہی تھی کسی کو معلوم ہی نہ تھا' صرف ایک حرم تھی جوان کا درد سمجھ رہی تھی وہ اکبر سے بلاوجہ خفا نہیں تھے حق بجانب تھے مگر اکبر کو کون سمجھاتا؟ باپ بیٹے کی ایسی دشمنی کہ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہ تھے۔

''چلو''۔ اب کے اکبر نے اسے سرخ سرخ نظروں سے گھورا' حرم اس کے پیچھے سر جھکائے چل پڑی۔

''آہ...... وقت کی ستم ظریفی کیسے کیسے وقت اور حالات دکھاتا ہے کہ بیٹی باپ کے قاتل کا حکم ماننے پر مجبور ہے''۔ روبینہ نے شوہر کو دیکھا جن کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو جمع تھے اور وہ بہو بیٹے کی پشت کو حسرت و

افسوس سے تک رہے تھے۔

"جس دن یہ شخص مر بھی گیا' مجھے ذرا برابر دکھ نہ ہوگا کہ میرا باپ مرا ہے"۔ اکبر کی حرم سے کہی بات کو والدین نے سنا تھا۔ بوڑھا فالج زدہ باپ بیٹے کی بات پر آدھا مر گیا تھا۔

☆☆☆☆

"بیٹا تم کب تک ہمیں ٹالتے رہو گے' چار برس کا عرصہ کم تھوڑی ہوتا ہے' پہلے تم کہتے تھے سعدیہ اور سیماب کی رخصتی ہو جائے تو میں پاکستان آ کر شادی کر لوں گا' اب تو وہ بہانہ بھی نہیں رہا' وہ اپنے گھر بار میں بہت خوش اور آسودہ ہیں بیٹے کب یہ جلاوطنی کی سزا ختم کرو گے' بوڑھے ماں باپ کی آنکھیں ترس گئیں' علی بھی تمہیں بہت یاد کرتا ہے' تم آؤ گے تو ہماری تنہائی دور ہو جائے گی"۔ زبیدہ کی آواز میں اب وہ دبدبا اور دھونس نہیں ہوتا تھا' فرحان کا دل کرلایا تھا۔

"اور میری تنہائی کون دور کرے گا"۔ پاگل دل آج بھی حرم کو بھلانے میں ناکام تھا' پہلے روز کی طرح دل کے اونچے مسند پر براجمان تھی۔

"چھٹی ملے گی تو آ جاؤں گا"۔ وہ بے دلی سے بولا' زبیدہ اس کی بے نیازی پر تڑپ اٹھیں۔

"یہ تو عرصہ ہوا تم کہتے آ رہے ہو' بہنوں کی شادی پر بھی نہ آئے آخر وقت تک وہ تمہاری راہ دیکھتی رہیں پیسے بھجوا کر تم سمجھتے ہو ہم بہل جائیں گے' بیٹا مت کرو ہمارے ساتھ ایسا' ہمیں پیسہ نہیں بیٹا چاہیے' بس تم آ جاؤ"۔ وہ آبدیدہ ہو گئیں۔ فرحان خاموش سا ہو گیا تھا' چاہے کچھ بھی ہوتا تو بیٹا ماں کے دکھ نے اداس کر دیا تھا۔

"کاش میں نے حرم کو بہو بنا لیا ہوتا' میرا بیٹا آج یوں اجاڑ اور ویران تو نہ ہوتا' اس کی خاموشی اور ناراضی بجا ہے میں نے کوئی کم ظلم تھوڑی کیا ہے' اس سے اس کی محبت چھینی ہے' ظالم سماج کا کردار تو لوگ ادا کرتے ہیں اور میں خود ہی بیٹے کی دشمن بن گئی"۔ زبیدہ بے آواز روتے ہوئے خود کو خطاوار ٹھہراتی رہیں۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اپنی سوچوں میں گم تھے۔

"فرحان بیٹے! جس کا جوگ لیے تم ہم سے دور رہے خود کو سزا دیتے رہے وہ اپنے گھر میں بس چکی ہے اکبر سے اس کے تین بچے ہیں وہ بہت مطمئن ہے بیٹا' اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر بھول جاؤ"۔ جس موضوع سے وہ ہمیشہ کتراتی تھیں بالآخر آج خود ہی بیٹے کے سامنے بیان کر دیا تھا ایک ماں کی بے بسی کا اعتراف۔

"آہ اماں' تو آپ جانتی تھیں اور پھر بھی"۔ فرحان کی سانس آہ کی صورت نکلی' دل کا درد آنکھوں میں جھلملا گیا' وہ بہت بہادر تھا زندگی میں بہت کم آنسو روئے تھے مگر حرم کے معاملے میں وہ بے بس ہو جاتا تھا' آج بھی حرم کی یاد اس کی آنکھیں نم کر دیتی تھی۔

"مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں' غلطی میری تھی ناں' کیوں محبت کے اظہار سے ہچکچاتا رہا"۔ اب اس ٹاپک پر بات کرنا فضول ہے۔ دل کڑا کر کے اس نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا بیٹا اپنا خیال رکھنا' تمہارے ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ سو رہے ہیں وگرنہ تم سے بات کرتے' بہت یاد کرتے ہیں تمہیں اپنا خیال رکھنا' خدا حافظ"۔ زبیدہ نے اس کی بے دلی محسوس کر کے خود ہی فون رکھ دیا۔

"خدا حافظ"۔ وہ بھی ٹھنڈی سانس لیتا فون بند کر گیا' دروازے پر بیل بجی تھی وہ کوفت سے اٹھا دروازے کے پار صوفیہ کھڑی مسکرا رہی تھی ہاتھ میں سندھی بریانی اور کھیر سے سجی ٹرے پکڑے۔

"مجھے پتہ ہے فرحان تم مجھے اندر آنے کو نہیں کہو گے مگر پڑوسیوں کا تو السلام میں بہت حق ہوتا ہے اور میں

بہت خیال رکھنے والی لڑکی ہوں' خود ہی اندر آجاؤں گی''۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس کا نام بگاڑتی اندر چلی آئی۔ کچن کی سلیب پر اس نے ٹرے رکھی اور کوریڈور سے ہوتے ہوئے بیرونی دروازے تک آگئی جہاں اب تک فرحان دروازے کا کھلا پٹ پکڑے کھڑا تھا۔

''یاد سے کھالینا' بہت دل سے بنائے ہیں''۔ وہ کہہ کر چلی گئی۔ فرحان نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ صوفیہ اس کے سامنے والے فلیٹ میں کئی برسوں سے اپنی بوڑھی ایرانی ماں کے ساتھ قیام پذیر تھی' چند سال پہلے ہی ان کا انتقال ہوا تو صوفیہ اکیلی ہوگئی وہ ماں بیٹی فرحان کا بہت خیال رکھتی تھیں' صوفیہ کا پاکستانی باپ اس کی پیدائش کے بعد اس کی ماں کو طلاق دے کر چھوڑ گیا تھا' صوفیہ کی ماں نے ایک بار اس سے بات کی تھی کہ وہ چاہتی ہیں فرحان صوفیہ سے شادی کرلے مگر اس نے سختی اور بدلحاظی سے جواب دیا تھا' اس کے بعد بھی صوفیہ کی ماں نے اس ٹاپک کو نہیں چھیڑا' مگر فرحان کو صوفیہ کی محبت مستقل پریشان اور ڈسٹرب کیے رہی' وہ بہت خیال رکھتی تھی فرحان کا' وہ اس سے بہت روڈلی بیہو کرتا تھا مگر صوفیہ جانے کس مٹی کی بنی تھی ہر وقت ہنستی مسکراتی حاضر ہوجاتی' اس کی خاموش محبت اس کی نیلی حسین آنکھوں سے چھلکتی تھی اور یہی چیز فرحان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

''روشنی بھر گئی نگاہوں میں
ہو گئے خواب بے اماں جاناں
حال یہ ہے کہ خواہش' پرِسش حال بھی نہیں
اس کا خیال بھی نہیں' اپنا خیال بھی نہیں
میرے زمان و ذات کا ہے یہ معاملہ کہ اب صبح
فراق بھی نہیں' شام وصال بھی نہیں''

☆☆☆☆

''چھ سال کا عرصہ کیسے میں نے اس پاگل شخص کے ساتھ گزار دیا' سمجھ ہی نہیں آتا محبت کی ایسی قسم سے تو میں واقف نہیں تھی' اکبر جنگجو نے مجھے واقف کر دیا' ایک وہ شخص تھا جس نے کبھی اظہار نہیں کیا مگر اس کی محبت نے ہر سو بہار اگا دیئے تھے میرے اندر' اور ایک یہ شخص جس نے میری ذات کو خزاں بنا دیا ہے' لگتا ہی نہیں کہ میں زندہ ہوں' میرا دل مر چکا ہے' کس شے کی تمنا کوئی خواہش دل میں جاگتی ہی نہیں' میرے دونوں جڑواں بیٹے جو بالکل باپ کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں خدا کرے وہ مزاج میں باپ پر نہ جائیں اپنے باپ کی طرح نہ بنیں اور میری تیسری اولاد میری بیٹی حور یہ جو بالکل مجھ پر گئی ہے' بیٹیوں کو دیکھ کر ڈر جاتی ہوں' مگر بیٹی کو دیکھ کر دل مسرت سے بھر جاتا ہے' ابھی صرف تین سال کی ہے مگر ڈرتی ہوں خدا اس کی قسمت کو میری طرح نہ بنائے' وہ جوان ہو کر کسی اکبر جنگجو کی محبت کی بھینٹ نہ چڑھے' وہ اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ مجبوری اور لاچاری کی زندگی نہ بسر کرے''۔ حرم آج بھی پہلے دن کی طرح معصوم اور حسین تھی' اکبر سے اس کا خوف اب تک نہیں نکلا تھا اس کی ایک آواز پر وہ بھاگی بھاگی جاتی کہ ایک منٹ کی دیر اکبر کو آگ بگولا کر کے اس کے قہر کو آواز دے گی' وہ اس سے اب بھی بہت محبت کرتا تھا' مگر کوئی چھوٹی سی خطا بھی اس کی ڈکشنری میں قابل معافی نہ تھی۔ وہ اتنے سال اکبر کے نکاح میں رہ کر اس کے بچوں کی ماں بن کر بھی' اکبر سے مانوس نہ ہوسکی تھی کسی جابر و ظالم آقا کی طرح اس سے دب کر اور خوفزدہ ہو کر رہتی تھی میں بھی بہت عجیب ہوں اتنی عجیب ہوں کہ بس خود کو تباہ کرلیا اور ملال بھی نہیں۔

ملال ہوتا بھی تو کس کے لئے؟؟ وہ جو بہت دور بیٹھا کسی معجزے کا منتظر لب سیئے ساری زندگی حرم کی محبت کے نام پر گزارنے والا تھا' کبھی اپنے ساتھ کا اپنے ہونے کا یقین نہیں دیا تھا' ایک دوبار جو اس نے فرحان کی نظروں میں محسوس کیا تھا وہ بھی اب جھوٹ اور فریب لگتا تھا' اگر وہ سچ تھا تو پھر حرم کو کسی امید کسی عہد میں کیوں نہ باندھا؟

ایک بار تو کہتا' اشاروں کنایوں میں ہی اپنے ساتھ کا مان بخش دیتا تو آج وہ اتنی مایوس اور تنہا نہ ہوتی' اکبر نے گھر میں داخل ہو کر کمرے تک آتے ہوئے کئی بار حرم کو آواز دی تھی اور یہ پہلی بار تھا کہ کوئی جواب نہیں آیا تھا' وہ کمرے کے دروازے تک پہنچا تو حرم گلے میں پہنے نازک سا لاکٹ چین نازک انگلیوں میں دبائے نم آنکھوں سے شیشے میں دیکھتی گہری سوچ میں گم تھی۔

''یہ وہی چین تھی جو فرحان نے سعدیہ اور سیماب کے ساتھ ساتھ اس کے لئے بھی خریدی تھی اور اتنے سالوں میں اکبر نے کسی ایک پل بھی اسے حرم کے گلے سے اترے نہیں دیکھا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے؟ اکبر نے پاس آکر دائیں پہلو کی طرف کھڑے ہو کر سوچ میں گم حرم کو بھاری گھمبیر لہجے میں مخاطب کیا تھا' وہ اچھل کر دل پر ہاتھ رکھتی دو قدم پیچھے ہوئی تھی' آج بھی تم مجھ سے ویسے ہی ڈرتی ہو جیسے پہلے دن ڈرتی تھیں''۔ وہ افسوس سے بولا لہجہ عجیب سا تھا۔ وہ خاموش رہی' ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

''ویسے...... اکثر میں سوچتا ہوں کہ ناحق تم پر ظلم کیا' زبردستی ڈرا دھما کر تم سے شادی کی' میں ناں ہوتا تو آج تم فرحان کے ساتھ مطمئن خوشحال زندگی گزار رہی ہوتیں''۔ ہمیشہ کی طرح اس نے حرم کا دل جلایا تھا۔

''وہ میرے بھائی کی طرح ہیں''۔ حرم نے نم آنکھوں سے اکبر کو دیکھتے بھرائی آواز میں کمزور سا دفاع کیا تھا اپنا۔

''اچھا......'' وہ استہزائیہ ہنسا۔

''بھائی کی طرح ہیں' بھائی تو نہیں ہے ناں''۔ اکبر کی بات پر حرم کا سر روتے ہوئے زور و شور سے ہلنے لگا تھا نفی میں۔

''محبت تھی...... مگر میں نے مہلت نہ دی ورنہ شادی تو لازماً کر ہی لیتے''۔ اس نے ایک ہی بات پر اکتفا نہیں کیا تھا چرکے ابھی باقی تھے۔

''ہمارے درمیان ایسا کچھ نہیں تھا' فرحان بھائی ایسے نہیں''۔ حرم نے پہلی بار فرحان کے دفاع میں براہ راست اس کا نام لے کر کچھ کہا تھا۔

''تم دونوں کے درمیان محبت تھی جس سے تم مکر نہیں سکتیں' میں درمیان میں آیا تھا یہ تو حقیقت تھی' جسے چھپایا نہیں جا سکتا' اگر محبت نہ ہوتی تو آج تم جیسی ڈرپوک لڑکی میرے سامنے فرحان کے لئے نہ بولتیں' ایسی جرات پہلے تو تم نے کبھی نہیں دکھائی''۔ اکبر کی مدلل دلیل پر حرم چپ رہ گئی تھی۔

''نہیں ہے ناں کوئی جواب؟ اچھا ایک بات کا جواب تو دو؟'' اس نے پینترا بدلا۔ اچانک اس تبدیلی نے حرم کو مزید خوفزدہ کر دیا تھا۔

''کبھی تم میرے سامنے نہیں مسکرائیں میرے باپ کے پاس بیٹھ کر تم ایسی کیا گفتگو کرتی تھیں کہ دونوں کا موڈ خوشگوار ہو جاتا تھا؟ یقیناً میری برائی' مگر ہو سکتا ہے تم ان سے فرحان کے بارے میں بات چیت کرتی ہو گی' تبھی چہرے پر مسکان آتی تھی' میں نے باپ کی موت کے بعد تمہیں پھر سے پہلے کی طرح سنجیدہ اور سوگوار دیکھا ہے' وہ میرا باپ تھا یا تمہارا' مجھے کبھی کبھار حیرت ہوتی ہے' فرحان تم سے رابطہ کیوں نہیں کرتا' تم دونوں کو جب ایک دوسرے کی یاد آتی ہے تو پھر چوری چھپے ایک دوسرے کے لئے آنسو بہانے اور یاد کرنے کی کیا ضرورت' ملو' بات کرو' کسی نے منع تھوڑی کیا ہے''۔

(باقی آئندہ)

ردا کی ڈائری

عائشہ کی ڈائری سے

خوب صورت نظم

دسمبر کی ٹھٹھرتی رات
غیالی چاندنی
دھند میں سمٹی تمہاری یاد کی سرسرائی
چادر جب میرے شانوں سے ڈھلکنے لگی
تو اس پل کھڑکی سے لپٹی
سرد مدھم، بے لباس ہوا کہنے لگی
دسمبر لوٹ آیا ہے
اسے اب لوٹ آنا چاہیے
ہاں!
اسے اب لوٹ آنا چاہیے

تانیہ کی ڈائری سے

خوب صورت نظم

دسمبر کی آخری شام
یہ شام یاد رکھنا
تیری نگاہ سے جب میں اپنی نگاہ
چھڑا کے پلٹ رہی تھی
تو تم نے کچھ بھی نہیں کہا تھا
نہ میں نے کچھ سنا تھا
مگر ہوا میں نمی اچانک بڑھ گئی تھی

فرحت کی ڈائری سے

ایک نظم

میں آج بھی تنہا ہوں
اس راہِ محبت میں
بس سرد سے موسم میں
کچھ سرد سے آنسو ہیں
کچھ سرد سے لمحے ہیں
کچھ سرد سی آہیں ہیں
تاریک سا کمرہ ہے
اور
دیواروں پہ یہ نقش عبارت ہے
یادوں میں ٹھٹھرتا سا
یہ ماہ ہے دسمبر کا

ایم جے قریشی کی ڈائری سے

ڈاکٹر نجمہ شاہین کی نظم

دسمبر
جب بھی آتا ہے
وہ پگلی پھر سے روتی ہے
پرانے خط پڑھتی ہے
کہ جن میں اس نے لکھا تھا
میں لوٹوں گا دسمبر میں
نئے کپڑے بناتی ہے

وہ سارا گھر سجاتی ہے
دسمبر کے ہر ایک دن کو
وہ گن گن کے بتاتی ہے
جونہی پندرہ گزرتی ہے
وہ کچھ کچھ ٹوٹ جاتی ہے
نہیں معلوم پر اس کو
بیتے وقت کی خوشیاں بہت تکلیف دیتی ہیں
محض دل کو جلاتی ہیں
یونہی دن بیت جاتے ہیں
دسمبر! لوٹ جاتا ہے
مگر وہ خوش فہم لڑکی
دوبارہ سے کیلنڈر میں
دسمبر کے مہینے کو موڑ لاتی ہے
پھر سے دسمبر کے سحر میں ڈوب جاتی ہے
کیونکہ اس نے لکھا تھا
میں لوٹوں گا دسمبر میں
میں لوٹوں گا دسمبر میں

جہاں پر ریت کے ذرے ستارے ہیں
گل و بلبل مہ و انجم وفا کے استعارے ہیں
جہاں دل و سمندر ہے کئی جس کے کنارے ہیں
جہاں قسمت کی دیوی
مٹھیوں میں جگمگاتی ہے
جہاں دھڑکن کی لے پر
بے خودی نغمہ سناتی ہے
دسمبر! ہم سے نہ پوچھ ہمارے شہر کی بابت
یہاں آنکھوں میں گزرتے
کارواں کی گرد ٹھہری ہے
محبت برف جیسی ہے یہاں
اور دھوپ کے کھیتوں میں اُگتی ہے
یہاں جب صبح آتی ہے تو
شب کے سارے سپنے
راکھ کے اِک ڈھیر کی صورت میں ڈھلتے ہیں
یہاں جذبوں کی ٹوٹی کرچیاں
آنکھوں میں چبھتی ہیں
یہاں دل کے لہو میں اپنی پلکوں کو
ڈبو کر ہم سنہرے خواب سیتے ہیں
پھر اُن خوابوں میں جیتے ہیں
انہی خوابوں میں مرتے ہیں۔
دریدہ روح کو لفظوں سے سینا گو نہیں ممکن
مگر پھر بھی؟
دسمبر اب کے آؤ تو......؟
تم اس شہر تمنا کی خبر لانا
دسمبر اب کے آؤ تو؟

.......☆.......

شائقہ کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

دسمبر اب کے آؤ تم!
تم اس شہرِ تمنا کی خبر لانا
کہ جس میں جگنوؤں کی کہکشائیں جھلملاتی ہیں
جہاں تتلی کے رنگوں سے
فضائیں مسکراتی ہیں
وہاں چاروں طرف خوشبو وفا کی ہے
اور جو اس کو پوروں سے نظر سے چھو گیا
پل بھر مہک اٹھا
دسمبر اب کے آؤ تو!
تم اُس شہر تمنا کی خبر لانا

اشعار

ماریہ یاسر ———— کراچی
تیری جھیل سی گہری آنکھیں مجھے بے گانہ کر دیتی ہیں
اگر میں ان میں ڈوب جاؤں، مجھے ساحل پہ چھوڑ تم آنا

مس فرحت ———— کھاریاں
دسمبر جب بھی لوٹتا ہے میرے خاموش آنگن میں
میرے بستر پہ بکھری ہوئی کتابیں بھیگ جاتی ہیں

مس طیبہ ———— کھاریاں
اے قاصد ان سے کہنا ان دنوں ہم سے رابطہ بحال رکھے
سنا ہے اکثر لوگ دسمبر میں بچھڑ جاتے ہیں

مس تانیہ ———— کھاریاں
ٹھنڈی ہوائیں کیا چلیں میرے شہر میں
ہر طرف یادوں کا دسمبر بکھر گیا

مس اسماء ———— کھاریاں
بچھڑ جانے کی مایوسی ملن کی آس لگتا ہے
دسمبر کس لیے آخر ہمیشہ خاص لگتا ہے

مس عائشہ ———— کھاریاں
پچھلے دسمبر میں کہا تھا کہ لوٹ آؤں گا
دیکھو تم نہیں لوٹے دسمبر لوٹ آیا ہے

عانیہ نیازی ———— ربوہ
اس سے بچ کر گھٹاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
گئے ہوؤں کی صداؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
ہم اردگرد کے موسم سے جب بھی گھبرائیں
ترے خیال کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں

ملک جواد نواز ———— ڈی آئی خان
دسمبر جب بھی لوٹتا ہے میرے خاموش آنگن میں
میرے بستر پہ بکھری ہوئی کتابیں بھیگ جاتی ہیں

اسماء جمشید ———— ڈی آئی خان
ٹھٹھرتی ہوئی شب سیاہ وہ بھی طویل تر
ہجر کے ماروں پر قیامت ہے دسمبر

عامر نواز ———— ڈی آئی خان
اے قاصد ان سے کہنا ان دنوں ہم سے رابطہ بحال رکھے
سنا ہے اکثر لوگ دسمبر میں بچھڑ جاتے ہیں

سیما ناصر ———— ڈی آئی خان
ٹھنڈی ہوائیں کیا چلیں میرے شہر میں فرحت
ہر طرف یادوں کا دسمبر بکھر گیا

سمیع اللہ ———— ڈی آئی خان
کوئی بڑا نہیں ہے جو اسے روک سکے
راتوں سے کھیلتا ہے بدمعاش دسمبر

روبینہ سجاد ———— ڈی آئی خان
یادوں کی شال اوڑھ کے آوارہ گردیاں
ہم بھی کاٹ رہے دسمبر کی سردیاں

آسیہ احمد ———— کراچی
اس خوشی کے موقع پر کیا تحفہ پیش کروں
سوچا پیار بھرے خلوص کا نذرانہ پیش کروں

دل میں بسی تمہاری محبت اور چاہت
پیار بھرے دل میں دعاؤں کا خزانہ پیش کروں
لاریب نور ——— حیدر آباد
بے فائدہ ہے زندگی میں لوگوں کا ہجوم
پُرخلوص جو آپ جیسے مل جائیں تو بس
محمد بلال ——— کوئٹہ
مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ انتظار دیکھ
آمنہ زیدی ——— کراچی
ہمارے چمن میں پھولوں کی کمی تو نہیں
وہ اک صرف تم ہو جسے ہم گلاب کہتے ہیں
حنا فرحان ——— کراچی
اک گزارش ہے میری اے میرے محسن
کہ مجھ پیاری سی کو بھی دعاؤں میں یاد رکھنا
نمرہ مسکان ——— پشاور
میرے چہرے پر ستارے وہ چنا کرتا تھا
میری آنکھوں کو کنول پھول کہا کرتا تھا
اس کو معلوم نہیں یاد ہو بھی کہ نہ ہو
وہ جو پیمان محبت میں کیا کرتا تھا
ماہا طارق ——— لاہور
چھوڑ جاؤ یہی مناسب ہے
پھر نہ آؤ یہی مناسب ہے۔
عشق پاگل ہے، عشق اندھا
ڈوب جاؤ یہی مناسب ہے
ایمن مختار ——— جھنگ
کسی کلی نے بھی دیکھا نہ آنکھ بھر کے مجھے
گزر گئی جرسِ گل اداس کر کے مجھے
میں سو رہا تھا کسی یاد کے شبستان میں
جگا کے چھوڑ گئے قافلے سحر کے مجھے

صوبیہ رضوی ——— کراچی
یوں رشتہ بھی تجھ سے نبھایا ہے میں نے
تیرے غم کو اپنا بنایا ہے میں نے
اسے بھول جانے کا سوچا جو میں نے
تو مشکل سے دل کو منایا ہے میں نے
صوبیہ رضوی ——— کراچی
ابھی تو عشق میں ایسا بھی حال ہونا ہے
کہ اشک روکنا تم سے محال ہونا ہے
ہر ایک لب پہ ہیں میری وفا کے افسانے
ترے ستم کو ابھی لازوال ہونا ہے
عائشہ پرویز ——— منڈی بہاؤالدین
اپنی پلکوں سے بلائیں تو غضب ہوتا ہے
آنکھ سے آنکھ ملائیں تو غضب ہوتا ہے
روٹھ جاتی ہیں دعائیں تو غضب ہوتا ہے
درد پھر ہاتھ بڑھائیں تو غضب ہوتا ہے
سنبل خان ——— کوہاٹ
ترک محبت کر بیٹھے ہم ضبط محبت اور بھی ہے
ایک قیامت بیت چکی ہے ایک قیامت اور بھی ہے
ہم نے اسی کے درد سے اپنے سانس کا رشتہ جوڑ لیا
ورنہ شہر میں زندہ رہنے کی صورت اک اور بھی ہے
راؤ تہذیب حسین ——— رحیم یار خان
نہ ان کا مذہب و مسلک نہ دین ہے کوئی
یہ آدمی ہیں مگر آدمی کے دشمن ہیں
یہ صرف کھیل سمجھتے ہیں کھیلنا خون سے
عجیب لوگ ہیں جو زندگی کے دشمن ہیں
رزمیہ حیدر ——— کراچی
کوئی وعدہ وفا نہ کر کے مجھے
بے وفا لوگ اچھے لگتے ہیں
......☆......

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

غلاموں کا الزام لگانا

حضرت لقمانؑ ایک شخص کے غلام تھے۔ وہ امیر اپنے تمام غلاموں میں لقمان ہی کو بہت کمزور اور بدرو پاتا تھا۔ وہ امیر سب غلاموں کو میوہ چننے کے لیے باغ روانہ کیا کرتا تھا۔ لقمان بھی ان سب غلاموں کے ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ سر سے پیر تک عقل مجسم مگر صورت کالی رات کی طرح سیاہ تھی۔ وہ غلام جو میوے جمع کرتے ان میں سے خود بھی کھا جاتے تھے۔ ایک بار امیر کو خبر ہوگئی اس نے دریافت کیا تو غلاموں نے جواب دیا کہ لقمان کھا گیا۔ امیر، لقمان پر خفا ہوا اور ان پر سختی کرنے لگا۔ جب حضرت لقمان نے عرض کی کہ اے مالک! خدا کے پاس بے ایمان بندے کی بخشش نہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آزمائش کی جائے اس کی صورت یہ ہے کہ گرم پانی سب کو پلایا جائے اور ایک جنگل میں آپ سوار ہو کر گھوڑا دوڑائیں اور ہم سب آپ کے گھوڑے کے ساتھ دوڑیں۔ اس کے بعد بھیدوں کے کھولنے والے خدا کی مدد سے تو اصلی چور کو پا جائے گا۔

امیر نے گرم پانی تیار کرایا اور سب غلاموں کو خوف کے مارے پینا پڑا اور پھر ان کو جنگلوں اور کشت زاروں میں خوب دوڑایا۔ اس دوڑ دھوپ سے ان کا جی متلانے لگا اور آخرکار سارا کھایا پیا نکل گیا اور لقمان کے جو قے ہوئی وہ صرف پانی نکلا۔

جب لقمانؑ کی حکمت یہ کچھ کر سکتی ہے تو مالک الملک کی حکمت کھوٹے کھرے کو الگ کر کے دکھانے میں کیا کچھ نہیں کر سکتی۔

حکایت رومی سے اقتباس

عانیہ نیازی۔ ربوہ

میرا دل

میرے دل نے مجھ سے کہا کہ میں ان چیزوں سے محبت کروں جن سے دوسرے لوگ نفرت کرتے ہیں اور ان لوگوں سے دوستی کروں جنہیں دنیا ملامت کرتی ہے۔

میرے دل نے مجھ سے کہا کہ جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں تو میں پہرہ دوں اور وہ جاگتے ہوں۔ تب محو خواب ہو جاؤں کیونکہ میں عمر بھر ان لوگوں کے خواب نہ دیکھ سکا اور نہ انہوں نے میرے خواب دیکھے لیکن اب میرے خواب دن کے وقت پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ سوتے ہیں تو میں انہیں رات کی فضا میں آزاد دیکھتا ہوں اور ان کی آزادی پر خوش ہوتا ہوں۔

کلیات خلیل جبران سے انتخاب

نور بانو۔ کوئٹہ

اس ماہ کا فلسفہ

انسان پریشان اس وقت ہوتا ہے جب اس کے دل میں کسی بڑے مقصد کے حصول کی خواہش ہو لیکن اس کے مطابق صلاحیت نہ ہو پر سکون رہنے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو خواہش کم کی جائے یا صلاحیت بڑھا دی جائے۔

نوشین مدثر۔لاہور

اس ماہ کا قطعہ

شعر لکھنے سے بات کرنے سے
حق بھلا کس طرح ادا ہو گا؟
عمل پیہم ہی جب نہیں ہم میں
ملک کیونکر پھر کھڑا ہو گا؟

سباس گل۔رحیم یار خان

اس ماہ کی مہکتی کلیاں

☆ عورت کا مطلب ہے چھپی ہوئی چیز۔لہٰذا جتنا چھپ کر رہے گی اتنی ہی اسم با مسمی ہو گی۔

☆ کسی سے تلخ ہوتے ہوئے اتنی گنجائش ضرور رکھو کہ اگر واپس آنا پڑے تو راستہ کٹھن نہ ہو۔

☆ شک ایک آگ کی طرح ہے جو اچھی سے اچھی چیز کو بھی جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔

☆ ہماری قسمت کا فیصلہ ہماری زبان کی نوک پر ہوتا ہے۔

☆ ہر آنکھ دیکھتی ضرور ہے مگر ہر آنکھ محسوس کرنے والی نہیں ہوتی۔

☆ ہر ایک کی سنیں اور ہر ایک سے سیکھیں۔ کیونکہ ہر کوئی سب کچھ نہیں جانتا۔لیکن ہر ایک کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔ اگر قسمت میں سب کچھ لکھ دیا جاتا تو اللہ سے دعا کا رشتہ کون نبھاتا۔

☆ کبھی کسی کو مت آزمائیں۔ ہو سکتا ہے وہ مشکل میں ہو اور آپ کی آزمائش پر پورا نہ اترے تو دکھ صرف آپ کی ذات کو ہو گا۔

فرزانہ شوکت۔کراچی

اس ماہ کی غزل

ابھی ہجر کا قیام ہے اور دسمبر آن پہنچا ہے
یہ خبر شہر میں عام ہے اور دسمبر آن پہنچا ہے
آنگن میں اتر آئی ہے مانوس سی خوشبو
یادوں کا اژدھام ہے اور دسمبر آن پہنچا ہے
خاموشیوں کا راج ہے خزاں تاک میں ہے
اداسی بھی بہت عام ہے اور دسمبر آن پہنچا ہے
تیرے آنے کی امید بھی ہو چلی معدوم
نئے برس کا اہتمام ہے اور دسمبر آن پہنچا ہے
خنک رات میں تنہائی بھی چوکھٹ پہ کھڑی ہے
جاڑے کی اداس شام ہے اور دسمبر آن پہنچا ہے
تم آؤ تو میرے موسموں کی بھی تکمیل ہو جائے
نئی رت تو سر بام ہے اور دسمبر آن پہنچا ہے

شاعرہ: ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ
انتخاب: ملک جواد نواز۔ڈی آئی خان

اس ماہ میں کام کی باتیں

☆ ایک دوسرے کو دعاؤں میں یاد رکھا کرو۔ ہو سکتا ہے کسی کا بہت بڑا کام تمہاری چھوٹی سی دعا کا محتاج ہو۔

☆ دل کے دروازے کبھی کسی پر مکمل بند نہیں کریں۔ غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ بعض لوگ واپس لوٹنا بھی چاہتے ہیں لیکن انہیں دروازے بند ملتے ہیں۔

☆ ادب کا دروازہ اتنا چھوٹا اور تنگ ہوتا ہے کہ اس میں داخل ہونے کے لیے اپنا سر جھکانا پڑتا ہے۔

☆ سچے دوست خوشیوں میں زینت اور پریشانیوں میں سہارا ہوتے ہیں۔
☆ شکر ہے صرف گرمی ہے، ورنہ اعمال تو عذاب والے ہیں۔
☆ میں (ایم بی بی ایس) اور (پی ایچ ڈی) بھی کرلوں تو اپنی ماں کا چہرہ دیکھ کر کبھی اس کی پریشانی نہیں بتا سکتی۔ مگر میری ماں بے شک اسے اپنا نام بھی لکھنا نہیں آتا مگر پھر بھی وہ میری مسکراہٹ کے پیچھے چھپا وہ دکھ اور میری آنکھوں کے اندر لکھی ہوئی پریشانی پڑھ لیتی ہے۔

I Love you Maa

شائقہ ایاز۔ لیہ

اس ماہ میں محبت

محبت وحی کی صورت
کیوں دل پر نازل ہوتی ہے
کبھی تھم جائیں سب دھڑکنیں
کبھی دل زوروں دھڑکاتی ہے
کبھی رکنے لگیں سانسیں
کبھی جینا سکھاتی ہے
محبت وحی کی صورت
کیوں دل پر نازل ہوتی ہے
پیاری سی دنیا کے
حسین سپنے سجاتی ہے
کبھی ستائے بے وجہ
کبھی پہروں رلاتی ہے
محبت وحی کی صورت
کیوں دل پر نازل ہوتی ہے
کبھی تو خیال ہی کافی
کبھی دیدار بھی کم ہے
عجب بے ربطی ہے یہ
بہت بے بس بنا گئی ہے
محبت وحی کی صورت
کیوں دل پر نازل ہوتی ہے
محبت ابر کی مانند
کبھی تو برس جاتی ہے
کبھی اپنے پیاسوں کو
پیاسے ہی دشت میں بھٹکاتی ہے
محبت وحی کی صورت
کیوں دل پر نازل ہوتی ہے
ہمیشہ بہت تڑپاتی ہے
کسی کی یاد دلاتی ہے
کبھی تو راس آجائے
کبھی یونہی ستاتی ہے!

سحر مبین۔ فیصل آباد

اس ماہ کی ہری مرچیں

شوہر نے کار چلاتے ہوئے بیگم سے کہا۔ "ذرا کار کی کھڑکیاں تو کھول دو گرمی سے برا حال ہو رہا ہے۔"
بیوی نے جواب دیا۔ "چپ چاپ بیٹھے رہو۔ پیچھے ہمارے پڑوسی اسلم صاحب کی کار آرہی ہے انہیں پتا چل جائے گا کہ ہماری کار میں ایئر کنڈیشنڈ نہیں ہے۔

☆

ایک آدمی نے اپنے نوکر سے کہا۔ تم سب کو صاحب اور صاحبہ کہہ کر بلایا کرو۔ نوکر نے ادب سے جی اچھا صاحب کہا۔ کچھ دنوں کے بعد نوکر بھاگتا ہوا مالک کے پاس آکر بولا۔ صاحب جی صاحب! وہ ہمسائے کی بلی صاحبہ نے ہمارے چوزے صاحب کو دبوچ لیا ہے اور اسے کھا گئی ہے۔

فاطمہ ظہیر۔ کراچی

خوشبو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

☆حضرت انسؓ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے بھی وہ چیز پسند نہ کرے، جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

☆حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جو شخص تم میں سے کسی برائی کو (ہوتے) دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل (روک) دے۔ اگر (ہاتھ سے روکنے کی) طاقت نہیں ہے تو زبان سے (اس کی برائی کو واضح کرے) اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (اسے برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔" (مسلم)

سیدہ نورین۔ کراچی

حضرت علیؓ کا ادھار

قصاب آواز لگا رہا تھا۔ "تازہ گوشت ہے لے لو۔"

وہاں سے حضرت علیؓ کا گزر ہوا۔ قصائی نے آپ کو بھی آفر پیش کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: "آج میری جیب اجازت نہیں دیتی۔"

قصاب بولا۔ "میں آپ سے ادھار کر سکتا ہوں۔" آپ نے حکمت آمیز جملہ ارشاد فرمایا۔

"یہ ادھار میں اپنے پیٹ سے کیوں نہ کر لوں جس کو میں جنت میں اس سے بہتر غذا کھلا سکتا ہوں۔"

عروج فاطمہ۔ کراچی

16 دسمبر 2016ء

(آرمی پبلک اسکول پشاور کے شہید بچوں کو خراج عقیدت)

قلم، کتابیں، بستے خون میں لت پت ہیں
ننھے منے بچے خون میں لت پت ہیں
ماؤں نے جو لنچ میں دے کر بھیجے تھے
انڈے اور پراٹھے خون میں لت پت ہیں
سرخ ہوئی ہے پینٹوں شرٹوں کی رنگت
بوٹ، جرابیں، تسمے خون میں لت پت ہیں
جن میں دن بھر بچے چہکا کرتے تھے
آج وہ سارے کمرے خون میں لت پت ہیں
معصوموں کی لاشوں کو اب کیا معلوم
ان کے کھیل کھلونے خون میں لت پت ہیں
ان ماں باپ کی آنکھوں کا اب کیا ہوگا
جن کے سارے سپنے خون میں لت پت ہیں
خوشبو جیسی بیٹیاں لہولہان ہیں اور
پھولوں جیسے بیٹے خون میں لت پت ہیں
چھوٹی چھوٹی بات پر لڑنے والوں کے
منے منے جھگڑے خون میں لت پت ہیں
کل سے لوٹ کر گھر نہیں آئے ہیں بچے
کل سے سب دروازے خون میں لت پت ہیں

واصف آج فلک کو دیکھ کے لگتا ہے
سورج، چاند ستارے خون میں لت پت ہیں

شاعر: جبار واصف
انتخاب: ایم جے قریشی

لفظوں سے خوشبو

☆ہمسفر وہ نہیں جو آپ کا ساری زندگی ساتھ نبھائے بلکہ ہمسفر تو وہ ہے جو آپ کو لمحوں میں پوری زندگی دے جائے۔

☆اچھا سوچیں اور اچھا بولیے کیونکہ بدزبانی اور بدگمانی دو ایسے عیب ہیں جو انسان کے کمال کو زوال میں بدل دیتے ہیں۔

☆انسان مکان بدلتے ہیں۔ رشتے بدلتے ہیں دوست بدلتے ہیں لیکن پھر بھی دکھی رہتے ہیں کیونکہ وہ اپنا رویہ نہیں بدلتے۔

☆زندگی جینے کے دو راستے ہیں بھول جاؤ انہیں جنہیں معاف نہیں کر سکتے اور معاف کر دو انہیں جنہیں بھول نہیں سکتے۔

☆پریشانی خاموش ہونے سے کم، صبر کرنے سے ختم اور شکر کرنے سے خوشی میں بدل جاتی ہے۔

☆قابلیت اور کردار زندگی میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں قابلیت آپ کو بلندی پر لے جاتی ہے جب کہ اچھا کردار آپ کو ہمیشہ بلند رکھتا ہے۔

عانیہ نیازی۔ ربوہ

میرا نام محبت ہے

کیا نام ہے تیرا، کیوں شوخ ہے تو؟ کیوں بے باک ہے تو؟ کسی کے دل کی امنگ ہے۔ کسی کے سینے کی سانس ہے؟ تو کس دیس سے آئی ہے؟ کس کی نگاہوں کی جستجو ہے؟ کس کی تمناؤں کی یادگار ہے تو؟

میں نے اٹھلا کر غرور سے کہا۔

تقدس سے میری تخلیق ہوئی، ستاروں میں، میں نے پرورش پائی، پھولوں سے میں نے رنگینی لی، کلیوں کی سانس بنی اور موسیقی سے میں نے ترنم لیا۔ ہر ذرے اور ہر فضا میں، میں ہوں، پاکیزگی میں روح ہے اس دل کی جستجو کرتی ہیں جہاں صداقت کے ہالے ہیں اور ان اجالوں میں شرافت کی نگاہیں اور انتظار کی بانہیں ہوں بے باک اس لیے ہوں کہ حسن سے نور حاصل کیا ہے۔ میرا نام محبت ہے۔

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

مکافات عمل......!

ہمارے معاشرے میں کئی گھرانوں میں بوڑھے والدین کو اپنے اوپر بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک شخص نے اپنے بوڑھے والد کو بیوی کے ڈر سے کہا:

"ابا جی میں مجبور ہوں، میں آپ کو اب گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ میں آپ کو تھوڑی دور چھوڑ آتا ہوں، کھانا وقت پر دے آیا کروں گا اور یہ ایک کمبل رکھ لیجیے۔ رات کو اوڑھنے کے کام آئے گا۔"

جب بوڑھے آدمی کا پوتا گھر آیا تو اس نے دادا کے بارے میں پوچھا۔ والد نے جواب دیا کہ ان کو فلاں جگہ چھوڑ آیا ہوں۔ پوتا فوراً اس جگہ گیا اور بڑے میاں سے آدھا کمبل کاٹ کر واپس لے آیا۔

والد نے کہا۔ "یہ تم نے کیا کیا، تمہارے دادا کے پاس تو صرف ایک کمبل تھا۔"

لڑکے نے جواب دیا۔ "یہ آدھا کمبل میں نے آپ کے لیے رکھا ہے جب آپ بوڑھے

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہوں گے تو آپ کو دے دوں گا۔"

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

ہماری بھی سنیئے......!

☆"میں اپنی بیوی سے بالکل نہیں ڈرتا۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں، البتہ بیوی کے غصے سے بہت ڈرتا ہوں۔"

☆"سنو! آج ایک لڑکی مجھے دیکھ کر ہنسی تھی۔"

"اچھا......مگر کیوں......؟"

"کیونکہ میں اس کے سامنے کیچڑ میں پھسل گیا تھا۔"

☆"کل میں نے ایک پرچون کی دکان کھولی تو پولیس مجھے پکڑ کر لے گئی۔"

"ارے ایسا کیوں؟"

"کیونکہ میں نے وہ دکان تالا توڑ کر کھولی تھی۔"

☆"آم کے آم گٹھلیوں کے دام کیسے وصول ہوتے ہیں؟"

"جب خوب صورت بیوی کے ساتھ ڈھیر سارا جہیز بھی ہاتھ آئے۔"

☆"محبوبہ کو چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے جب کہ بیوی کو؟"

"سورج سے......وہ بھی سوا نیزے والے۔"

امتیاز احمد۔ کراچی

مہکتی کلیاں

☆جس کو جیسے حالات دنیا میں پیش آتے ہیں وہ ویسے خیالات دنیا کو دے جاتا ہے۔

☆عورت کا دماغ اتنا کم ہوتا ہے کہ اس کی اپنی ضرورت بھی پوری نہیں کر سکتا۔

☆دل تو میرا بہت بڑا ہے لیکن میرے پاس پیسے بہت کم ہیں۔

☆اندھا اندھے کو منزل پر نہیں پہنچا سکتا۔

☆دنیا کی کوئی شے کسی کی نہیں حتیٰ کہ جسم اور روح بھی۔

☆قدم بڑھاؤ یہ سڑکیں تمہارے لیے ہیں۔

☆ردی سے کتابیں ڈھونڈ کر پڑھ لیا کرو۔

☆دنیا میں اگر کوئی شے سجا کر رکھنے کے قابل ہے تو وہ کتابیں ہیں۔

☆جہالت بیماریوں کی موجب ہے۔

☆میرے رشتے داروں کو میں نہیں میرا مکان پسند ہے۔

ایم ۔ جے قریشی۔ ڈی آئی خان

محبت

خواہش کم ہے
مگر عادت چھوٹتی نہیں

دل
آج بھی بے تاب ہے
تجھے سب سے چرا لینے کو!

محبت میں ایک ہی بات تو زیادہ ایسی ہے جو محبت کو منواتی ہے کہ کتنی ہی صدیاں کیوں نہ بیت جائیں، کیسی ہی بے وفائیاں کیوں نہ ملی ہوں۔ کیسے ہی کٹھن مراحل آ گزرے ہوں۔ محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ محبت ہی تو ایسی شے ہے جو ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ چاہے جیسا ہی رخ اختیار کر لے مگر اپنا آپ منواتی رہتی ہے۔ ایک بار جس دل میں گھر کر جائے وہاں سے فرار نہیں لیتی۔

سحر مبین۔ فیصل آباد

......☆......

ذرا پھر سے کہنا

نظم

وہ جذبات
جو میرے دل میں
تیرے لیے
شدت اختیار کیے جا رہے ہیں
ان کے اظہار کے لیے
میں چاہتی کہ
الفاظ خوب تر ہوں
جو میرے دل میں
شدت اختیار کیے جذبات کا
تم کو
اس قدر احساس ضرور دلا دیں
جتنے کے اہل
میرے جذبات واقعی ہیں
اور
پھر تم آگاہ ہو جاؤ گے
میرے دل و زندگی میں تیری اہمیت سے
اور تم جان جاؤ گے
کہ
تمہاری ہلکی مسکان کی خاطر
کوئی خود میں بخوشی حوصلہ رکھتا ہے
اپنی جان بھی لٹا دینے کا......!

سحر مبین

دسمبر

دن کے اجالے میں
رات کی تاریکی میں
سرما کی پہلی بارش میں
خزاں کے پت جھڑ میں
محفل کی رونقوں میں
دسمبر کی اُداسی میں
مجھے صرف تمہاری ہی یاد آتی ہے
دل کو بے چین کر جاتی ہے
انکھیوں میں نمی سی لے آتی ہے
خوابوں کا اک جہاں بساتی ہے
تم سے صرف یہی بات کہنی ہے
کبھی تو لوٹ کے آؤ
دن کے اجالے میں
رات کی تاریکی میں
سرما کی پہلی بارش میں
خزاں کے پت جھڑ میں
محفل کی رونقوں میں
دسمبر کی اُداسی میں
کبھی تو لوٹ کے آؤ

ماریہ یاسر

سنو دوستو

جو بھی دنیا کہے

اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں
ساری دنیا یہ کہتی ہے
پربت پر چڑھنے کی نسبت اترنا سہل ہے
کس طرح مان لیں تم نے دیکھا نہیں
سرفرازی کی دھن میں کوئی شخص
جب بلندی کے رستے پر چلتا ہے تو
سانس تک ٹھیک کرنے کو رکتا نہیں
اور اسی شخص کا......
عمر کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے
پاؤں اٹھتا نہیں
اسی لیے دوستو جو بھی دنیا کہے
اُس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں

فرزانہ شوکت

نہ جانے کیا چاہوں میں

شبنم کی بوندوں
تم میرے رخسار کو یوں
چھو کر
میرے احساس کو نہ جگاؤ
میں خود میں رہتی ہوں مگن
نہ کسی کو مجھ میں مگن کراؤ
میں نٹ کھٹ سی
البیلی سی
شوخ چنچل رنگوں کی مانند
نکھری نکھری فضاؤں سی
میرا روپ تیکھا تیکھا
مسکان میری
ربائی سی
چپ ہوں تو سارا منظر
ایک لمحے کو ٹھہر جائے
جیسے کوئی
کینوس کسی مصور کی بن جائے
معصوم بھولا پن
اس پر بل کھاتی کالی سنہری زلفیں
ایک بار جو دیکھے مجھ کو
وہ میرا ہو جائے
اس پر یہ کالی آنکھیں
دل کو چھو جائیں
یہ میں جانوں مجھ میں
ایسا کیا ہے
کہ ہر روٹھے ہوئے کو کھینچ لائے
کبھی کبھی جو میں
چاہوں کچھ تبدیلی
یہی خود میں
جان کر بھی نہ جانے کیوں
ایسا نہ کر پاؤں
ایسا کرنے کی لگن
جانے کیوں دھیمی دھیمی چال چلوں میں
جانے کیوں لبوں کو
سی لوں میں
نہ جانے کیوں
کبھی کبھی سوچ میں گہری
دانتوں سے ناخن کتروں میں
ایسا تو بے وجہ ہوتا نہیں ہے
پھر کیوں محفل میں
کیوں چپ چپ سی رہوں میں
موسموں سے زیادہ
رنگ بدلوں میں
ڈرتی ہوں کبھی کبھی

زروہ وصمان

غزل

دل دکھاتے ہو بات کرتے نہیں
مسکراتے ہو بات کرتے نہیں
کیا محبت کا یہ قرینہ ہے
پاس آتے ہو بات کرتے نہیں
پیار کا جب سوال کرتا ہوں
بھول جاتے ہو بات کرتے نہیں
ترچھی نظروں سے دیکھنے والے
دل ملاتے ہو بات کرتے نہیں
دل لبھاتی ہے گفتگو تیری
کیوں ستاتے ہو بات کرتے نہیں
تم سے دیکھا نہیں کوئی شاطر
گھر بُلاتے ہو بات کرتے نہیں

حکیم خان حکیم

غزل

جہاں میں جس شخص کا اک راز داں موجود ہے
سمجھ لو اس شخص کا سارا جہاں موجود ہے
ان کی حیران سی نگاہیں پڑھ کے کہہ سکتا ہوں میں
ان کی آنکھوں میں ہماری داستاں موجود ہے
حیف کہ ویرانیوں کی لذتیں تو نے نہ لیں
کیوں بہاروں کا ذکر جب تک خزاں موجود ہے
کیا شکایت نہ کروں، کیوں نہ کروں، پھر کیا کروں
بول سکتا ہوں ابھی میری زباں موجود ہے
وسعت کائنات کی تسخیر میں کھویا نہ ہو
وسعت دل میں بھی اک کون و مکاں موجود ہے
میں بھری محفل میں غزل کیوں نہ کہوں امتیاز
کہہ رہا جن کے لیے میں وہ یہاں موجود ہے

ایس امتیاز احمد

غزل

غم کی ہواؤں میں ہم نے
یادوں کا چراغ جلایا ہے
روشن چہروں نے اب زمانے میں
کیا پھر سے طوفان اٹھایا ہے
آپ ذرا سی محبت کے لیے
دوستوں نے کیا دل دکھایا ہے
گزرے دنوں کی اب بات نہ کر
زمانے میں ہم نے یہ بھی فریب کھایا ہے
کسی کی ذرا سی جھلک کے لیے
ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے
بھول بھی جاؤ پرانی باتیں اب جاوید
یہ کیسا روگ تو نے زندگی کو لگایا ہے

محمد اسلم جاوید

ہائیکو

کالی کالی گھٹا چھائی
تیرے مل جانے سے
مرے دل میں بہار آئی

☆

لمبی سڑک پہ چل لاری
کیوں آزماتے ہیں
ساجن کی وفاداری

☆

خوشیوں کو ترستا ہے
بھائی جب بھائی کو
بن سانپ جو ڈستا ہے

☆

سب جھگڑے طے کرلو
دل کے ساغر میں
اب پیار کی مے بھرلو

☆

چھلکے ہیں اناروں کے
پھیکے پھیکے لگیں
قصے درد کے ماروں کے

☆

سرسبز پہاڑ ہوں گے
دکھیا لوگوں کے
دل کیوں نہ اجاڑ ہوں گے

ریاض حسین قمر

نظم

چلو آؤ، دور کنارے چلتے ہیں
خوابوں کی رنگین سیپیاں چنتے ہیں
عشق لہروں سنگ ڈولتے ہیں
اک دوسرے کا ہاتھ تھامے
اس انوکھے منظر میں ڈوب جاتے ہیں
پر اب کیا ہوا
یہ سب منظر تو میرے تخیل کے کردار تھے
اک پاگل لڑکی کے مُردہ خواب تھے
وہ خواب جو اُس کی بے وفائی پر ریزہ ریزہ
بکھرے تھے
چاہ کی متلاش لڑکی کو
دکھوں کے جام ملے تھے
گھٹ گھٹ کر زندگی جینے والی لڑکی
آج بھی مجسمہ سوال بنی پوچھتی ہے
کہ مُردہ خواب زندہ کیسے ہوتے ہیں
آؤ دور کنارے چلتے ہیں
خوابوں کی رنگین سیپیاں چنتے ہیں

آسیہ مظہر چوہدری

اچھا کیا تم نے

بہت اچھا کیا تم نے
کہ
مجھے اِک خواب کی انگلی تھما کر
راستے میں چھوڑ آئے ہو
بہت اچھا کیا تم نے
کہ
مجھے چاہت کے سب سپنے دِکھا کر
توڑ آئے ہو
بہت اچھا کیا تم نے
کہ میری زندگی کا راستہ تم
موڑ آئے ہو
بہت اچھا کیا تم نے
مجھے تم چھوڑ آئے ہو

سباس گل

دسمبر یادوں کا مہینہ

کبھی دل خوش کبھی اداس ہوتا ہے
دسمبر میں آخر کیا ایسا خاص ہوتا ہے
کبھی دل موسم کو سراہتا ہے
کبھی ماضی میں کھو جاتا ہے
دسمبر میں آخر کیا ایسا راز ہوتا ہے
کبھی بادلوں کو رُلاتا ہے، کبھی سورج کو ہنساتا ہے
دسمبر کیوں آخر سب کو اتنا ستاتا ہے
کبھی اپنوں سے جدا کرتا ہے
کبھی بچھڑوں کی یاد دلاتا ہے
دسمبر کیوں آخر اتنا بے درد و بے حس ہوتا ہے

مصباح مسکان رؤف

نظم

دسمبر آ چکا ہے
فضا دھواں دھواں ہے
دیارِ دل
یادوں میں ڈھل چکا ہے
نکل کر رگ رگ سے
تو سانسوں میں بس
چکا ہے
سوچا ہے تجھے پل پل
تکیے پہ ٹھہرا ہر اشک گواہ ہے
چھائی ہے ہر سمت دھندسی
پر
دل کا کہر پگھل چکا ہے
بعد تیرے اے جاناں
بھیگا بھیگا
دسمبر
دہکتا الاؤ بن
چکا ہے

شہلا گل سحر صالح

نظم

وہ اِک مشرقی لڑکی
کیسے تم کو بتلاتی
اسے تم سے محبت تھی
اس کی زندگی تم تھے
تمہاری اَن کہی باتیں
وہ محسوس کرتی تھی
تمہیں کھونے سے ڈرتی تھی
بڑی خاموش ہے اب رہتی
وہ اِک مشرقی لڑکی

کیا ایسا ہو نہیں سکتا؟
واپس تم پلٹ آؤ

سیدہ عروج فاطمہ

محبت کی تھی ہم نے

عجیب ہے زندگی کا سفر
ہر قدم پہ آبلہ پائی ہے
قدموں میں لرزش سمائی ہے
روح بے چین حال برا
زندگی کی دھول
ہاتھوں سے اڑاتی ہے
چلتے رہے تنہا!
ملا تھا سفر میں ہمسفر سا کوئی
پر نکلا وہ بھی ہرجائی ہے
اک عمر کی رفاقت تھی جس سے
اک پرسکون سی محبت تھی جس سے
اب اسی محبت سکون نے لی ودائی ہے
وہ ساتھ ہے اب بھی
پاس ہے اب بھی
پھر کیوں
محسوس ہوتی تنہائی ہے
اپنا تو آغاز سے ہی انجام رہا
بس آس ہی جھوٹی لگائی ہے
جب رخصت کیا اسے
لگا خود کو خود سے جدا کیا
محبت کی تھی ہم نے!
تو سزا بھی ہم ہی نے پائی ہے

یاسمین آفریدی

......☆......

سندیسے

مصباح مسکان رؤف ــــ جہلم

ڈھیروں دعاؤں اور محبتوں کے ساتھ مصباح مسکان رؤف کی طرف سے پیارے پاکستان کی پیاری بہنوں کو السلام علیکم اور موسم سرما کی آمد کی مبارک کے بعد عرض ہے کہ ہم خیریت سے ہیں (تھوڑا بہت فلو، کھانسی ہے) اور آپ سب کی خیریت نیک مطلوب ہے۔ سب سے پہلے ردا کا شکریہ کہ ماہ نومبر میں میری تحریر کو موقع دیا گیا۔ اب آتے ہیں افسانوں کی طرف۔ کیا کہنے حورینہ سعد کے۔ ”لائف بوائے کی خوشبو“ کے ساتھ ہر ماہ بڑے ہی عمدہ طریقے اور منفرد انداز میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ ویل ڈن حورینہ۔ اس کے علاوہ ”ہم چاہتوں کی دھن بجائیں گے“ اور ”تیری چاہت میں“ زبردست افسانے تھے۔ ”کوہ عشق“ اختتام پذیر ہوا اور ثناء گلمان سکندر کا بہت افسوس ہوا لیکن اچھا ہوا کہ ارسل کو خیال آگیا۔ سلسلے وار ناول بھی اچھے جا رہے ہیں۔ مکمل ناول ”تم میری دعا ہو“ بہت اچھا لگا۔ وقت کی کمی کے باعث ابھی اتنا ہی پڑھا ہے لیکن ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اوور آل سب تحریریں عمدہ ہیں اور جو ابھی نہیں پڑھیں وہ بھی یقیناً اچھی ہی ہوں گی کیونکہ سب کے عنوان دلچسپ ہیں۔ ”ذرا پھر سے کہنا“ میں تو سب ہی کا بہت خوب صورت انتخاب رہا۔ اچھا جی اب اجازت دیں۔ اللہ نے چاہا زندگی نے وفا کی تو انشاء اللہ پھر حاضر ہوں گے۔ جاتے جاتے وطن عزیز کے حالات کی بہتری کے لیے دعا کہ اے اللہ! ہمارے وطن پر رحم فرما اور ان حکمرانوں کو نیک ہدایت دے۔ اللہ ہم سب پر رحم کرے، آمین۔

شہلا گل سحر ــــ کراچی

ڈیئر صالحہ اپیا السلام علیکم! غموں کی سرد ہواؤں سے اور دکھوں کی بارش سے اللہ کریم آپ کو محفوظ رکھے، آمین۔ پچھلے مہینے طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے کچھ ارسال نہ کر سکی اور نہ تبصرہ کر سکی۔ فریدہ فرید کے ناول کا اینڈ مزے کا تھا۔ ثناء کا مکمل ناول متاثر کن تھا۔ روشانے کا ناول بھی اچھا جا رہا ہے۔ ”حرم“ کا حسن ہی اس کے لیے مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ افسانے سارے سبق آموز تھے۔ میری غزل کو زینت بخشنے کے لیے شکریہ، نوازش۔ 2016ء جانے کو پر تول رہا ہے۔ زندگی نے بھاگنے کی ایک رفتار پکڑ لی ہے۔ دنیا اور مادی ضرورتوں نے ایسے دامن جکڑا ہے کہ اپنی اصل اور انسانیت کی پہچان کہیں نہ رہی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر گرم و سرد سے بچائے، آمین۔

ماریہ یاسر ــــ کراچی

سندیسے میں کافی دنوں کی غیر حاضری کے بعد ایک بار پھر سے آداب عرض ہے۔ امید کرتی ہوں نورین اور آپی بلکہ سارا پاکستان ٹھیک ٹھاک ہوگا اور عیدالاضحی پر خوب گوشت خوری کرنے کے بعد موٹا تازہ ہوگیا ہوگا۔ ہی ہی ہی (ہیں ناں؟) غیر حاضری کی وجہ طبیعت کی خرابی رہی لیکن اب ہم پھر سے پرانی ٹون میں واپس آچکے ہیں یعنی شمارے پر تبصرہ کرنے کے لیے تیار شیار، بلکہ ہوشیار (ہی ہی)۔ سب سے

پہلے تو میں بات کروں گی فریدہ فرید جی کی جنہوں نے نمبر کے شمارے میں "عید سروے کے نام" میں میرے لیے پیغام دے کر مجھے بھی یاد رکھا، شکریہ فریدہ جی۔ اس کے بعد میں جا رہی ہوں پیاری بلکہ منفرد لفظوں کی مالک منفرد انداز اپنائے ہوئے ریما جی کا بڑھا ہاتھ تھامنے کے لیے۔ بالکل ریما میں آپ کا یہ دوستی بھرا ہاتھ تھامنے کے لیے ہی آئی ہوں۔ ایک بات بتاؤں آپ اور مجھ میں ایک چیز کامن ہے وہ یہ کہ ہم دونوں ہی ایک ایک عدد بیٹی کی والدئیں ہیں اور میری پری کا نام ہے حورین ایمان۔ تو پھر ہماری دوستی پکی (ٹھیک ہے؟) اب بڑھتے ہیں اکتوبر کے شمارے کی طرف تو ہمیشہ کی طرح اس بار بھی سارا ردا ہی اعلیٰ تھا۔ فریدہ فرید کا مکمل ناول تو بہت ہی زبردست رہا۔ مریم شیراز کا نام مجھے کچھ نیا سا لگا۔ افسانے سارے ہی بہترین تھے۔ غرض سارے کا سارا ردا ہی نہایت جاندار اور شاندار تھا۔

فرزانہ شوکت ـــــــ کراچی

السلام علیکم! صالحہ آپی آپ کیسی ہیں۔ آپ کے انٹرویو نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ آپ کی جدوجہد کی کہانی پڑھی اور خود میں ایک عزم اور حوصلہ پایا کہ کوئی چیز ناممکنات میں سے نہیں ہے اگر ہم سچے دل، خلوص اور لگن سے کسی چیز کے لیے کوشش کریں۔ ہمارے ردا کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ملے، آمین۔ میری سب لکھاری بہنوں کو میرا پیار بھرا سلام۔ میں کم لکھتی ہوں میرا رابطہ آپ لوگوں سے دل اور خلوص کا ہے۔ سب بہنوں کو خدا خوشیاں اور رحمتیں عطا کرے (آمین)۔ سب بہنیں بہت اچھا اور بہت پیارا تحریر کرتی ہیں۔ اول صفحے سے اینڈ تک سب کی کوششیں دل خوش کر دیتی ہیں اور شدت سے انتظار رہتا ہے ردا کا کب کیم آئے اور ردا ہاتھ آئے۔ میری طرف سے سب بہنوں کا شکریہ جو میری لکھی ہوئی تحریروں کو پسند کرتی ہیں۔ آپی انشاء اللہ ہمارا ردا ہمیشہ ترقی کی سیڑھیاں طے کرتا جائے گا۔

ثوبیہ جواد ـــــــ کھاریاں

ڈھیر ساری چاہت، نیک تمناؤں اور پرخلوص دعاؤں کے ساتھ محبت سے بھرپور سلام۔ ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا ہزاروں خوشیاں بکھیرتا ردا ڈائجسٹ ہاتھوں میں آیا۔ "گوشہ آگہی" کا ہر لفظ دل میں اتر گیا۔ "ردائے جنت" دل و دماغ کی شمعیں روشن کر گیا۔ سلسلے وار ناول میں "دیدۂ عبرت نگاہ" بہت اچھا ہے۔ مکمل ناول میں "تم میری دعا ہو" ثوبیہ ملک کا بہت پسند آیا۔ ناولٹ میں سائرہ مشعال آف دی منتھ رہیں۔ افسانوں میں مصباح مسکان آف دی منتھ رہیں۔ نظیر فاطمہ، سیدہ عروج، دعا محمد ایوب کے افسانے بھی پسند آئے۔ "ردا کی ڈائری" میں کرن ناز کا انتخاب بیسٹ تھا۔ اشعار میں اقصیٰ ڈی آئی خان بیسٹ رہیں۔ اس ماہ کے اقوال میں سعدیہ جواد اور غزل میں ایم جے قریشی اور فلک شیر تابش بیسٹ رہے۔ "خوشبو" میں تمام بہن بھائیوں نے بہت خوب لکھا۔ "ذرا پھر سے کہنا" میں جبار واصف بازی لے گئے۔ میری اور میری فرینڈز، عروہ، ثانیہ آصف، عائشہ، فرحت، اسماء اور آنسہ احسان اللہ کی طرف سے ردا ڈائجسٹ کے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔

افشاں علی ـــــــ کراچی

نومبر کی خنک دار راتوں اور ٹھنڈی ٹھنڈی صبح کا آغاز ہوتے ہی ماہ نومبر کا شمارہ بھی ہمارے ہاتھوں میں آ پہنچا۔ ہلکی ہلکی سی ٹھنڈک، سرسراتی ہوا اور ردا کی چٹ پٹی تحریریں کیا خوب صورت سی شروعات ہے موسم سرما کی! بھاپ اڑاتی کافی اور گرما گرم سوپ کی طرح گرماہٹ بھرا سلام سب کو قبول ہو۔ ماہ نومبر کا ٹائٹل نومبر کی طرح بہت خوب صورت سا تھا۔ "گوشہ آگہی" تو ہر بار ہوتا ہی بہت خاص ہے۔ ہماری رہنمائی کرتی سبق دیتی صالحہ آپا کی خوب صورت باتیں قابلِ احترام بھی ہیں اور قابلِ تعریف

بھی۔ دو حصوں پر مشتمل مکمل ناول ''کوہِ عشق'' بہت خوب صورت ناول رہا۔ پیاری سی ثناء ناز بہت ہی کمال لکھا آپ نے۔ گلمان کے جانے کا افسوس رہا مگر بالآخر سروش کو اپنے سفر کا ہمسفر مل ہی گیا۔ بہت ہی خوب صورت منظر نگاری کے ساتھ مکمل ناول اختتام پذیر ہوا۔ خوب صورت الفاظوں کا چناؤ لیے مون شاہ کا ناولٹ ''موسم ہجر'' بھی اچھا رہا۔ ''تم میری دعا ہو'' مکمل ناول بھی بہت عمدہ تھا جب کہ ''میرے درد کی دعا کرے'' اف! سائرہ مشعال رلا دیا آپ نے۔ لفظ لفظ درد میں ڈوبا، نامعلوم کب بنت حوا کے درد کو درماں ملے گا نہ جانے کب بنت حوا کو اس ظالم معاشرے سے رہائی و انصاف ملے گا۔ تینوں مستقل سلسلے وار ناول ابھی پڑھے نہیں اس لیے تبصرہ نہ دینے پر معذرت۔ اب آتے ہیں افسانوں کی دنیا میں ''وہ بے چارے'' ہلکا پھلکا مزاح سے بھرپور افسانہ تھا۔ ''میں تم اور فیس بک'' سیدہ عروج فاطمہ نے بھی اچھا لکھا۔ ''تیری چاہت میں'' چاہتوں سے بھرپور افسانہ اچھا تھا۔ ''اعتبار محبت شرط ٹھہری'' اعتبار دلاتا شہلا گل سحر کا افسانہ بھی پسند آیا۔ انقلاب کے در وا کرتے تین افسانے قصور کس کا، مجبوری، بہتان بہت ہی عمدہ پیرائے میں لکھے گئے سبق آموز افسانے رہے۔ ''ہم چاہتوں کی دھن بجائیں گے'' یہ افسانہ تھوڑا کنفیوژ سا لگا۔ ''کٹورہ'' سدرہ شاہین کے قلم سے لکھا بہت ہی عمدہ افسانہ اور ٹاپ آف دی افسانہ رہا۔ مختصر پیرائے میں آپ نے بہت خوبی سے غربت جیسی بیماری کو واضح کیا۔ دعا گو ہوں اللہ سے کہ وہ پاکستان کے ہر کونے کونے سے غربت و مفلسی ختم کردے، آمین۔ اکتوبر کے شمارے میں ''ہمیں مار گئی تیری چاہ پیا'' بہت خوب صورتی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا تھا۔ فریدہ فرید نے واقعی بہت شاندار لکھا۔ اکتوبر میں ''دوستوں کے نام پیغام'' میں ثناء کی طرف سے اپنے نام پیغام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ پیاری لڑکی یاد آوری کے لیے بہت شکریہ۔ بہت اچھا لگتا ہے جب کوئی اپنا یوں دل سے یاد رکھے۔ بہت ساری دعائیں اور پیار آپ کے نام۔ ماہ نومبر میں ''کرن ناز کی ڈائری'' پسند آئی۔ ''اس ماہ میں'' تو بھی زبردست تھا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں فرزانہ شوکت، ثناء کنول اللہ دتہ، ایس امتیاز احمد، جبار واصف اور سید بشارت شاہ کی شاعری پسند آئی۔ ردا کی شان ''سندیسے'' تو ہر بار ہوتے ہی ہیں جاندار۔ رابعہ افضال، زاہدہ ہاشمی، رضوانہ آفتاب، کیتی آرا نے سندیسے کو خوب رونق بخشی۔ نور بانو! ڈیئر اتنا مختصر سندیسہ؟ اگلی بار تفصیلی تبصرہ ہونا چاہیے۔ صبا عبدالغنی، فریدہ فرید، فرزانہ شوکت آپ سب کہاں غائب ہیں؟ دلعزیز زاہدہ زاہی! آپ کا سندیسہ پڑھا، دل چھوٹا نہ کریں امید اچھی رکھیں، اللہ آپ کو اولاد جیسی انمول نعمت سے جلد نوازے گا، انشاء اللہ۔ آخر میں تمام قارئین بہنوں، لکھاری بہنوں اور تمام دوستوں سمیت صالحہ اپیا اور نورین ملک کے لیے ڈھیروں دعائیں اور پرخلوص محبتوں کے سنگ افشاں علی کو اجازت۔

جواب: آپ کی ایڈوائس کا بہت شکریہ۔ ہر ادارہ اپنی پالیسی کے مطابق کام کرتا ہے۔

سفینہ خورشید — کوٹری

میری طرف سے پیاری صالحہ آپی اور پورے ردا اسٹاف کو چاہتوں سے بھرا اسلام۔ سب سے پہلے آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہمیں ردا میں شامل ہونے کا موقع دیا اور نورین ملک کو ہماری طرف سے ڈھیر سارا پیار۔ ہمیں ''خوشبو'' سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ شازیہ مصطفیٰ اور روشانے جی آپ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ سچ بہت مزا آتا ہے ردا تو ہماری فیملی کا حصہ ہی لگتا ہے اور آپی کیا ہمیں بھی اجازت ملے گی افسانہ وغیرہ لکھنے کی؟ ثوبیہ ملک آپ نے بہت اچھا لکھا۔ ردا میں تو سب اچھا ہی ہوتا ہے، کس کس کی تعریف کریں۔ اب اجازت دیں انشاء اللہ پھر حاضر

ہوں گے، شکریہ۔

☆سویٹ سفینہ! ردا آپ کا اپنا ردا ہے، ضرور لکھئے۔

سیدہ فرزین حبیب۔ کراچی

محترمہ صالحہ آپی، نورین جی اور ردا اسٹاف کو فرزین کا محبت بھرا اسلام! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ کے بعد اب سردی کی گلابی شاموں کی آمد آمد ہے۔ دعا ہے کہ آپ سب دوستوں کی زندگی پھولوں کی طرح مہکتی رہے۔ اب آتی ہوں اپنے پیارے ردا کی طرف۔ سب سے پہلے ان تمام قاری دوستوں کا شکریہ جنہوں نے میری نئی زندگی کے آغاز پر خوب صورت دعائیں ردا کے توسط سے مجھ تک بھیجیں اور میرے شادی احوال کو پسند کیا، خاص طور پر صباء عبدالغنی، فریدہ فرید، درخشاں ضیاء اور افشاں علی۔ فریدہ فرید جی! آپ نے جو دعائیہ اشعار میرے لیے بھیجے اس کے لیے میں دل سے آپ کی مشکور ہوں اور مجھے خوشی ہے صالحہ آپی کی بدولت نہ صرف اتنا اچھا معلوماتی اور معیاری میگزین پڑھنے کو ملتا ہے بلکہ اس کے ذریعے آپ جیسی خوب صورت دل رکھنے والی دوستوں سے بھی آدھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ ردا میں ہر ماہ نئے ناموں کا اضافہ دیکھ کر دلی راحت ہوتی ہے کیونکہ ردا کی دن بدن شہرت، ترقی کی علامت ہے۔ قمروش اور شازیہ مصطفیٰ کے نئے سلسلے وار ناول بھی ہمیشہ کی طرح پر اثر اور دلوں کو چھو لینے والے ہیں۔ عائشہ ذوالفقار کا ناول ”چل اڑ جا اب تیری باری“ بھی کافی دلچسپ اور نصیحت آموز تھا۔ باقی شاعری اور کچن سلیکشن تو ہوتا ہی باکمال ہے۔ اپنی سویٹ سی صالحہ آپی کی تحریر ”میراں“ بہت ہی متاثر کن تھی۔ کافی دنوں تک اپنے سحر میں جکڑے رہی۔ دانیہ آفرین کو بھی شادی اور ڈینٹسٹ (Dentist) بننے پر دلی مبارک باد۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت، ردا ادب کے آسمان پر سب سے خوب صورت ستارہ بن کر جگمگاتا رہے، آمین۔

عانیہ نیازی۔ ربوہ

پیاری آپی! اور ردا کی تمام پیاری لکھاری اور قاری بہنوں کو میرا چاہت میں لپٹا سلام الفت قبول ہو۔ مجھے یقین ہے کہ رب تعالیٰ کی رحمت سے آپ سب لوگ ٹھیک ہوں گے اور لحافوں میں لپٹے دسمبر کی سرد مہری اور کج ادائیاں برداشت کر رہے ہوں گے مونگ پھلی اور کافی کے مزے کے ساتھ۔ چلیں اب بات ہو جائے ردا کی۔ سب سے پہلے میں فریدہ فرید کو اتنا خوب صورت ناول لکھنے پر مبارک باد دوں گی۔ لفظوں کی خوب صورت مالا سے سجا خوب صورت ناموں جذبوں سے سجا ایک منفرد ناول تھا جو تین اقساط پر مشتمل مسلسل تین ماہ تک میری توجہ سمیٹا رہا۔ عناس نام بہت خوب صورت تھا۔ فریدہ اس طرح کی تحاریر سے ہمیشہ یونہی سرپرائز دیتی رہا کریں۔ بہت سی دعائیں آپ کے لیے۔ سلسلے وار ناولز میں تینوں ناولز قمروش، شازیہ جی اور روشانے بہت خوب صورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں۔ مکمل ناول میں شاہ ناز نے ایک منفرد موضوع پر قلم اٹھایا اور آغاز سے اختتام تک سب یادگار رہا۔ ثوبیہ ملک ”تم میری دعا ہو“ خوب صورت نام کے ساتھ خوب صورت ناول تھا۔ ناولٹ دونوں کچھ اداس کر گئے۔ افسانوں میں بھی افسانے بہترین تھے خاص کر کٹورہ، قصور کس کا، اعتبار محبت۔ ”وہ بے چارے“ بہت اعلیٰ افسانہ تھا۔ کچھ دیر کے لیے تو میں بھی سوچ میں پڑ گئی کہ مرد بھی مظلوم ہوتے ہیں صرف خواتین نہیں۔ سنئے بہنیں خوب رونق لگاتی ہیں یوں لگتا ہے آمنے سامنے بیٹھے باتیں ہو رہی ہوں اور پیغامات کا سلسلہ بھی دلچسپ ہے۔ سب کے پیغام پڑھ کر اچھا لگتا ہے۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت۔

......☆......

دوستوں کے نام پیغام

عظیم انسان عبدالستار ایدھی کے نام

مسافر! شہر خموشاں میں
وہ جو ایک تازہ قبر روشن ہے
یہ پھولوں سے محبت
اور دلوں پر حکمرانی کرنے والے
بادشاہ!
ستار ایدھی کا مقام استراحت ہے
عجب انداز سے یہ دل زدوں کا تاجور
رخصت ہوا ہے
کہ اشکوں اور پھولوں کا تفاوت مٹ گیا ہے
زندگی اور موت کی تفریق اُوجھل ہوگئی ہے
مسافر!
ہم زمین والے ہیں ایسے لوگ ہوتے ہیں
کہ جو چلتے ہیں تو پاؤں کے نیچے
خاک کی تکلیف بھی محسوس کرتے ہیں
بھلا یہ درد دل کی بے بہا دولت
کہاں ارزانی ہوتی ہے؟
کسی مٹی کے پتلے پر
محبت اور عقیدت کی بہاریں کیوں برستی ہیں؟
اگر اس راز کو تم پا سکو تو
مجھ کو بھی ہمراز کر لینا

انتخاب: شائقہ ایاز۔ کھاریاں

پیاری دوست ربیعہ کے نام

میری دل سے دعا ہے کہ میری بچپن کی دوست ربیعہ عرف ربعی جہاں بھی رہے خوش رہے، اور ہنستی مسکراتی رہے۔ پیاری ربیعہ تمہیں دل سے سلام۔ تم میری لاکھوں میں سے ایک دوست ہو۔ پتا نہیں کتنی محبت کرتی ہوں تم سے بس یہ معلوم ہے اپنی ربعی کے لیے جان بھی دے سکتی ہوں۔ پیاری دوست! آپ کے لیے شعر

پتھر کی دنیا پتھر کے لوگ
ہماری دوستی سے جلتے ہیں لوگ
اوکے بائے کھڑوس، رب بلیس یو۔

ثمیرا انگل ناز۔ کراچی

پیارے دوستوں کے نام

ہر بھیگی شام کا منظر بہت دلگیر ہوتا ہے
عجب ہے آبلہ پائی
میرے آنگن میں بکھرے زرد پتے بھی
تمہیں آواز دیتے ہیں
ہر کالی شام میں لپٹا ہوا معصوم چہرہ
ہونٹوں پر جمی پیاس برسوں سے
ہوائے سرد کے جھونکے
جو یہ تن من جلاتے ہیں
تو پھر تمہیں یاد کرتے ہیں
جاناں!

صرف تمہیں ہی یاد کرتے ہیں
ہمیں تم یوں ستاؤ نہ
دسمبر لوٹ آیا ہے
تم بھی لوٹ آؤ نا

ملک جواد نواز۔ کھاریاں

میرے ہسبینڈ کے نام

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش رکھے، ان کی ہر خواہش پوری ہو جو وہ چاہیں وہ پا لیں اور مجھ سے ہمیشہ ایسے ہی پیار کرتے رہیں۔

سفینہ وکیل۔ حیدر آباد

اپنی سسٹر ثناء حسان کے نام

السلام علیکم! میری بہن محترمہ ثناء باجی کیسی ہو، دل سے دعا ہے کہ اللہ پاک تمہاری ہر دعا قبول فرمائے اور تم اپنی لائف میں بہت خوش رہو۔ حسان بھائی سے کہو ــــــ ہماری سسٹر کو گھر بھیج دیں کیونکہ تم بہت دن میں آتی ہو۔ آئی مس یو میری بہن تم مجھے بہت عزیز ہو۔ کیونکہ میں آپ کی چھوٹی سسٹر ہوں۔ دعاؤں میں یاد رکھنا میری بہنا آئی لو یو۔"

سمیرا گل ناز یوسف۔ کراچی

پیارے بھائی کے نام

میرے پیارے بھائی بنیا مبین 26 دسمبر کو تمہاری سالگرہ ہے۔ اللہ کا لاکھ شکر جو ہمیں ہر سال یہ دن دکھاتا ہے۔ جب تمہیں ایک سال بڑا دیکھتے ہیں۔ بہت بہت سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے اور کامیابیوں سے نوازے، آمین۔

میڈم (آہم) بقول تمہارے خود کے ہاٹ، گارجیئس اینڈ etc گرل (ہا ہا ہا۔ اب اتنی تعریفیں لکھتے ہاتھ ہی تھکنے تھے) سحرش رانا! 9 دسمبر کو تمہارا جنم دن ہے۔ سالگرہ بہت مبارک ہو۔ اللہ تمہیں مطمئن اور خوش حال زندگی سے نوازے۔ آمین۔

انار کلی تمہاری برتھ ڈے 12 دسمبر اب تو میں کبھی بھی نہیں بھولتی۔

Many Many happy return of the day.

اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔

اور لڑاکو ماسی! (آہم نادی) مستقبل کی ڈاکٹر! 26 دسمبر کو تمہاری سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تمہیں خوش حال زندگی سے نوازے، آمین۔

تم سب جیو ہزاروں سال (اف!! کتنے بوڑھے ہو جاؤ گے تب ہاہاہاہا)۔

اور ہاں! Main point ٹریٹ کا یار کسی نے بھی نہیں بھولنا ورنہ...... آپ بہتر جانتے ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ Again

Happy birth day to you.

سحر مبین۔ فیصل آباد

پیارے ردا کی تمام پیاری رائٹرز اور پیاری قارئین سہیلیوں کے نام

اگر کسی کے پاس سب کچھ ہو تو دنیا جلتی ہے
اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو تو دنیا ہنستی ہے
ہمارے پاس آپ کے لیے دعا ہے
جس کے لیے دنیا ترستی ہے

اللہ تعالیٰ آپ سب کو نام میں، کام میں، گھر میں، عزت میں، صحت میں، زندگی میں، حلال مال میں ہمیشہ خیر و برکت عطا فرمائے اور آپ سب پیاریوں کو ہمیشہ تندرست اور سلامت رکھے، (آمین)۔

امینہ رؤف، مصباح مسکان رؤف۔ جہلم

......☆......

کچن

تکہ بوٹی

اجزاء

گوشت (بغیر ہڈی کا دستی کا)	آدھا کلو
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
دہی	ایک چھٹانک
نمک، سرخ مرچ	حسب ذائقہ
سوکھا دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
تیل	ایک کپ

ترکیب: گوشت کے ایک ایک انچ کے چوکور ٹکڑے کٹوا لیں۔ گوشت ابال کر نیم گلا لیں اور پانی خشک کر کے اتار لیں (پانی اتنا ہی ڈالیں جو مناسب ہو) سب مصالحے پیس کر دہی میں ملا دیں۔ گوشت کے ٹکڑے ٹھنڈے ہو جائیں تو ان پر یہ دہی لگا دیں۔ اب یہ ٹکڑے سلاخوں پر پرو دیں اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر سینک کر سرخ کر لیں۔ ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا سا گھی ٹپکاتے جائیں۔ جب وہ کوئلوں پر گرتا ہے اور اس کا دھواں تکوں کو لگتا ہے تو بہت مزے دار ہو جاتے ہیں۔ کٹی ہوئی پیاز کے لچھوں اور لیموں کی قاشوں کے ساتھ پیش کریں۔

اروی کے پتوڑ

اجزاء

اروی کے پتے	دو عدد
سرخ مرچ نمک	حسب ضرورت
پیاز	آدھا پاؤ
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
بیسن	ایک پاؤ
انار دانہ	دو کھانے کے چمچ
سبز مرچ	چار عدد (باریک کٹی ہوئی)
خشک دھنیا	دو چائے کے چمچ
کوکنگ آئل	حسب ضرورت

ترکیب: اروی کے پتوں کو دھو کر باریک کاٹ لیں۔ ہری مرچیں بھی دھو کر باریک کتر لیں پیاز کو باریک لچھوں میں کاٹ لیں۔ دھنیے کو توے پر ہلکا سا بھون لیں۔ ہرے دھنیے کی پتیاں چن کر باریک کاٹ لیں۔ انار دانے کو چن کر صاف کر لیں۔ اب ان تمام اجزاء کو بیسن میں ملا دیں۔ نمک مرچ بھی ڈال دیں اور پانی ڈال کر اس آمیزے کی پیسٹ سی بنا لیں کچھ دیر رکھا رہنے دیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں پہلے سے تیار کردہ آمیزے سے پتوڑ بنا کر تل لیں۔ گولڈن براؤن ہونے پر کڑاہی سے نکال لیں اور ہری مرچ انار دانے کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

چکن ٹکا سینڈوچ وِد گرلڈ پوٹیٹوز

اجزاء

بریڈ سلائس : آٹھ عدد (مکھن لگا کر ٹوسٹ کرلیں)

چکن قتلے : چار عدد

لیٹس لیف : چار عدد

ادرک لہسن پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ

تندوری مصالحہ : دو کھانے کے چمچ

دہی : دو کھانے کے چمچ

لیمن جوس : دو کھانے کے چمچ

آئل : دو تین کھانے کے چمچ

گرین چٹنی : چار کھانے کا چمچ

ٹماٹر : چار سلائسز

پیاز : چار یا چھ رِنگز

گرلڈ پوٹیٹوز کے لیے

آلو : تین چار عدد (ابال لیں)

آئل : ایک کھانے کا چمچ

نمک، کالی مرچ پاؤڈر : حسبِ ذائقہ

ترکیب: چکن پر تندوری مصالحہ، ادرک لہسن پیسٹ، دہی اور لیمن جوس لگا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پھر ہر قتلے کو گرل کر کے دو حصوں میں تقسیم کرلیں۔ بریڈ سلائس پر دو قتلے رکھیں پھر لیٹس لیوز، ٹماٹر، پیاز اور گرین چٹنی ڈال کر دوسرا سلائس رکھ دیں۔ آلوؤں کے سلائسز کاٹ لیں۔ پھر نمک، کالی مرچ پاؤڈر اور آئل مکس کر کے گرل کرلیں۔ سینڈوچز کے ساتھ سرو کریں۔

گاجر آلو بھجیا

اجزاء

آلو : ایک پاؤ

گاجر : ایک پاؤ

زیرہ : ایک چائے کا چمچ

رائی دانہ : ایک چائے کا چمچ

خشک دھنیا پاؤڈر : ایک چائے کا چمچ

ہلدی : ایک چائے کا چمچ

سرخ مرچ : ایک چائے کا چمچ

گرم مصالحہ : آدھا چائے کا چمچ

امچور : آدھا چائے کا چمچ

ہرا دھنیا (چوپڈ) : ایک چائے کا چمچ

ادرک : ایک انچ کا ٹکڑا (باریک کاٹ لیں)

نمک : حسبِ ذائقہ

آئل : حسبِ ضرورت

ترکیب: گرم آئل میں زیرہ اور رائی دانہ کڑکڑا کر ادرک کو صرف 20 سیکنڈ بھونیں۔ پھر اس میں آلو اور گاجر شامل کر کے بھونیں۔ اب گرم مصالحہ اور امچور ڈالیں اور ڈھک کر پکنے دیں۔ تیار ہونے پر ہرے دھنیے اور ادرک سے گارنش کر کے سرو کریں۔

مٹن اَیگ بریانی

اجزاء

مٹن : آدھا کلو

چاول : آدھا کلو (دو گھنٹے رکھ کر ابال لیں)

لیموں : ایک عدد (رس نکال لیں)

تیز پات : ایک عدد

بڑی الائچی : دو عدد

پیاز : دو عدد (سلائسز کاٹ لیں)

لونگ : دو تین عدد

ہری مرچ : دو تین عدد (کاٹ لیں)

انڈے : چار عدد (ابال لیں)

فرائیڈ پیاز : پون کپ

دہی : آدھا کپ

لہسن پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ

ادرک پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
زیرہ : آدھا چائے کا چمچ
دار چینی : ڈیڑھ انچ کا ٹکڑا
زردہ اور سرخ رنگ : ایک ایک چٹکی (تھوڑے سے پانی میں الگ الگ حل کرلیں)
ہرا دھنیا : آدھی گٹھی (چوپڈ)
کٹی سرخ مرچ : حسب ذائقہ
نمک : حسب ذائقہ
آئل : حسب ضرورت

ترکیب: دار چینی، لونگ، بڑی الائچی، زیرہ اور تیز پات ڈرائی روسٹ کر کے گرائنڈ کرلیں۔ آئل گرم کر کے پیاز، لہسن اور ادرک پیسٹ ہلکا فرائی کریں۔ اب مٹن، نمک، کٹی سرخ مرچ، ہری مرچ اور آدھا ہرا دھنیا ڈال کر بھونیں۔ دہی اور گرائنڈ کیا گیا مصالحہ شامل کر کے بھونیں پھر پانی ڈال کر گوشت گلا لیں۔ پین میں چاولوں کی تہ لگا کر اوپر مٹن پھیلائیں پھر چاول کی مزید ایک تہ لگا دیں۔ آخر میں بقیہ ہرا دھنیا، فرائیڈ پیاز، لیمن جوس، زردہ اور سرخ رنگ ڈال کر دم لگا دیں۔ ابلے ہوئے انڈوں سے سجا کر گرم گرم سرو کریں۔

ٹماٹو سوپ

اجزاء

ٹماٹر : آدھا کلو (چوپڈ)
پیاز : ایک عدد (چوپڈ)
بونلیس چکن کیوب : دو عدد
لیموں : ایک عدد (رس نکال لیں)
لہسن : پانچ جوے (چوپڈ)
مکھن : دو کھانے کے چمچ
کارن فلور : دو کھانے کے چمچ (تھوڑے سے پانی میں گھول لیں)
فریش کریم : دو تین کھانے کے چمچ
اجینوموتو : آدھا چائے کا چمچ
کالی مرچ پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچ
نمک : آدھا چائے کا چمچ

ترکیب: گرم مکھن میں پیاز اور لہسن ہلکا سا فرائی کر کے ٹماٹر ڈال کر پکائیں۔ پھر اسے پانی ڈال کر بلینڈ کرلیں۔ اب اس میں اجینوموتو، چکن کیوبز، نمک، کالی مرچ، کریم اور لیموں کا رس ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ بیس پچیس منٹ پکا کر کارن فلور ڈالیں اور تھوڑا سا گاڑھا کرلیں۔ تیار ہونے پر بادیان پھول اور ہرے دھنیے سے سجا کر سَرو کریں۔

سلاڈ سینڈوچ

اجزا

بریڈ : تین سلائسز (کنارے کاٹ لیں)
انڈا : ایک عدد (ابال کر سلائسز کاٹ لیں)
ٹماٹر : ایک عدد (سلائسز)
کھیرا : ایک عدد (سلائسز)
بند گوبھی (کش کی گئی) : آدھا کپ
سلاد پتا (چوپڈ) : آدھا کپ
مایونیز : تین کھانے کے چمچ
کالی مرچ پاؤڈر : حسب ذائقہ
نمک : حسب ذائقہ

ترکیب: پہلے سلائس پر مایونیز لگا کر انڈے، ٹماٹر اور سلاد پتے کی تہ لگائیں۔ دوسرے سلائس پر مایونیز لگا کر اوپر رکھیں اور اس پر ٹماٹر، کھیرے اور بند گوبھی کی تہ لگائیں۔ تیسرے سلائس پر مایونیز لگا کر نمک اور کالی مرچ چھڑکیں اور اوپر رکھ دیں۔ تیار ہونے پر کاٹ کر سَرو کریں۔

☆☆

شہلا مشائق

سنگھار

اکثر خواتین بال سلجھانے میں بہت غلطی کرتی ہیں، جس سے بال گرنے کی رفتار میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ بالوں کی مناسب دیکھ بھال کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ آپ سر پر تیل لگا کر مساج کریں یہ عمل ہفتے میں دو بار کیا جائے تو بہتر ہے۔ ناریل یا سرسوں کا تیل بالوں کو موئسچرائز کرنے کے لیے بہترین ہے۔

یہ عمل آپ سر دھونے سے دو گھنٹے پہلے بھی کر سکتی ہیں۔ اسی طرح شیمپو اور کنڈیشنر کے انتخاب میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ بالوں کی ساخت کو مدنظر رکھتے ہوئے شیمپو کا انتخاب کریں۔ کچھ فطری عمل کے علاوہ بہت سی خواتین برش کرتے ہوئے بھی اپنے بالوں کو توڑتی ہیں۔ پہلی غلطی جو عموماً خواتین کرتی ہیں، وہ ہے گیلے بالوں کو برش سے سلجھانا۔ برش الجھے ہوئے بالوں کو مزید توڑتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ گیلے بالوں کو بڑے دندانے والی کنگھی سے سلجھائیں اور سر سے بالوں پر کنگھی کر کے نکالنے کے بجائے بالوں کی نوک سے کنگا کرنا شروع کریں۔

اگر بال زیادہ الجھے ہوئے ہیں تو پہلے اسے مختلف حصوں میں تقسیم کرلیں اور پھر آہستہ آہستہ کنگھے سے نکالیں بہت زور سے غصے میں آکر بالوں کو جھٹک جھٹک کر برش نہ پھیریں۔ سیدھے بالوں میں اگر گیلے ہیں تو آہستگی سے برش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر آپ کے بال گھونگھریالے ہیں تو انہیں خشک ہونے پر برش نہ کریں، بلکہ پہلے ان میں ہاتھوں کی انگلیاں پھیر کر انہیں سلجھالیں، اس کے بعد برش یا کنگھا کریں۔

خواتین عموماً اپنے بالوں میں زیادہ کنگھا نہیں کرتیں۔ دراصل ہمارے بالوں کی عمر سات برس ہوتی ہے اور روزانہ ہمارے سر سے اوسطاً 120 بال گرتے ہیں، تاکہ ان کی جگہ نئے بال اگنا شروع کردیں۔ اگر آپ بالوں میں زیادہ کنگھی نہیں کریں گے تو یہ بال ڈھیلے نہیں ہوں گے اور نئے بالوں کی جگہ نہیں بن پائے گی۔ سر کی کھوپڑی پر کنگھا کرنے سے سر میں جمی چکنائی بھی دور ہوتی ہے اور مسام کھل جاتے ہیں۔ بالوں کے لیے سیدھی، ہموار سطح والا اور نرم دندانوں والا برش، بہت مفید ہوتا ہے۔

کیونکہ اچھے دندانوں والا برش آپ کی کھوپڑی کے ٹشوز کو متحرک کرتا ہے، تاکہ صحت مند بال کی نشوونما ہوسکے، تاہم بہت خشک بالوں پر کنگھا کرنے سے تھوڑا اجتناب برتنا چاہیے، کیونکہ اس عمل سے نا صرف بال ٹوٹتے ہے، بلکہ ان کی نوکیں بھی پھٹ جاتی ہیں۔

آپ کے بال گیلے ہوں تو برش کے بجائے کنگھی کا استعمال کریں۔ یہ نا صرف بالوں کی اٹکلیں سلجھاتی ہے، بلکہ بالوں کو ٹوٹنے سے بھی بچاتی ہے۔ اگر آپ

ہموار سطح والا اور نرم دندانوں والا برش استعمال کر رہے ہیں تو آپ کو بہت زیادہ کنگھا کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اسی طرح بالوں کو ہفتے میں دو مرتبہ، اگر بہت گرمی ہے ورنہ خشک موسم میں چار روز بعد دھو لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کنڈیشنر اور ہیر ماسک بالوں کی نمی کو محفوظ رکھتا ہے اور انہیں نرم و چمکدار بناتا ہے۔

بالوں کو الجھنے سے بچانے کے لیے رات کو چوٹی بنا کر سوئیں۔ یاد رکھیے بہت زیادہ برش کرنا بھی بالوں کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ اگر آپ کے بال بہت خشک اور بھربھرے ہیں تو انگلیوں کی پوروں پر تھوڑا سا تیل لگا کر بالوں میں پھیریں پھر انہیں سنواریں اس طرح ان کی چمک اور نرمی برقرار رہے گی۔

بلیک ہیڈز کو ختم کرنے کے گھریلو ٹوٹکے

بلیک ہیڈز جسے کیل مہاسے بھی کہتے ہیں۔ ناک اور گال پر نکلنے والے کالے نشان ہوتے ہیں، جو بہت بدنما لگتے ہیں۔ کافی مہنگی اور اچھی معیاری کریموں کے استعمال سے بھی چھٹکارہ نہیں ملتا۔ اس لیے آج کچھ ایسی گھریلو چیزوں کے بارے میں بتاتے ہیں، جن کے ذریعے اپنے گھر میں بلیک ہیڈز کو مکمل صاف کر سکتی ہیں۔

☆ لیموں کا رس جلد کے ہر مسئلے کے حل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ چہرے پر دانے یا ایکنی لیموں کے رس سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ بلیک ہیڈز کو صاف کرنے کے لیے لیموں کے رس کو دو طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک چمچ چینی میں چار قطرے لیموں کا رس شامل کریں اور اسے بلیک ہیڈز والی جگہ پر لگائیں اور اچھی طرح سے رگڑیں۔ اس سے بلیک ہیڈز بھی صاف ہو جائیں گے اور جلد چمک اٹھے گی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لیموں کے رس میں دہی، شہد اور نمک ملائیں اور بلیک ہیڈز پر لگائیں۔ یہ بلیک ہیڈز کے خاتمے کے ساتھ ساتھ ایک بہت اچھا موئسچرائزر بھی ہے۔

☆ نمک کا پانی گلا صاف کرنے کیلئے بھی ایک بہترین گھریلو ٹوٹکا مانا جاتا ہے۔ یہ جلد کے داغ دھبوں کو صاف کرنے کیلئے بھی مفید ہے۔ نمکین پانی آپ کے چہرے کی جلد سے اضافی چکنائی کو بھی ختم کرتا ہے۔ نمک کے پانی کو روئی کی مدد سے بلیک ہیڈز پر لگائیں۔ اس کے روزانہ باقاعدگی کے استعمال سے بلیک ہیڈز سرے سے ختم ہو جائیں گے۔

☆ ٹوتھ پیسٹ کو ٹوتھ برش کی مدد سے بلیک ہیڈز پر لگائیں۔ ٹوتھ پیسٹ کو کچھ دیر کیلئے بلیک ہیڈز پر لگا رہنے دیں۔ اس سے چہرے کی اضافی چکنائی ختم ہو جائے گی اور یہ چہرے کو داغ دھبوں سے محفوظ رکھے گا۔ ٹوتھ پیسٹ جلد کو نرم و ملائم بھی کر دے گا۔

☆ شہد نا صرف آپ کے چہرے کو جلد کی جھریوں سے محفوظ رکھتا ہے، بلکہ اس کو اگر ماسک کی طرح چہرے پر لگائیں تو بلیک ہیڈز بھی صاف ہو جاتے ہیں۔ ماسک بنانے کیلئے شہد میں دار چینی کا پاؤڈر ملائیں اور اسے کچھ گھنٹے کیلئے چہرے پر لگا رہنے دیں، پھر بعد میں نیم گرم پانی سے منہ دھو لیں۔ چہرے کی جلد تازہ اور ملائم ہو جائے گی۔

☆ ایک سے دو انڈے کی سفیدی میں ایک چمچ شہد شامل کریں اور اسے آدھے گھنٹے تک بلیک ہیڈز پر لگائیں۔ یہ بلیک ہیڈز صاف کرنے کے ساتھ ساتھ چہرے کی جلد کو نرم بھی بناتا ہے۔

☆ ہلکا سا گرم دودھ لے کر اس میں میدہ مکس کر کے پیسٹ بنا لیں اور بلیک ہیڈز پر لگائیں۔ تھوڑی دیر بعد دودھ میں بھگوئی ہوئی روئی سے صاف کر لیں۔ ہفتے میں دو یا تین دفعہ استعمال کریں۔

......☆......